تاریخی ناول

افغانی اور انگریزی

"پھول اور کلیاں"

افغانستان کی ملکی و ملی خصوصیات کی داستان ۔ جنگ اولِ انگریز کی کہانی ۔ اور انگریز مرد و زن کے خصائل ۔ دو تین رنگین و دلنشین اسلامی عشقی قصے ۔ افغانی راگ رنگ اور ناچ ۔ فارسی اور پشتو کے شعر ۔ دربار بازار اور گلزار کے نظارے کافرستان ۔ بخارا اور روسیہ میں ہندوستان وغیرہ کی سرگذشتیں ۔ اعلیٰ و ادنیٰ طبقات کے لطیفے ۔ عبرت ۔ حکمت ۔ اور اچھے برے نتیجے ۔ آیات ۔ احادیث اور دینی بحثیں ۔ مردانگی اور بہادری کے واقعات ۔ متنوع حکایات ۔ علمی نکات اور فکاہیات کا مجموعہ

از

(حافظ) محمد حسین خان (بی ۔ اے)

سابق رئیس تدریسات افغانستان

مطبوعہ جنرل برقی پریس جالندھر شہر سنہ ۱۹۳۶ء

دیگر کتب از مصنف

گلستان بوستان اور مثنوی معنوی

کا

انتخاب و اقتباس

مکمل حالت میں ان کتابوں کو ایک دفعہ پڑھنا تو آسان ہے مگر دوبارہ مطالعہ کی فرصت مشکل ہے حالانکہ بقول لارڈ بیکن کتب کی اقسام میں سے بعض چکھنے کے قابل ہوتی ہیں کچھ کھانیکے اور بہت کم چبا کر ہضم کرکے جزو بدن بنانیکے۔ سو یہ تینوں کتابیں اسی آخری قبیل کی ہیں۔ ممکن ہے گلستان بوستان اور ایک حد تک مثنوی کے قصے یاد رہ جائیں مگر ان کے نتیجے۔ عبرتیں حکمتیں اور عام نصیحتیں جنکی ہمیشہ ضرورت ہے بغیر تکرار کے ضبط میں نہیں آسکتیں۔ اسی غرض سے یہ خلاصے کئے گئے ہیں۔ تاکہ بلا تکلیف اور بے بکان اخلاقی فوائد حاصل ہوسکیں۔ ایک سرسری نظر ان مواعظ و حقائق کی یاددہانی کر دے جو ان کتابوں میں متفرق و منتشر مقامات پر موجود ہیں اور یہاں ہر وقت کے استعمال کیلئے اکٹھے کئے گئے ہیں۔ روحانی نفسانی اور اجتماعی اصلاح کے اصولوں کے علاوہ جو ان کتابوں میں کئی کئی جگہ درج ہیں بعض امور ایسے ہیں جو علمی و فنی نکات بیان کرتے ہیں۔ مثلاً بوستان میں فوجی ہدایات ہیں جو زمانہ حال کے تجربے سے بھی صحیح ہیں اور مثنوی میں مسئلہ ارتقا کو ایسی خوبی اور تفصیل سے واضح کیا ہے کہ اس سے انسان نہ صرف ایک مفید سبق پاتا ہے۔ بلکہ دماغی حظ بھی اٹھاتا ہے۔ مثنوی چونکہ ضخیم کتاب ہے۔ اور نسبتاً مشکل بھی ہے۔ اس لئے بہ نسبت گلستان بوستان کے کمتر لوگ اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے حجم کے اندازے سے زیادہ منافع بھی رکھتی ہے اس میں اور دیگر کتب میں ہزل بھی ہے جو ہر چند کسی پند کی غرض سے ہے۔ مگر اس سے حیادار طبائع جھجکتی ہیں بلکہ بعض بے شرم مترجم صرف اسی کو لیکر کھلم کھلا روایت کرتی ہیں اور اس کے ماحصل کو فروگذاشت کر دیتی ہیں شیکسپیئر کے ڈراموں سے گندی باتیں نفی کرکے ماقبی نصاب تعلیم میں داخل کئے گئے ہیں۔ یہ انتخاب بھی علی ہذا القیاس صرف شائستہ و شستہ مضامین پر مشتمل سکول و کالج کی تدریسات کیلئے موزوں ہیں۔ بلکہ معلموں اور والدین کیلئے بیحد کارآمد ہیں تاکہ بچوں کو صحیح ضوابط سے تربیت کر سکیں اور عام مجالس میں موثر تقریر کیلئے اور نیز تحریر کے اثنا میں افادے اور آرائش کے ساتھ لکھ پڑھ سکیں۔ گلستان اور بوستان میں حکومت کے متعلق بعض جگہ ایسے کلمات وارد ہیں جو حریت کے منافی ہیں اور مثنوی میں اکثر مواضع ظاہری علوم و فنون کی تحقیر کرتے ہیں جنکی فی زماننا اشد ضرورت ثابت ہو چکی ہے ان کو اور مکرر بیانات کو البتہ حذف کر دیا گیا ہے تاکہ صرف گل و میوہ بے خار و خس اور صفا بلا کدر پیش ہو۔ گلستان بوستان کا انتخاب (صفحات ۱۰۳) قیمت ۱۱/ر۔ مثنوی رومی کا انتخاب (صفحات ۱۳۶) قیمت ۱۲/ر



بخدمت باشہامت وحشمت

نمونۂ حسنۂ رزم و بزم مالکِ مدبّر سیف و قلم

وزیر مختارِ افغان در فرانس سردار موقر والنور المراعلیٰ نشان

علَم افرازِ مظفرِ وزیرستان، مدافعِ باکرّ و فرّ کاریز درویش،

مبارزِ مقتدرِ گردیز، فاتحِ مشہور و متہور دار السلطنۂ کابل

ROYAL **شاہ ولیخان** HIGHNess

آلِ متعالِ وزیر شہیر اکبر خان جنکی صفاتِ عالیہ انکی برکی اہلیہ

سے اخلاقِ اکرم کا مزاجِ سنیم پاکر آپکے ورثے میں آئی ہیں

اور اس کتاب کے ارکان و قبائل کی قومی و ملّی خوبیوں میں

آپ ہی کے ملکی و نظامی خصائل و شمائل کا حصہ شامل ہے

جناب مستطاب شرق و غرب میں معروف ہونیکی وجہ سے

ناظرین کے تصور میں ظاہر تصویر و تعریف سے مستغنی ہیں

تھدیۂ مخلصانۂ مصنف

افغانی اور انگریزی

پھول اور کلیاں

ناول کے بدیع پیرائے میں پیام اسلام

از

جناب فضیلت مآب محمد حسین خان صاحب

بی۔ اے سابق رئیس تدریسات عمومی افغانستان

(ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن)

(جنرل برقی پریس ریلوے روڈ جالندھر شہر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

لف و نشر کی دو نو ترتیبوں سے اس بدیع داستان میں افغانی اور انگریزی نوجوان مردوں اور عورتوں کے خصائل و شمائل
بیان ہوئے ہیں اور اسلام کی حقانیت کا غلبہ دو نو قوموں کے افراد کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے۔ کابل کے میدانِ جنگ سے
لیکر سیر و تماشا کی محفلوں تک اسی کیفیت کو ناظرین ملاحظہ کرینگے اگرچہ ضمناً ئی باتیں گوناگوں دلچسپیوں سے بھری دکھائی دینگی جیسے
مع فی الطعام یا مختلف اقسام کے لوازمِ غذا وغیرا کہ سکتے ہیں۔ افغانستان کے علاوہ بخارا کے امیر اس کے دربار اور روسی نفوذ اور
ترکستان کے رسم و رواج اور مختلف مواضع مقامات اور درّوں کے باشندوں کی عادات و حالات کا ذکر ہے۔ ناول کا زمانہ وہ
ہے جب وزیر خاں اکبر خاں غازی بخارا میں اور اس کا باپ امیر دوست محمد خاں ہندوستان میں نظر بند رہ کر یہ سکہ چلانے کے
قابل ہوتے ہیں ؎

بزد فضل و عنایاتِ خالق اکبر　　امیر دوست محمد دوبارہ سکہ بزد

ایک بھولا بھٹکا انگریز کرنیل کا نئین کشف کرتا ہے مناظروں اور شاعروں میں اپنے تعصب پر جما رہتا ہے مگر اس کے حبِ وطن
قوم پر پہلے جاناں پھر جان اور آخر ایمان قبضہ پاکر اسکو اسلامی مساوات میں داخل کر لیتے ہیں۔ افغانستان کے ملی شعائر و الشعا
کے علاوہ کافرستان وغیرہ کے عجائب و غرائب مذکور ہوئے ہیں۔ افسانے کا وقوع ہندوستان کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے اور
وقت ۱۸۵۷ء کا ہے لہٰذا اس ملک کے واقعات بھی مرقوم ہوئے ہیں اور لا محالہ "غدر دہلی" کا بھی کچھ قصہ سنایا گیا ہے جس میں
سر سید احمد خاں بھی موجود ہیں اور طرفہ یہ کہ کابل کے چرسی اور ہندی افیونی اور پوستی بھی اپنی نیرنگیاں دکھا رہے ہیں۔ کہیں
ہندوؤں کی ستی کا نظارہ ہے۔ کہیں پھر افغانستان میں عشق و محبت کے کرشموں کے درمیان سے اسلام کی حقیقت کھل رہی ہے
شغف سا ڈھیر اجال بچھایا گیا ہے۔ جس کو اگر ابھی بتا دیں تو دام کی پنہانی نہ رہے گی۔ اس لئے قارئینِ کرام کی توجہ جلب کرنے
یا پھنسانے کے لئے تمہید کو زیادہ طول نہ دیکر کہانی چھیڑتے ہیں۔

باغِ بابر میں صیاد

اسلم: بھائی میں تو تھک کر چور ہو گیا اب مجھ سے ایک قدم اور چلا نہیں جاتا۔ دشمن سر پر آن پہنچے۔ ان کے گھوڑوں کے سم پتھر پر نہیں میرے جگر پر پڑ رہے ہیں۔ باغ سے نکل کر قبر بابر کی طرف چلئے شاید وہاں محفوظ ہو سکیں۔

اکرم: جانِ برادر۔ بہتر ہے مگر اب حفاظت محال ہے۔ گرفتاری ظاہر ہے اور یہ مرگ سے بدتر ہے پس لڑائی اور شہادت کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ ان کی تعداد زیادہ ہے اور ایک کی دار و دو۔

یہ دو نوجوان افغان بھائی جن میں سے اسلم ابھی لڑکا ہی ہے رات کے اندھیرے میں جو آدھی گذر چکی تھی قبر کے پاس پہنچے

اکرم: خدایا۔ تیری قدرت سے اس خاک میں کبھی دبدبۂ بادشاہی تھا۔ اس کا پتلا گویا اپنی اس حیثیت کو دور اندیشی سے جانچ کر فتح میں مغرور نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے غلبے کو تیری ہی ذاتِ متعال کے ساتھ منسوب کرتا تھا۔ ہم عاجزوں نے تیری راہ میں جہاد کیا کئی میدان جیتے کتنے کفار کو مردار کیا اور اب ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جیسے بابر کو شکستوں کے بعد منصور کیا ہماری بھی مدد فرما۔

اس اثنا میں متعاقبین کا گروہ نزدیک آگیا تھا۔ ایک افسر کا لباس اور چہرہ انگریزی ہے دوسرا سکھ ہے اور ان کے ماتحت پچاس سوار کے قریب معلوم ہوتے ہیں جو البتہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔ دو کابلی راہ بلد کے طور پر ساتھ ہیں۔ انگریز آہستہ مگر تیز آواز سے حکم دیتا ہے کہ اگر ہمارا شکار اڑ کر نہیں آ چھپا ہے تو یہ مقام اس کا قفس بنے نہ مذبح۔ کوشش کر کے زندہ گرفتار کرو اور ہرگز اس کے قتل کے لئے ہاتھ نہ بڑھاؤ۔

ایک کابلی: "بہت معقول امر ہے۔ ایک بزرگ بادشاہ کے مقبرے پر خون بہانا ہمارے ملک میں بہت عیب سمجھا جاتا ہے"۔

دوسرا کابلی: "صاحب یہ قبر متبرک نہیں ہے۔ آپ ابھی اس حوض کے پاس سے گذر کر آئے ہیں جس کو شراب سے بھر کر مدفون بادشاہ گاتا تھا "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" افغانوں کے جوان جیتے جی پکڑے نہیں جاتے۔ اگر آپ ان کے مارنے پر آمادہ نہ ہوں تو مرنے کے لئے تیار رہئے"۔

افسر: "ٹھیک ہے۔ تم لڑائی کی نمائش کرنا لیکن خبردار۔ حکم قطعی ہے کہ کوئی وار نہ کرے"۔

اکرم نے تعجب سے یہ مکالمہ و محاکمہ سنا مگر اسارت کا خوف ساتھ ہی اور بڑھا جس کو دور کرنے کے لئے عزم مصمم کر لیا کہ لڑتے لڑتے جان دینگے مگر زندہ مطیع نہیں ہونگے۔ اس ارادے میں خلل ڈالنے کے لئے آواز آئی۔

افسر: (اونچی صدا سے) اے افغان بہادرو۔ اب کنارہ کشی بیفائدہ ہے۔ بہتر ہے کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور آزماؤ کہ ہم شجاع دشمنوں کی کتنی عزت کرتے ہیں۔ میں افسر کی حیثیت میں اپنا باشرف قول دیتا ہوں کہ کوئی ضرر تمہیں نہیں پہنچیگا بلکہ تم خوش ہو کر

کے مطابق آرام و منزلت پاؤ گے۔"

اسلم نے مشورہ دیا کہ جب موت یا قید سے رہائی ناممکن ہے انگریز کی درخواست قبول کرنا غنیمت ہے مگر اکرم نے جواب دیا کہ اس کی درخواست کو قبول کرنا خود قید میں پڑنا ہے اور اس سے موت بہتر ہے جو شہادت ہے زندگی ہے اس کے بعد دونوں نے سیلاوے سونت لئے (سیلاوہ ایک لمبا اور چوڑا افغانی چھرا ہے) اور "یا چار یار" کا نعرہ لگاتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اس سرعت اور دہشت سے وار کئے کہ لٹی مقابل آدمیوں کو مجروح و مقتول کیا۔

اس کابلی نے جو انگریز کو قتل کی ترغیب دیتا تھا اسلم کی طرف پستول اٹھا کر کہا "یہ لو ایک پارسی وان اور دیگان کا جواب جسے افغانی کبر و نخوت میں گالی گلوچ سے یاد کرتے تھے۔" (شیعہ اور تاجیک پارسی وان اور دیگان یعنی دہقان کہلاتے ہیں)۔

پستول کی آواز کے ساتھ اسلم بیجان گر پڑتا ہے اور اکرم غیظ و غضب سے آگے بڑھتا ہے کہ غدار ہموطن سے بھائی کا بدلہ لے مگر تلوار کی بجلی اس کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ ایک لمحہ بعد کیا دیکھتا ہے کہ قاتل کابلی کا سر اس کے پاؤں میں ڈھلکتا ہے۔ اس کی حیرت سے استفادہ کرکے انگریز بولتا ہے "آپ کی طرف سے انتقام میں نے لے لیا۔ کیا اب بھی مجھ پر اعتماد نہیں کرتے اور خاطر جمعی سے اپنے آپ کو میرے حوالے نہیں کرتے؟"

اکرم" عرفت ربی بفسخ العزائم۔ بندے کا قصد کچھ اور ہوتا ہے مگر وہ عاجز ہے اور کردگار ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ میں دنگ رہ گیا ہوں کہ دشمن کے سامنے کھڑا ہوں یا دوست کے اس حالت میں البتہ جنگ بھی نہیں کر سکتا۔"

انگریز مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے اور اکرم سیلاوہ میان میں ڈال کر پیش کرتا ہے مگر انگریز اسے ہاتھ نہیں لگاتا اور کہتا ہے "آپ اسے مع اپنے پستول اور پیش قبض کے اس حرمت کے ثبوت میں اپنے پاس ہی رکھیں جس کا وعدہ میں نے آپ کے ساتھ لیا ہے۔" مقتولین کے گھوڑوں میں سے ایک اچھی سواری اکرم کے لئے چن کر چار سواروں کے ساتھ اس کو آگے روانہ کرتا ہے کہ فلاں خیمے میں اتار کر فوراً استراحت کا سامان مہیا کریں اور خود باقی سواروں کے ساتھ ماتحتوں کی اطاعت پر دلائل بیان کرتا دو کابلیوں کی موت کو فخر و مسرت کا باعث بتاتا ہے اور اپنے تلف شدگان کا اظہار نہیں کرتا۔

اکرم وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جاتا ہے کہ نوکر لطیف اقسام کے طعام لاکر رکھ جاتا ہے۔ ان کی طرف التفات نہ کرکے ذکر خدا میں محو ہے کہ ایک نوجوان عورت نمودار ہوتی ہے جیسے حور بہشتی اور میٹھے لہجے میں پوچھتی ہے کہ کچھ تناول کیوں نہ کیا؟ اکرم اس کی طرف بے اختیار آنکھ اٹھاتا ہے مگر اس اندیشے سے کہ لڑائی میں شہادت نصیب نہ ہوئی کہیں مفت مارا نہ جائے دوسری طرف دیکھ کر جواب دیتا ہے کہ "مردہ دار ہوں اور ابھی میں نے اپنے بھائی کو دفن بھی نہیں کیا۔ کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔"

عورت :۔ علی الصباح آپ کا بھائی تمام اکرام کے ساتھ بادشاہ کے پہلو میں مدفون کیا جائیگا اور میں نے ابھی اس کا اہتمام کر دیا ہے کیا اپنے مرحوم بھائی کی اس توقیر سے مطمئن نہیں ہو؟

اکرم (تعجب کرتے ہوئے) " البتہ اس بیکسی و ذلت کے زمانے میں مطمئن بلکہ متشکر ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ عقبیٰ میں کام نہیں آتے وہاں شہدا و صالحین کی صحبت مطلوب ہے" (شہدا و صالحین کا کابل میں ایک بڑا قبرستان ہے جہاں بعض صحابہ کرام مثلاً جابر و تمیم انصاری رضی اللہ عنہ کی قبور بھی موجود ہیں)

عورت ۔ آپ جس جگہ چاہیں وہاں قبر کا انتظام کیا جا سکتا ہے ۔ ذرا آپ اپنی خواہش کی توضیح فرمائیں "

اکرم :۔ میرا خاص مطلب کوئی نہیں ۔ ماتم کی کیفیت میں آخرت کی طرف رجوع ہوتا ہے ۔ جہاں البتہ شہید و صالح اشخاص ہی کو دخل ہے اور میرا بھائی امید ہے کہ انہی کے زمرے میں ہوگا خواہ دنیا میں کہیں بھی مدفون کیا جائے آپ نے سقراط کا قصہ پڑھا ہوگا جس نے مرتے دم افلاطون کو وصیت کی تھی کہ مجھے جلاؤ و باؤ یا سمندر میں پھینکو دو مساوی ہے ۔ میں بہر حال آسمان پر جا بسونگا ؎

کہ م نہ وائی کو نتوب رہبری کڑے افلاطوں غندے بہ مڑوم گمراہ

؎ (نہ کرتا جنوں گر میری رہنمائی مرا ہوتا مثل فلاطوں میں گمراہ)

جب ان یونانی حکیموں کے یہ عالی خیالات ہوں جنہیں ہم ضلالت میں مبتلا سمجھتے ہیں تو ہم مسلمان البتہ بہت بلند پرواز ہوں گے "

اتنا کہکر اکرم دفعتاً رک گیا تو اس عورت نے طولِ کلام کی آرزو ظاہر کی ۔

اکرم :۔ چونکہ اس خیمے کے صاحب نے مجھے ایک عجیب و غریب طریقے سے ممنون کیا ہے میں نہیں چاہتا کہ اس کے غیاب میں کسی طرح کی خیانت کے شبہے کا شائبہ میری طرف سے ہو سکے ۔ رات بہت گذر گئی ہے اور آپ غیر محرم خانم ہیں "

عورت :۔ آپ کی گفتگو بہت دلچسپ اور مفید ہے اور مطلب کے موافق جس کا اظہار آپ ویسے ہی میرے سامنے کر سکتے ہیں جیسے میں وہی شخص ہوں جس کا اس خیمے کے ساتھ تعلق ہے "

اکرم :۔ ہمارے رسول اکرمؐ کے ایک خادم نے جو برسوں آپ کے پاس رہا تھا ایک دفعہ آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ اس جہان میں آپ کے قدوم جنت لزوم میں رہکر اور آپ کی روحانی و اخلاقی برکات سے محظوظ ہو کر کہتا ہوں کہ اگر فردوس بروئے زمین است ہمیں است ۔ لیکن عقبیٰ میں آپ مقام محمود میں ہونگے ۔ جہاں تمام ازمنہ کے انبیا و صلحا سے کب فراغت ہوگی کہ میری طرف ملتفت ہوں یا میری عاجزانہ رسائی آپ تک ہو سکے ۔ اس لئے ابھی سے بیچین ہوں ؎

{ دوصال پہ چینے مرمہ وچی شنڈی دفراق لہ اندیشنہ دتاب دتب }

؎ { چشمۂ وصال پہ مرتا ہوں خشک لب اندیشۂ فراق سے برپا ہے تاب وتب }

آنحضرتؐ کی زبان سے خدا تعالیٰ نے جواب دیا وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝ خدا اور رسول کے اطاعت کنندہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمائے یعنی نبی سچے شہید اور نیک اشخاص اور کیا اچھے رفیق ہیں یہ۔

عورت:" ایک فرانسیسی ضرب المثل کی رو سے آقا ہر چند افضل و مدبر ہو اپنے خدمتگار کے نزدیک ویسا معزز و محترم نہیں ہوتا جیسا کہ دوسرے خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ انسان کی حرکات و سکنات گھر میں اس قدر قابلِ ستائش نہیں ہوتیں جتنی میدان جنگ میں یا منبر پر البتہ جو شخص فی الحقیقت بڑا ہو اور سچا اس کی خوبیاں خلوت و جلوت دونو جگہ میں عیاں ہوتی اور نوکروں کو بھی گرویدہ بناتی ہیں۔ مسلمانوں کے نبی واقعی سچے تھے۔"

اکرم نے ایک انگریز عورت سے اپنے رسولؐ کی تائید سنکر اپنا فرض سمجھا کہ اس کے متعلق مزید حال بیان کرے "مسلمانوں کی تاریخ سب اقوام سے زیادہ معتبر اور موثوق ہے۔ ہر عرب آزاد تھا اور کسی کی فرمانبرداری نہیں کرتا تھا ایک نے نوشیرواں تک کو طعنہ دیا تھا کہ تمہاری مملکت میں عربوں کی طرح صرف ایک شخص یعنی بادشاہ آزاد ہے اور باقی سب غلام ہیں۔ ان عربوں نے البتہ جناب رسالتمآب میں فضیلتیں ملاحظہ کیں جو ان کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ایک سفیر کفار نے اپنی قوم میں واپس جاکر یہ پیغام دیا کہ میں نے قیصر و کسریٰ کے درباروں کو دیکھا ہے کہ شاہنشاہ ہیبت و شوکت سے بیٹھا ہے اور اعیان و ارکانِ دربار ادب و احترام سے کھڑے ہیں لیکن وہ سب طمع اور ظاہرداری تھی۔ میں نے ان سرداروں اور احرار کو جو سلاطینِ عالم کے سامنے سر خم کرنے کو عار سمجھتے ہیں رسولؐ کے ادنیٰ اشارے پر سر دینے کو تیار دیکھا ہے۔"

عورت:" میں تصدیق کرتی ہوں۔ ہمارے مسیحؑ نے آپ کے رسولؐ کی پیشین گوئی کی کہ میرے بعد فارقلیط آئیگا۔ اور یہ کلمہ احمد کا مرادف ہے جو قدیم عبرانی لغات سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر توریت میں بیان ہوا ہے کہ فاران سے ایسا طلوعِ نور ہوگا جس کو غروب نہیں اور فاران یونانی جغرافیوں میں مکہ ہے۔ اس کی تقویت تیرہ سو سال کے عرصے سے ہوتی ہے۔ جس میں کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوا آپ کے وجود نے مجھے تحقیق کی طرف مائل کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام ہی آخری اور ناسخ دین ہے۔ محبت کو پل کہہ سکتے ہیں جو مجاز سے حقیقت کو پہنچا دیتی ہے۔"

عورت نے آخری الفاظ بڑی مشکل سے دبی زبان میں ادا کئے اور زیادہ نہ بول سکی۔ اکرم نے ان سے متاثر و متحیر ہو کر اوپر نگاہ کی آنکھیں چار ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بلند بالا۔ چوبیس سال میں یہ سرو قد اتنا بڑھا ہے۔ بھائی کے غم میں کمر خمیدہ ہو گئی ہے اور چہرے کی سرخی بھی زردی سے مبدل ہو رہی ہے اور انجیل میں جس سیبِ آدم کا ذکر ہے اس میں کبھی یہ دو ہی رنگ ہوتے ہیں۔ ایک نے پہلے فریفتہ کر لیا تھا اب دوسرا اب شیفتہ کر رہا ہے ؎

ایک تو دل ہے فدا کس کس پہ اس کو کیجیے
شوخیٔ رفتار پر یا شوخیٔ گفتار پر

سامنے جو عورت کھڑی ہے اکرم زیادہ اس کے علم و فضل سے مرعوب ہؤا تھا اور اسلام کی طرف میلان نے اسے اور
زیادہ مرغوب بنا دیا تھا مگر اب کچھ اور تماشا دیکھتا ہے ؎

پیش کہ برم شکوہ از آں نرگس کافر
بیچارہ شہیدے ز دم تیغ دو رنگے

اس کی عمر بائیس سال کی ہوگی مگر اکرم پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کو اس نے چار سال پہلے ایک ہنگامے میں دیکھا تھا جب برنس کابل میں قتل کیا گیا تو اس کی سفارت کے مرد و زن جہاں کہیں بھی تھے البتہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یہ لڑکی شور بازار میں بھی کہ ایک کابلی نے اسے پکڑنا چاہا۔ اسلم اتفاقیہ گذر رہا تھا جس نے منع کیا۔ کابلی جو اپنی گلی میں شیر تھا اسلم کو برا بھلا کہنے لگا کہ تم گاؤں کے افغان چھوکرے میرے شکار پر ہاتھ ڈالتے ہو۔ اس نے لڑکپن کے طیش میں کابلیوں تاجیکوں اور پارسی وانوں کو گالیاں دیں جس پر اور دوکاندار بھی اس کے مخالف بن گئے اور جیسا کہ قاعدہ ہے۔ غصے میں ایک دوسرے کی قوموں کو کوسنے لگے۔ افغانی النسب اشخاص شہر میں ضرور ادھر ادھر موجود ہوتے ہیں وہ بھی آ کودے اور ان کے درمیان اکرم بھی تھا۔ جس نے اپنے بھائی کو مع لڑکی کے بھیڑ سے نکال کر فریقین کو سمجھایا کہ برنس کے قتل پر انگریز ہم سے بدلہ لیں گے۔ اس لئے متفق و متحد ہونا چاہیئے۔ نہ کہ ایک معمولی بات پر بگڑ کر تنازعہ فتنہ ایجاد کریں **لا یسخر قوم من قوم عسے ان یکونوا خیرا منہم**۔ ایک قوم دوسری قوم کو تمسخر نہ کرے ممکن ہو وہ اس سے بہتر ہو۔ ایک بیکس لڑکی کی عصمت کی حفاظت شریفوں کے ذمے ہے۔ **لا تمسکوا بعصم الکوافر**۔ اگرچہ کافروں کی ناموس ہو ہم اسے پکڑنے کے مجاز نہیں ہیں۔ بلکہ لازم ہے کہ اسے صحیح سلامت اس کے گھر پہنچا دیں۔

برسوں بعد بیچارہ اسلم اسی کینہ ور کابلی کے ہاتھ سے شہید ہؤا۔ اس ذہنیت سے باخبر اکرم نے اس لڑکی کو باوجودیکہ اس کے حسن کے علاوہ اس گیر و دار میں اس کی دلاورانہ وضع نے اس کے دل پر قابو پا لیا تھا بجائے اپنے ہاں لیجانے کے فوراً سفارتِ انگریزی کے سپرد کیا۔ وہ لڑکی البتہ نہایت ممنون تھی اور شکریہ ادا کرتے نہیں تھکتی تھی مگر اکرم محسوس کرتا تھا کہ اس کے دل میں کوئی بات ہے جو کہنا چاہتی ہے مگر کہہ نہیں سکتی۔ اتنا ظاہر تھا کہ جیسا اکرم اس سے رخصت ہوتے ہوئے تامل و تاخیر کرتا تھا وہ بھی جدا ہونے میں کسی نہ کسی مزید شکرانے کے بہانے سے دیر لگاتی تھی مگر آخر علٰحدہ ہونا پڑا کیونکہ برنس کا قتل ایک بجلی کی چمک تھی اور سب جانتے تھے کہ آناً فاناً صاعقہ باری شروع ہوگی جس سے کئی خانمان تباہ ہونگے۔

اکرم کے سینے میں اس لڑکی کی یاد نقش فی الحجر ہو گئی۔ اس کو محو کرنے کے لئے کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے سیر و شکار میں مشغول ہوتا ہے اور لڑائیوں میں بھی حصہ لیتا ہے جن کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے مگر وہ شکل رزم و بزم دونو جگہ سامنے ہے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

ولقد ذکرتك والرماح نواهل   مني وبيض الهند تقطر من دمي
فوددت تقبيل السيوف لانها   لمعت کبارق ثغرك المتبسم

۴ کیا ہے میں نے تجھ کو یاد جب نیزے میری جاں سے   لہو پیتے تھے ٹپکاتی تھیں اس کو تیز تلواریں
ترے دانتوں کے جب برق تبسم کی طرح چمکیں   ہوئی مجھ کو تمنا یہ کہ ان کی چوم لوں دھاریں

۵ الفت کا جب مزہ ہو کہ وہ بھی ہوں بیقرار
ہو دونو طرف سے آگ برابر لگی ہوئی

وہ لڑکی بعینہٖ اکرم کی طرح مجروح ہو چکی تھی مگر پشاور سے اطلاع آئی کہ اس کا باپ کرنیل جیکب سکھوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کی ماتمداری کے سوا کابل میں اب انگریز عورت کا رہنا مناسب نہیں تھا اس لئے اس کے بھائی کپتان جوف نے جو برنس کی سفارت میں عسکری معاون تھا اپنی بہن کو ہندوستان اور وہاں سے اپنی ماں کے پاس لنڈن جانے کا مشورہ دیا۔ محبت کے تخیل پر خاندانی مراعات کو ترجیح دیکر عازم سفر ہو گئی۔ انگریزی مجالس میں البتہ متمول اور معزز جوانوں کی نظریں اس پر پڑتی تھیں کھبنی تھیں اور اٹھتی ہی نہیں تھیں۔ مگر اس نے پہلے سوگ وغم اور پھر متانت ووقار کو ایسا ڈھال بنایا کہ خواستگاریوں کا جواب ہی نہیں دیتی تھی کئی آرزوئیں اس کی نفی کے ساتھ ٹکرا کر خاک میں مل گئیں۔ گھر کے سب معاملات سلجھا کر اور تدبیر وحیلے سے کام لیکر اس فوج کے سیاسی شعبے میں داخل ہو گئی جو کابل کی طرف جا رہی تھی۔ اور اپنے بھائی کے ساتھ جا ملی جو وہاں غیر معمولی خدمات بجا لا کر اب نائب کرنیل تھا۔

اکرم کی تلاش کرتی ہے جو نہایت مشکل امر تھا کیونکہ اس کا نام آتے ہی ہر انگریز کو غصہ آتا تھا اور اس کا نام ہر ایک کی زبان پر تھا۔ اس کی شجاعت مشہور ہو گئی تھی اور اس کے متواتر حملوں سے انگریزی سپاہ تنگ آ گئی تھی۔ وہ لڑکی اب برسوں اور فکروں سے پختہ جوان ہو گئی ہے۔ نام افیلیہ ہے اور اکرم کی سخت عداوت اسے اندیشے میں ڈالتی ہے کہ ملی دشمنی میں اس کے ساتھ بھی عناد واقع نہ ہو گیا ہو۔ اگر یہاں تک نوبت نہ بھی پہنچی ہو تو ایسے شدید دشمن سے مٹ بھیڑ کیسے ہو سکتی ہے۔ ان پریشان خیالات کے ہجوم میں اپنی جان کی پرواہ نہ کر کے جنگ کا نظارہ کرتی ہے اور اس کی نظر میں اگرچہ شور بازار کا اکرم سمایا ہوا ہے مگر وہ اپنے منجی ومحسن کو اب اپنی قوم کے قاتل کی صورت میں دیکھنا چاہتی ہے۔

دفعتہً دوربین کو زیادہ توجہ سے لگاتی ہے کیونکہ آسمائی پہاڑ کے دامن میں دو نوجوان باقی غازیوں سے آگے بڑھتے ان کو بھی اوپر چڑھنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی سے انگریزی توپیں گولے برساتی ہیں اس لئے جو بڑھتے ہیں مرتے ہیں اور دوسرے پیچھے ہٹتے ہیں۔ پھر یہ دو جوان نمودار ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے افغانوں کا گروہ پیشقدمی کرتا ہے مگر دوبارہ گولوں اور پتھروں کے پھٹنے سے پھر ان کا سراغ نہیں ملتا۔ دھواں اور غبار صاف ہوتا ہے۔

تو وہی تھوڑا کا منظر پیش آتا ہے مگر اب اکرم کے ساتھ ایک ہندو ہے جو زرد پگڑی سے پہچانا جاتا ہے۔ وہ گجراتی تلوار ہوا میں سر کے اوپر گھماتا ہے اور لمبی لمبی پھلانگوں سے اوپر کی طرف بڑھتا ہے۔ پیچھے مڑ کر کچھ کہتا ہے "اے مسلمانو۔ اگر تم مارے جاؤ گے تو سیدھے بہشت میں داخل ہو گے۔ میں صرف اپنے وطن کی خاطر موت کو قبول کرتا ہوں چاہیئے کہ تم مجھ سے آگے بڑھ کر حملہ آور ہو" اس پر ایک بڑی تعداد مرتی کٹتی اور گھسٹتی پہاڑ پر پہنچ جاتی ہے وہ ہندو اور اکرم پھر توپچیوں کو قتل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اپنی قوم کے ہلاک ہونے پر اوفیلیہ اپنی خوشی سے پشیمان ہونے کی کوشش کرتی ہے مگر تھوڑی دیر میں وہ واقعہ پیش آتا ہے جس پر اُسے خوش ہونا چاہیئے تھا مگر وہ افسوس کرتی ہے کہ اُسے رنج پہنچا۔ چونکہ مسلمان تھوڑی تعداد میں پہاڑ پر پہنچ سکے تھے تازہ دم انگریزی فوج قلعے سے نکل کر ان کو محصور کرنے میں کامیاب ہوئی۔ پھر دوربین سے اکرم اور اسلم صفوں کو چیرتے نکلتے دکھائی دیتے ہیں۔ بڑے بڑے پتھروں کی آڑ میں بیٹھتے جھکتے اور بھاگتے نیچے اترتے ہیں۔ دریائے کابل کا وہ جزیرہ ہے جب اسے گوپی کا پتہ بھی روک دیتا ہے اس میں گذرتے باغِ بابر کی راہ لیتے ہیں۔ شام کا اندھیرا چھا جاتا ہے اور بادل بھی گھرا ہوا ہے۔ اس کی مدد سے گڑھوں ٹیلوں اور درختوں کی پناہ ڈھونڈھتے جب باہر نکلتے ہیں تو تمام راستے بند پاتے ہیں۔ ایسے بہادر اور مشہور افغانوں کا تعاقب البتہ بڑی سختی اور توجہ سے ہو رہا ہے۔ انگریز کرنیل نے پچاس سواروں کو ایک سکھ صوبیدار کے ماتحت جس کے ساتھ دو کابلی راہنما بھی تھے خاص انہی کی گرفتاری کے لئے متعین کیا تھا اور انہوں نے تمام اطراف میں گھومتے ایسا محاصرہ کر لیا تھا کہ دونو بھائی ان کے حلقے میں سے نکل کر کسی گاؤں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے اس لئے مجبوراً مقبرے میں جا چھپے۔

جب افغانوں کو شکست ہوئی اور اکرم و اسلم دوڑے تو اوفیلیہ نے ایک لحظہ ضائع نہ کر کے ان کی مدد کی تدبیر کی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ کرنیل نے ان کے تعاقب کا پورا اہتمام کیا ہے اور وہ خود بھی اسی دوڑ دھوپ میں ہے اور مقتولین و مجروحین کے ڈھیروں پر سے گذرتا اسی دھن میں لگا ہے کہ شکست یافتہ لوگ زندہ بچ کر نہ نکلیں ورنہ کل پھر مقابلے پر آ جمینگے۔ گھنگور گھٹا نے شام ہی سے تاریکی پھیلا دی ہے اور اوفیلیہ پھر بھی دیکھ سکتی ہے کہ کرنیل قابل آفرین چستی دکھا رہا ہے اگرچہ وہ دل میں نفرین کر رہی ہے۔ ایک زخمی نمازی جانکنی کی حالت میں تڑپ رہا ہے مگر جان دینے سے پہلے اپنی بندوق سیدھی کر کے کرنیل کا نشانہ لگاتا ہے۔ دونو ایک لحظے میں بیجان ہو جاتے ہیں۔ اوفیلیہ دونو کی نبضیں محسوس کرتی ہے جو بند ہیں۔ فوراً کرنیلی لباس اوتار اپنے زیب تن کرتی ہے اور اسی گھوڑے پر سوار ہو کر باغِ بابر کی طرف لپکتی ہے۔ سکھ صوبیدار اور سواروں کے ساتھ ملاقی ہو کر جو سر انگریز کو اپنا افسر سمجھتے ہیں جرنیل کی طرف سے یہ مصنوعی حکم سناتی ہے کہ اکرم و اسلم کو ہرگز قتل نہ کیا جائے بلکہ زندہ گرفتار کر کے لائے جائیں چنانچہ کم از کم اکرم کو صحیح و سالم اپنے ساتھ خیمے میں لا سکی۔ سکھ صوبیدار اور سواروں کو رخصت کر کے اپنے بھائی سے ملنا چاہتی تھی جو کرنیل کے مارے جانے سے اب اس کی جگہ مقرر ہو گیا تھا مگر وہ جرنیل کے پاس تھا لہٰذا اطمینان سے

اکرم کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگئی۔

ہم اوفیلیہ کو اسلام کا قائل ہوتے چھوڑ آئے ہیں مگر ساتھ ہی وہ محبت کا ذکر کر رہی تھی جس پر اکرم چونکا تھا۔ اب وہ بول سکیا اس انگریز لڑکی کو پہچان سکتے ہو جو آپ کو قبر سے یہاں لایا ہے؟ اکرم فراست سے سب ماجرا تاڑ گیا اور بولا:۔
"آپ نے شاید اس افغان کو پہچان لیا جس نے ایک انگریز لڑکی کو کسی شریر کے پنجے سے چھڑایا تھا"
اوفیلیہ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس غریب لڑکی پر ان چار سالوں میں کیا کیا غم والم فراق میں گذرے"!
اکرم "کیا آپ جانتی ہیں کہ میرے دل سے اس کی یاد اس عرصے میں کبھی زائل نہیں ہوئی"؟
اوفیلیہ "میں نے آپکی خاطر بڑے بڑے نامور اور دولتمند جوانوں کو دھتکارا"
اکرم "میں نے سرداروں کی لڑکیوں کی پروانہ کی بلکہ مجرد رہنے کا عزم کر چکا تھا کیونکہ آپ کا میسر ہونا ممکن نہیں تھا"
اوفیلیہ "اب تو میں لونڈی حاضر ہوں"
اکرم "میں بھی آپ کا غلام ہوں مگر اسلام نے مرد کا رتبہ بلند کیا ہے لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَة "
اوفیلیہ "یہ بھی تو آیت ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں کی مانند ہیں۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ "
اکرم "ہمارے رسولِ رؤف نے عین نزع میں تاکید فرمائی ہے کہ عورتوں کے ساتھ محبت و حسنِ معاملت برتو"
اوفیلیہ: میں اسی محبت کے مفرطانہ جذبات میں اسلامی فرائض کو بھلا بیٹھی تھی۔ اب میں مسلمان ہوں اور گوارا نہیں کر سکتی کہ آپ انگریزوں کی قید میں رہیں اور نہ ہی میں آپ کے بغیر رہ سکتی ہوں۔ لہذا جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکلنا مناسب ہے۔ میں نے نخرج کی سبیل سوچ رکھی ہے۔ فی الحال آپ میری فرمانبرداری کیجیے میں کم از کم مسلمان ہوں اور ایمان میں آپ سے کمتر نہیں ہوں۔ اگر انگریزی محاورہ استعمال کروں تو آپ کی نصفِ بہتر ہوں۔ تیرا مجھے اپنی نفیس لنگی وکلاہ کو فرنگی ٹوپی سے مبدل کیجیے۔ اور اپنے خوشنما جوتے کی بجائے سادہ بیوضع بوٹ پہنئے۔ اسی طرح اپنا باقی آسائش و زیبائش سے بھرا لباس تکلف و تکلیف والے انگریزی کپڑوں سے تبدیل کیجیے تاکہ ایک یورپین افسر کی حیثیت میں باغِ بابر کی طرف چلیں۔

"بلٹ حکمدار" کی آوازوں کا جواب دیتے اکرم کی راہ بلدی میں قطع کوتاہ راہ سے گذر کر منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں جہاں تلاوتِ قرآن کی آواز سے اکرم چندے حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر (کرنیل) اوفیلیہ تبسم سے پوچھتی ہے کہ اسکے کیا معنی ہیں؟
اکرم "جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے ہاں سے رزق پاتے ہیں اور اس کی نعمتوں سے خوشحال ہیں اور اپنے پسماندوں کو بشارت دیتے ہیں کہ ان پر کوئی خوف وغم نہیں"
اوفیلیہ "میں نے کابلی راہ بلد کو اس کی اپنی معقول تجویز کے مطابق آپ کے بھائی کی نعش کے پاس چھوڑا تھا تاکہ صبح تک حفاظت کرے"

اکرم :- میں نے اپنا عزیز بھائی کھویا اور آپ کو پالیا۔ معلوم نہیں کہ وہ غم زیادہ ہے یا یہ خوشی مگر ابھی سن چکا ہوں کہ میرا بھائی مرا نہیں بلکہ بہشت کی درختوں میں جا بسا ہے جس پر مجھے حسرت آتی ہے لیکن حافظ مجھے بھی تسلی دیتا ہے ؎

آمرزش نقد است کسے را کہ دریں جا

یارے است چو حورے و سرائے چو بہشتے

ہمارا اپنا شاعر اس سے بھی بڑھ کر دعوی کرتا ہے ؎

کہ چا پہ دنیا کښں جنت نہ وی ولیدے

بلا تشبیہ د یار خوند ستا د وصال دی

(بہشت اگر نہ ہو دیکھا کسی نے دنیا میں — یہ اک مزہ ہے تیرے وصل کا بلا تشبیہ)

ہم باغِ بابر میں ہیں جس کی بابت جو میں نے کبھی کہا تھا اب اس کی اپنے پر تصدیق پائی ؎

بکوشید بابر بآں عیش فانی — کزو شد فنا لیک دربار ثانی

بگردان عنانش سوئے باغِ بابر — اگر اسپ عیشت بکابل برانی

رات اگرچہ تھوڑی باقی ہے مگر بادلوں کے سبب بہت اندھیرا ہے اور آندھی سی بھی چل رہی ہے جو پنجہ چنار کے عظیم بجنہ درختوں میں جدا ہیبت پیدا کر رہی ہے۔ جب اکرم اور اوفیلیہ قرآن پڑھنے کی آواز دور سے سنتے ہیں تو ذرا ٹھہر جاتے ہیں کیونکہ جلدی بعد چند آدمیوں کے گذرنے کی آہٹ سنائی دیتی ہے وہ کابلی کے پاس پہنچتے ہیں تو آواز آتی ہے "تھکے نہ ہو جیے" ان میں سے ایک بولتا ہے "سلامت رہیے۔ ہم نے جابر انصاریؓ کے قدموں میں زمین کو کھودا تو ایسی نرمی پائی جیسا فرشتوں نے پہلے ہی قبر کے لیے تیار کر رکھی ہو۔ آنکھ جھپکنے میں غازی اسلم شہید کو لحد میں رکھ دیا۔ آخری نظارہ کیا۔ خون کے ساتھ گلگوں کیا رعنا و زیبا نوجوان تھا۔ خدا نے اسے بخشدیا۔"

کابلی :- فردوسِ بریں میں جگہ دی۔ اب کابلی مردار کو ایک گڑھے میں پھینکتے ہیں تاکہ کل فرنگی اسے نہ لیجائیں بلکہ گذرگاہ کے کتے کھائیں (گذرگاہ باغ بابر کے پاس گاؤں ہے) جزائے عمل دیکھئے کہ مسلمان اپنی حرکت کے سبب کافر کے ہاتھ سے مرتا ہے اور شہید نہیں ہوتا بلکہ پلید رہتا ہے۔ اسی شیطان کے پیچھے مجھے غازی اکرم نے بھیجا تھا مگر افسوس میرے ہاتھ سے مارا نہ گیا بلکہ غازی کے بھائی کو مار کر رہا۔ اس کا جواب کیا دونگا۔ کسی قدر تلافی کے لئے میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ ہم پانچوں آدمی یہیں پتھروں کے پیچھے کمین گاہ بنالیں اور بندوقیں تیار رکھیں۔ صبح فرنگیوں کے سپاہی آئیں گے ان کو ایک دفعہ کے فائر میں چت گرادیں اور ان کے کرنیل کو زندہ پکڑ لیں وہ ضرور آئیگا اس کا شغف اکرم کے ساتھ کچھ حد سے زیادہ ہی تھا۔ اس کے بھائی کی تدفین میں البتہ شریک ہوگا اس کی خاطر اس نے اپنے نوکر کو مار دیا۔ چونکہ ہمارے اکرم کو وہ اپنی جان سے بھی زیادہ

عزیز جانتا تھا اس لئے اسے زندہ گرفتار کر کے لے گیا ہم کو بھی پوری احتیاط سے اس کو زندہ ہی پکڑنا چاہیئے۔ اس میں ضمناً یہ فائدہ ہوگا کہ غازی اکرم کی رہائی کا ذریعہ اُس کے معاوضے سے ہاتھ آئیگا۔"

او فیلیہ ونگ رہ گئی۔ ایک تو اسلم کو راتوں رات " شہدا و صالحین" کے قبرستان میں دفن کرنے پر دوسرا اس کے اپنے گرفتار کرنے کے منصوبے پر جو انگریزیوں کے ایک ظاہری نوکر نے باندھا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ افغان شکست یافتہ نہیں ہوئے بلکہ بہادری کے سوا پوشیدہ حیلوں سے بھی اپنے ملک کی مدافعت کے لئے آمادہ ہیں۔ اس خیال سے وہ دل میں خوش ہوئی اکرم نے اسے کہا "آپ نے جو کچھ سنا اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ باغ بابر کس کے قبضے میں ہے۔ یہاں تک میں آپ کے ماتحت آیا اب معاملہ برعکس ہوگا اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ من بعد رہبری کروں" اکرم ذرا آگے بڑھ کر اونچی آواز سے نام لے کر کابلی کو بلاتا ہے وہ صدا پہچان کر بے تحاشا مسرت سے پیش آتا ہے اور آتے ہی پہلے اسلم کی شہادت پر غم کا اظہار کرتا ہے۔ اور پھر معذرت چاہتا ہے کہ اس کی موجودگی میں ناگہاں یہ سانحہ گذر گیا۔ اکرم اس کی مناسب تدفین پر جیسی اس نے آرزو غائبانہ کی تھی شکریہ ادا کر کے کہتا ہے " میں نے تمہیں ایک تکلیف میں تخفیف دی۔ تو یہ وہی فرنگی کرنیل جس کو زندہ پکڑنے کا ارادہ کر رہے تھے اور اس کے بدلے مجھے چھڑانا چاہتے تھے۔ ہم دونو حاضر ہیں۔ پوچھتے ہم کو اپنے ہاں پہنچاتا ہے۔"

دوسری فصل

خواب و خیال

کابل سے چھ کوس جنوب کی طرف لوگر کا ضلع شروع ہوجاتا ہے جہاں کچھ آدمی باتیں کرتے جاتے ہیں تاکہ راستہ کٹے۔

ایک:۔ وہ پہاڑ جو سامنے نظر آتا ہے ایک خود بہت اونچا ہے دوسرا اس پر سلطان کبیر کی قبر ہے اس لئے اس علاقے کو "لوغر" کہنے لگے (بڑا پہاڑ)"

دو:۔ کابل کے قدیم بادشاہ اس جگہ سیر و شکار کرتے تھے لہذا اس کو "لہوگرد" لکھتے ہیں۔"

تین:۔ گیہوں یہاں بہت ہوتے ہیں چنانچہ اس کو افغانستان کا کھاتہ کہیں تو بجا ہے۔ اس کی فصل کو کاٹنے والے بھی (لوگر) نتیجۃً زیادہ ہوتے ہیں۔ غزنی کے نواح میں کبھی شالی زیادہ ہوتی تھی اس لئے اس کو "شلگز" اب بھی کہتے ہیں"

چار:۔ ہندوؤں کے زمانے میں یہ علاقہ بہت مستحکم تھا جیسا لوہا اس لئے "لوہگڑھ" کہلایا۔ پنجاب میں لوہکوٹ تھا۔ جسے سلطان محمود فتح نہ کر سکا سلطان محمد غوری نے تسخیر کیا۔"

پانچ:۔ اب پرانا ہو کر نرم بن گیا اس لئے "لوگڑھ" کہنا چاہیئے جیسے ہندوستان میں کوئی سخت مقام نہ رہا جسے انگریزوں نے

مسل نہ ڈالا ہو"

چھ "کہ تُمَارِ فِیہِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا۔ ان امور میں صرف ظاہرہ گفتگو ہی کافی ہے۔ صائب رائے دوسری اہم باتوں میں لازم ہے۔ تاریخی ڈھکوسلے ہماری ملت کو نجات نہیں دلا سکتے جو مختلف قبائل پر مشتمل ہے۔ ان میں اتفاق کیسے قائم ہو۔ اسی لوگر کو لیجئے جس میں افغان بستے ہیں تاجیک اور شیعہ بھی ہیں پھر قزل اور کُرد طرح ابیں۔ موخرالذکر کو برکی بھی کہتے ہیں غازی اکرم انہی میں سے ہے اس نے ان سب طائفوں میں اتحاد پھیلایا۔ اس کی تعلیم و تلقین سے مسلمان تو سب ہیں۔ افغان کہلانے لگے کیونکہ افغانستان کے رہنے والے ہیں اور باہم منافرت و حقارت دور ہوگئی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ خدا کے نزدیک معزز وہی ہے جو اس سے زیادہ ڈرے۔ یعنی اس کی بازخواست کے خوف سے اپنے اعضاد حواس کو صحیح مصرف میں لائے۔ غازی کی عمر چھوٹی ہے مگر اس کی غیر معمولی لیاقت سے لوگ اسے بہت بزرگ جانتے ہیں اس لئے آخند صاحب نے اس کا نام اکرم رکھ دیا ورنہ پہلے میرجانی کہلاتا تھا کیونکہ اسی قبیلے سے منسوب ہے"

سات: "ریچھ کا نام آجائے تو لاٹھی پکڑ کیونکہ وہ خود بھی آجاتا ہے۔ یہ تو اسی قبیلے کا بڈھا۔ جیسے ماش و برنج ہے۔ غالباً گدھوں پر بھی مونگ اور چاول ہی لدے ہیں جو ہانکے لارہا ہے۔ کندھے سے بندوق اور کمر سے سیلاوہ لٹک رہا ہے مگر سینچے سے گڈھونگی طرح گدھوں کے مالک کو نوچا ہے جو اس کے کپڑے لہو سے لتھڑے ہیں"

زخمی: "دوسرے جو گدھے چھوڑ کر بھاگ گئے ان کا غصہ بھی مجھی پر نکالتے ہو۔ ہتھیار کی طرف کیا اشارہ کرتے ہو تمہارے خالی ہاتھ کیا پیش قبض سے کم ہیں؟ ؎

دحناں پہ قتل تیغ دجفا څه گرے — پہ تش کا تہ کښں غوځ زړه دزمری ولاړ

(حاجت پڑی ہے قتل کی تیغِ جفا سے کیا — ٹکڑے ہوا ہے شیر کا دل اک نگاہ سے)

میں نے جو ایک دفعہ کہا تو بہ اس کو ہزار بار جانو۔ پھر کوئی چیز کافروں کے پاس نہیں لیجاؤنگا کوئی چیز ان کے پاس نہیں پہونچاؤنگا اور غازیوں کو رسد پہنچاؤنگا چنانچہ اس کی تعمیل کر رہا ہوں"

بوڑھے نے کئی گدھے مرغیوں انڈوں ترکاریوں اور غلوں سے بار کابل کی طرف جاتے ہوئے روکے تھے اور اب انکو واپس چار آسیا کے ایک قلعے میں لیجارہا ہے جہاں غازی جمع ہیں۔ سات راہرو بھی اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں کیونکہ وہ بڑے تپاک سے ان کو ملتا ہے بلکہ کہتا ہے "سَبْعَۃٌ ثَامِنُہُمْ کَلْبُہُمْ ؎

سگ اصحاب کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت و آدم شد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا باہم بہت سا تعلق ہے چنانچہ یہ آٹھوں آدمی لڑائی اور رسد رسانی کی باتیں کرتے قلعے کے دروازے میں پہنچ جاتے ہیں۔ جس کے برج پر سے کسی نے ان کو دیکھ کر کواڑ کھول دیئے اور اندر داخل ہوگئے۔ بوڑھے نے کہا "یہ لو۔ گلجان

؎ سفید و سیاہ ملی جلی ڈاڑھی والا۔

مرغ پلاؤ اور انڈے کا حلوا پکانا تمہارا کام ہے۔ قروت عورتوں کے حوالے کرو تاکہ جلدی اسے پیس ڈالیں تم پلاؤ بیٹھے کھاؤ۔ میں کھچڑ قروت[1] پر کسی اور کھانے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ شیر ماہی دریائے کابل میں بہت آگئی ہے۔ اور آس پاس چمنوں میں سونا مرغابی کثرت سے جمع ہے[2] دیہات میں سے بعض بیدین لوگ ان کو پکڑنے جاتے ہیں۔ فرنگی ایک تو اچھے کھانے مانگتا ہے۔ دوسرا مہنگا خرید کر لوگوں کا دل لبھانا چاہتا ہے اس لئے اگر ہم ان کو ان کی چیزیں چھین کر سزا نہ دیں تو ہمارے اپنے آدمی دشمن کا لشکر بن جائیں"

افغانوں کے گاؤں کو کلی کہتے ہیں جو قلعے سے مشتق ہے کیونکہ اس کے بڑے بڑے دروازے اور کئی برج ہوتے ہیں جو اونچی فصیلوں میں جگہ جگہ کئی گھروں کو سماتے ہیں۔ بہت سے کچے ہوتے ہیں مگر ان سے فرش وظرف کی بہتات ان کی خامی کو چھپا لیتی ہے۔ متوسط زمینداروں اور تاجروں کے ہاں قالینیں بچھی ہوتی ہیں مگر یہ صرف چلنے پھرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ بیٹھنے کے واسطے ان پر توشکیں اور ان پر گاؤ تکئے لگے ہوتے ہیں۔ جن کے پھندنے چاندی میں جڑے ہوتے ہیں اور دونوں چیزوں کا کپڑا مخمل سے کم درجے کا نہیں ہوتا اگرچہ اعلیٰ طبقات میں اطلس ہوتی ہے۔ لحافوں کا بھی یہی ٹھاٹھ ہے۔ چونکہ سرد ملک ہے جاڑوں میں لوگ چارپائی نہیں بچھاتے بلکہ نیچے صندلی میں سوتے ہیں یہ ایک چوکی ہے جس پر بہت لمبا چوڑا لحاف ڈالا جاتا ہے۔ اس کے نیچے کوئلے رکھے جاتے ہیں — چاروں طرف لوگ بیٹھتے ہیں اور سوتے بھی ہیں البتہ منہ باہر نکالے رکھتے ہیں اگرچہ کوئلے اتنے زیادہ نہیں ہوتے کہ ان کا بخار برا اثر کرے۔ یہ صندلی غریب لوگوں کے لئے نعمت ہے اور دولتمند بھی اسے ہی بہتر جانتے ہیں۔ اب ایک کمرے میں تنہا ایک عورت سو رہی ہے مگر متصل کمروں میں گھر کی عورتیں اور لڑکیاں گویا منتظر ہیں کہ وہ اٹھے تو اس کی خدمت بجا لائیں۔ اتنے میں وہ بے محابا بلند آواز سے بول اٹھتی ہے "ہاں۔ اسلام قومیت پر غالب ہے اور اس کی فتح میں خدمت سب پر مقدم ہے۔ بیشک آپ بجا ارشاد فرماتی ہیں اور میں سمجھتی ہوں"

یہ کہکر اٹھ بیٹھتی ہے اور ہر طرف نظر دوڑاتی ہے کہ اس کی آواز کسی کے کان میں تو نہیں پہنچی مگر محسوس کرتی ہو کہ کمرے کے باہر عورتیں متوجہ ہو گئی ہیں کیونکہ ان میں سے ایک اندر آنے کی اجازت طلب کرتی ہے "بہن۔ آپ نے کیا فرمایا؟ حکم دیجئے کہ بسر وچشم بجا لایا جائے"

ثمینہ "میں نے ایک خواب دیکھا تھا جس کے آخیر میں میری آواز بے اختیار جوش میں بلند ہو گئی"

تسنیم "آپ بتائیں یا نہ بتائیں مجھے آپ کا خواب معلوم ہو گیا ہے۔ آپ اس سے قیاس کر سکتی ہیں کہ باوجود بے انتہا محبت

---

[1] چھاچھ کو پکا کر جب سخت ہو جائے تو اس کے گولے سے بنا لیتے ہیں۔ ان کو ایک برتن میں ڈال کر جس کو بناتے ہوئے پیندے میں نوکدار کنکر لگا لیتے ہیں۔ ہاتھ سے رگڑتے ہیں۔ یہ قروت پیسنا عورتوں کا کام ہے۔ کھچڑی پکا کر اس کے ساتھ ملا کر گھی کے بگھار سے کھاتے ہیں۔

[2] مچھلی اور مرغابی برفوں سے پہلے آتی ہیں اور یہاں مراد انگریزوں کی ہے۔

سکے جو مجھے آپ کے ساتھ ہے میں آپ کی فرقت کو پسند کرتی ہوں"۔

ثمینہ:- عجیب ضدین نقیضین بیان کر رہی ہو۔ مجھے خوش کر رہی ہو اور اسی دم میں جفا بھی کر رہی ہو"۔

تسنیم:- "میں اسلم جیسے بھائی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی مگر اس کی شہادت پر غمگین نہیں ہوں کیونکہ انسان کیلئے مرگ مقدر ہے اور سب سے اچھی مرگ وطن و ملت پر قربانی ہے خصوصاً جبکہ وہ قربانی دین کے لئے بھی ہو۔ اسی لئے میں جینے اور مرنے کی پروا نہیں کرتی صرف ایسی زندگی چاہتی ہوں جس میں موت آجائے تو مجھے ہمیشہ کی حیات میں پہنچا دے۔ آپ کے لئے عزت و عافیت کی خواستگار ہوں خواہ وہ کلکتے میں حاصل ہو مگر بہن یہ بتا دیجئے کہ ہمارا کون جا رہے ہیں؟ البتہ بھائی اکرم ہونگے لیکن مہربانی ہوگی اگر مجھے سارے واقعے سے آگاہ فرما دیں"۔

ثمینہ:- "خواب خیال ہے۔ اس میں وقت صرف کرنے کی حاجت نہیں ہے کوئی اور باتیں کیجئے"۔

تسنیم صورت و سیرت میں ثمینہ سے کم نہیں بلکہ اس کی عالی دماغی اور روحانی فوقیت کے سامنے ثمینہ شرمانے لگی ہے وہ تھوڑی مدت میں اندازہ کر چکی ہے کہ الفت کے جذبات عورتوں میں اگرچہ زیادہ ہوتے ہیں مگر اس میں بے اندازہ بہت ہیں۔ پھر بھی اسلم کے قتل کا واقعہ سنکر اس کا مسکرانا اس کے خون کو گل لالہ کے بارے تشبیہ دیکر ہنسنا اور پھر محبت میں فرقت چاہنا اس کی جمالی حشمت میں جلالی شوکت پیدا کرتا ہے۔ تسنیم نے اسی شان کے ساتھ اپنے کنبے کی لڑکیوں کو میز کرسی چائے وغیرہ کے یورپین لوازمات مہیا کرنے کے لئے حکم دیا اور خود میزبان بنکر ناشتے کا برتانا شروع کیا اور ثمینہ کے تعجب کی نگاہ کو دور کرنے کے لئے کہا "جب الفنسٹن ہندوستان سے آیا تو میر صاحب کی طرف سے میرے والد مرحوم اس کے مہماندار تھے۔ ہم نے حج کو آتے جاتے شام مصر اور یونانیوں کی سیاحت کی ہے اس لئے کھانے پینے کے مغربی طریقے سے واقف ہیں مگر بہن اب مغرب کا وقت نزدیک ہے آپ کچھ تناول کرکے چہل قدمی کے لئے باغیچہ میں تشریف لے چلیں"۔

نہر کے کنارے چلتے پھرتے جہاں خزاں کے پتوں کا فرش بچھ رہا ہے جو زرد ہیں مگر بیچ میں سرخ بھی ہیں ثمینہ کے لئے موقع کلام دیتے ہیں "خرمانی کے پتے سرخ ہیں گر زیادہ زمین پر پڑے بھی خوں رم ہیں"۔

تسنیم:- "سرخروئی خونریزی سے حاصل ہوتی ہے"۔

ثمینہ:- "بہن تمہارے خیالات بہت نرالے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ آپ کی شاگرد ہوں۔ تاکہ مجھے نیا مضمون پڑھاؤ۔ پہلے اپنا خواب بیان کرتی ہوں اسی کا سبق مجھے دو۔ آپ کی تعبیر سے دیکھوں مجھے تسلی ہوتی ہے؟ کیا دیکھتی ہوں کہ سورج افق سے نیچے ہو کر سمندر کے قریب ڈوب جاتا ہے حالانکہ دوپہر کا وقت ہے۔ اندھیرے میں کچھ دیر چاندنی رہتی ہے مگر چاند نخشب میں جہاں سے حکیم آفتاب چڑھایا کرتا تھا چاند جا چھپا ہے۔ دنیا میں تاریکی طاری ہو جاتی ہے۔ لوگ چراغ فانوس اور شمعیں لئے پریشان پھرنے لگتے ہیں میں اور اکرم بھی مشعلیں جلائے سرگرداں ہیں کہ ایک طرف روشنی نمودار ہوتی ہے۔ جس میں اسلم اور ایک بزرگوار شخص آپہنچتے ہیں

اسلم میرا شکریہ ادا کرتا ہے کہ میں نے اس کا انتقام لیا اور وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ وطن اور ملت کو ہر معقول آدمی دوست رکھتا ہے۔
مگر یہ دونو چیزیں اس دنیا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور یہ دنیا بہت چھوٹی اور تھوڑی ہے بمقابلہ آسمانوں کے جہاں مسلمان بستے ہیں۔
یعنی وہ لوگ جو خدا کے سچے مذہب کی حفاظت اور اشاعت میں کوشش کرتے کرتے اس جگہ جا داخل ہوتے ہیں جس کا عرض آسمانوں
اور زمین کے برابر ہے۔ پوری تحقیق سے دیکھو تو اسلام کے احکام پر کاربند ہونے سے تمام اقوام دنیا میں آسودہ رہ سکتی ہیں اگر اس
مقصد کیلئے کوئی اپنا نمک چھوڑے اور اپنی ملت کا بھی مقابلہ کرے جو حق کے خلاف لڑنے کو آمادہ ہو تو وہ پورا مسلمان ہے اور اول
ایسے ہی مسلمان مرد اور عورتیں تھے جنہوں نے اسلام پھیلایا۔ اب چاند بخارا میں اور سورج کلکتے میں غروب ہوگیا ہے۔ ان دونو
کے بغیر دن اور رات کو اندھیرا رہیگا۔ ان کے طلوع کے لئے دو شخصوں کو سفر درپیش ہے اس حرکت میں برکت ہوگی۔ یہ باتیں سنکر
میں مدہوش ہوگئی اور دفعتہً جاگ کر اکرم کو اس فقرے سے مخاطب کیا جو آپ نے بھی سنا تھا۔
تسنیم:۔ اسکی تعبیر تو ظاہر ہے اور مجھے پہلے ہی یہی سوجھا تھا۔ وزیر اکبر خاں بخارا میں مقید اور امیر دوست محمد خاں کلکتہ میں نظر بند ہیں
مگر بہن یہ تو میرا خیال ہے آپ خواب کے بارے میں میری استاد نہیں اور اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں کیونکہ انگریزی تعبیر سننے کا
مجھے اشتیاق ہے۔ کیا آپ لوگ کوئی مختلف طریقہ رکھتے ہیں؟
ثمینہ:۔ چونکہ مجھے اسلامی کتابوں کے مطالعے کا بہت شوق تھا اس لئے میرے عقائد پر انکا رنگ ضرور چڑھا ہوا ہے خواب ضرور
ایک خیال ہے۔ اگر بیداری میں اپنے اختیار سے ایک خیال کو کامیابی تک پہنچاؤ تو وہ حکمت ہے۔ اگر وہ خیال صرف قضائے الٰہی سے
بغیر انسان کے عمل کے نیک انجام کو پہنچے تو وہ کرامت ہے۔ اور خواب کا اس سے علاقہ ہے۔ تعبیر اسی لئے ایک روحانی امر ہے سوتے
ہوئے بھی خیال آتے ہیں اور اگر انسان اپنی سعی و کوشش سے نتیجہ پیدا کرے تو اس کی ذاتی عظمت ہے اور اگر وہ نتیجہ خود ظہور میں آجائے
یا اس کے ظاہر ہونے کی پہلے اطلاع ہوجائے تو کسی اور قوت کا دخل ہے اگرچہ انسان کو رائے صائب خواہ نیند میں یا جاگتے ہوئے
اسی قوت کے ذریعے سے ملتی ہے یعنی قدرت کردگار سے۔ آدمی بیداری میں تصور کرتا ہے کہ ایک اچھا گھر بناؤنگا عمدہ باغ لگاؤنگا
سیر و شکار کرونگا اگر اس کا نصب العین عالی ہے ارزو رکھتا ہے کہ قوم و ملت کی خدمت بجالاؤنگا۔ پھر یہ خیال خواہ مخواہ تصور کرتا ہے
کہ میری خدمات کی اطلاع سب ہوجائیگی اور بادشاہ متاثر ہوکر مجھے مورد انعام و اکرام بنائیگا کیونکہ اس کے اختیارات بہت وسیع ہیں
اس کے بعد وزیر پر نظر پڑتی ہے کہ وہ بھی بہت اقتدار رکھتا ہے۔ ساتھ ہی تشبیہ کی سوجھتی ہے کہ بادشاہ سورج کی طرح ہے اور چاند
وزیر کی مانند کیونکہ اس سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ نیند میں بھی انسان کا دماغ کام کرتا رہتا ہے اور اگر یہی تخیل جو بیداری میں مذکور ہوا
خواب میں صورت پذیر ہو تو اس کی تعبیر ڈھونڈی جاتی ہے۔ وہی محرک و مقلب قلوب جو بیداری میں خیالات دل میں ڈالتا ہے۔
نیند میں فعال ہے بلکہ خواب میں صرف اسی کا حکم جاری ہے اور انسان کا اپنا اختیار بالکل مفقود ہوتا ہے۔ اسی ایک نکتے سے
خواب اور بیداری کے تخیلات میں تفاوت پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ بھی سطحی نظر سے ہے ورنہ باریک فکر قصدا ان کو بہمہ حال مشیت ایزدی

سے جانا ہے ۔ فلسفہ ان باتوں کو کسی اور پیرائے میں بیان کرتا ہے ۔ مثلاً وہ خیالات جو خواب میں عجیب وغریب شکلیں پیدا کر لیتے ہیں ان قیاسات پر مبنی ہوتے ہیں جو برسوں پہلے دماغ میں موجود تھے اور حواس کے پردوں میں مکنون وجاگزیں رہ کر مدت کے بعد اسی حال میں نشو ونما پاکر مکمل صورت میں ظاہر ہوتے ہیں لیکن بہت تسلیم میں تمہارے خیالات اس بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں ۔

تسلیم:۔ آپ کی دلیلیں بہت معقول ہیں لیکن میں کاملاً اس پر اعتماد نہیں کر سکتی کیونکہ عقل کے پاؤں چوبیں اور بے تمکین ہوتے ہیں ۔ اور خواب عالم روحانی کا سیر ہے جس کا علم ہم کو کم دیا گیا ہے ۔ تعبیر نہایت مشکل چیز ہے کیونکہ جیسا آپ نے فرمایا کہ مدتوں پہلے کے وساوس دماغ میں موجود رہتے ہیں وہ خواب میں خلل ڈالتے ہیں پھر صحت کی کیفیت اثر رکھتی ہے جیسے خوشی اور غم میں نیند کی حالت مختلف ہوتی ہے خوابیں بھی اسی کے مطابق دکھائی دیتی ہیں ۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ تعبیر نبوت کا ایک جزو ہے اور نبوت ختم ہو چکی ہے ۔ اس لئے رسول اللہ صلعم نے ارشاد کیا کہ میری امت کے لئے خواب صرف بشارت ہے اگر بری ہو تو دیکھا جائے کہ آیا مجھ میں کوئی فعل قابل اصلاح ہے ؟ تو بہ کر کے نیک عمل اختیار کیا جائے ۔ اگر اچھی ہو تو سوچ سمجھ کر شکر کے ساتھ کام جاری رکھا جائے ۔ آپ کا خواب تو بالکل ظاہر ہے اور آپ کو ایک فرض سپرد کیا گیا ہے جس کا بجالانا آپ کے اختیار میں ہے ۔"

ثمینہ:۔ میں دل سے بجالانے کو تیار ہوں اس بارے میں اگر ایک عامی آدمی ایما کرتا تو قبول کر لیتی چہ جائیکہ اسلم اور اس کے ساتھ مسعود وجود اشارہ کریں ۔ آہا کیا نورانی اور محترم شکلیں تھیں !"

ہم اکرم کو بھول گئے ۔ وہ کہاں ہے اور ثمینہ یہاں کیسے آگئی اور اس کا پہلا نام اوفیلیہ کہاں گیا ۔ ہمارا مطلب یہ تھا ۔ کہ ناظرین کو ان کی ماندگی اور بیداری جو دن رات جاری رہی اور پھر دوڑ دھوپ میں ڈالکران کے رنج کی شرکت کی تکلیف نہ دیں مگر بعض آمادہ ہیں کہ غازی کے دکھ درد میں شریک ہو کر کچھ ثواب حاصل کریں اور چاہتے ہیں کہ اکرم اور اوفیلیہ کا حال دریافت کریں وہ کیونکر چار آسیا میں آپہنچے اس لئے ناچار قصہ کو دوبارہ شروع کرتے ہیں ۔ پہلے گلجان کی داستان سن لیجئے ۔ یہ وہی کابلی ہے جو اسلم کی نعش پر پہرہ دیتا تھا ۔ بچپن میں قرآن مجید اور چند فقہ کی کتابیں پڑھ کر اوباش لڑکوں کی صحبت میں پڑ گیا ۔ دن کو جوا کھیلتا رات کو چوری کرتا مگر چونکہ دینی تعلیم لے چکا تھا اپنی عادت پر اکثر منفعل ہوتا آخر ایک تدبیر سوچی وہ یہ کہ برنس بطور سیاح کے کابل میں وارد ہوا ہے اس کی نوکری کر لوں اور فرصت پاکر اسے قتل کر ڈالوں ۔ خود تلافی مافات ہو جائیگی ۔ لیکن وہ بخارا جا رہا تھا ۔ اس طرف کی سیر کا شوق دامنگیر ہوا اور اس لئے ارادۂ غزا ملتوی کیا گیا ۔ آٹھ سال اور گذر گئے تا کہ فرنگی پھر کابل میں نمودار ہوا ۔ گلجان اپنے عزم پر ثابت قدم تھا ۔ برنس کے قتل میں شیرانہ حصہ اسی کا تھا ۔ جب باغ بابر میں اسنے اوفیلیہ کو اکرم کے ساتھ دیکھ کر پہچانا تو کہنے لگا کہ جب تو برنس کے ساتھ تھی تو میں نے اسی وقت یہ خواہش کی تھی کہ تجھے تو دوزخ میں نہیں جلنا چاہیئے بلکہ حور بن کر کسی غازی کو دنیا میں ہی بہشت دکھانا چاہیئے ۔

جب انگریز کابل میں برنس کا انتقام لینے کے لئے آن پہنچے تو غازی بھی ہر طرف جمع ہونے لگے ۔ گلجان نے اپنے رفقا کو

ہمراہ لیا اور ان سب کا یہی گمان تھا کہ غنیمت کے علاوہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بھی ہوگا۔ ان بدمعاشوں کو دوسرے غازیوں نے اپنے ساتھ ملا لیا تاکہ خونخوار تلوار کی طرح انکو دشمن کے مقابلے میں استعمال کریں۔ گلجان چونکہ انگریز کی ملازمت کر چکا تھا اس لئے اس کو بھیجا گیا کہ پھر وہی طریقہ اختیار کر کے انگریزوں کے حالات سے غازیوں کو آگاہ کرتا رہے۔ جب اس کو اسلم کی نعش پر متعین کیا۔ تو وہ نزدیک کے گاؤں میں پہنچا اور وہاں سے چند آدمیوں کو پہرے کا لفظ بتا کر اس نے غازیوں کے پاس بھیجا تاکہ ان کو اکرم کی گرفتاری اور اسلم کی شہادت سے خبردار کریں اور راتوں رات باغ بابر میں ایک جمعیت کو اپنے ساتھ لائیں۔ کچھ آدمیوں کو اسلم کا جنازہ دیگر شہدا و صالحین کے قبرستان کی جانب روانہ کیا اور چند چیدہ اشخاص کو اپنے ساتھ رکھا کہ صبح ہوتے ہی لڑنے کو تیار رہیں اور انگریز کرنل کو زندہ پکڑیں۔ جب غازیوں کو اطلاع پہنچی تو وہ متوحش اور غضبناک ہو کر فوراً باغ بابر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو اکرم مع اوفیلیہ کے چند منٹ پہلے پہنچ چکا تھا۔ ان کے ساتھ پوری حفاظت میں چار آسیا پہنچ گئے جو کابل سے تقریباً دس میل دور ہے۔

وہاں جدا غازیوں کا ہجوم تھا جو اکرم کی گرفتاری اور رہائی کی اکٹھی خبر سنکر غم و غصے کی بجائے بھی خوش و خورم ہوئے اور اس کی رہائی کا باعث اوفیلیہ کو جان کر اس کی عزت افزائی کی تجویز سوچنے لگے۔ سب نے متفق ہو کر نکاح کو مقدم قرار دیا چنانچہ اخوند صاحب نے پہلے باقاعدہ اسلام کے ارکان کا اقرار لیا اور پھر فرمایا کہ تم بہت قیمتی ہستی ہو اس لئے تمہارا نام ثمینہ رکھا جاتا ہے اور اگر کوئی س سے بھی تلفظ کرے تو اس کے معنی بھی صحیح ہیں کیونکہ تم اسلام کی خدمت میں جسامت و قوت کا اظہار کر چکی ہو اور آئندہ بھی تم سے توقع ہے۔ اکرم کو کہا کہ حضرت خالدؓ نے بھی عین غزا میں عروسی کی تھی انکی پیروی میں داخل ہو کر تم بھی مزید فتوحات کرو۔ پھر حاضرین کو کہا کہ سنو ہر گاؤں سے ڈھول کی آواز آتی ہے اور لوگ لڑائی کی تیاری کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور بندوقیں بھی چلا رہے ہیں۔ تم بھی اس شادی کو خوب رونق سے مناؤ چنانچہ ڈھول سرنا اور بندوقوں کی آوازوں سے پہاڑ گونج اٹھے ان کے شور و غوغا میں مرد اور عورتیں جدا جدا شریک ہوئیں (اتن افغانی ناچ ہے جو شادی اور لڑائی کے موقع پر بڑے زور شور سے برپا ہوتا ہے)۔

اکرم کا گھر توبر کی برک میں ہے جو کابل سے تقریباً تیس میل دور ہے مگر چار آسیا میں بھی ایک قلعہ اور باغ ہے۔ جہاں پایہ تخت کی نزدیکی کے سبب اکثر قیام کرتے ہیں۔ سات کابلی جو اس کے قلعے میں آئے تھے شہر اور نواح کے غازیوں کی طرف سے پیغام لائے تھے اس پر بحث ہوئی اور جو فیصلہ ہوا اس کے مطابق کام کرنے کے لئے اکرم تیار ہو کر گھر آیا جب ثمینہ اور تسنیم باغ میں ٹہل رہی تھیں۔ وہ اس کی طرف لپکیں اور اکرم نے ان کو خوشحال دیکھ کر کہا "عزیز بہن۔ یہ نیرنگیوں کا زمانہ ہے۔ میں نے اسلم کو ضائع کیا اور خود بھی تلف ہو جاتا اگر تمہاری بھاوج کی مہربانی نہ ہوتی۔ ایک طرف غم ہے اور ساتھ ہی ممنونیت اور مسرت سے بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب تم نے وہ بھید پا لیا ہوگا جس کی وجہ سے میں تمہاری فرمائشوں اور تاکیدوں کے باوجود کسی لڑکی کی طرف ملتفت نہیں ہوتا تھا۔" تسنیم نے کہا کہ میں ثمینہ کو بتا چکی ہوں اور اس نے مجھے اس راز سے واقف کیا اور کہا کہ میں بھی اسی طرح

کی تصدیق اپنی بابت کبھی کروا کے چھوڑو نگی کہ میں بھی کسی لڑکے کی طرف متوجہ نہیں ہوتی تھی۔
اکرم:- مجھے ثمینہ مل گئی جس پر شکر گزار ہوں مگر جس خدا نے یہ مواصلت کا وسیلہ فرمایا اس کے کلمے کو بلند کرنے کیلئے میں کچھ مدت اس سے جدا ہونگا اور وہ بھی اسی خدمت میں مجھ سے اور تم سے دور جائیگی مگر یہ اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔
ثمینہ:- میں آپ سے پہلے آمادہ ہوں۔ آپ بخارا سدھاریں اور میں کلکتے کی بجائے اگر کوئی سخت اور مہلک جگہ ہو تو وہاں بھی جانے کو تیار ہوں۔"

اکرم:- نہایت حیرت کا مقام ہے۔ یہ تجویز ابھی طے ہوئی ہے اور بالکل مخفی رکھی گئی ہے۔ تم کیسے مطلع ہو گئیں؟"
دونوں خانمیں مسکرائیں اور تسنیم نے کہا کہ ثمینہ خانم البتہ مسمریزم سیکھ کر آئی ہیں۔ تھوڑی دیر مزاح و مطائبہ کر کے ثمینہ نے کہا کہ جب کلمہ طیبہ پڑھا تو مسمریزم سے بڑھ کر فن کشف سیکھ لیا۔ پھر اپنا خواب بیان کیا جس پر اکرم نے اس کی توضیح میں کہا:"جب ہمارے رسول اکرمؐ نے سابقہ ادیان کی ریاضات شاقہ کو مذموم قرار دیا اس آیت کی بنا پر کہ رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم (انہوں نے ترک دنیا کو اپنی طرف سے نیا پیدا کیا ہم نے ان پر اسے فرض نہیں ٹھیرایا تھا) حدیث بیان کی کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ان شدید عبادتوں سے لوگوں سے علیحدہ ہو کر کاہن اور زاہد دل کو صاف کرتے تھے چنانچہ سطیح نے نوشیرواں کے خواب کے جواب میں کہا تھا کہ ایک شخص عرب میں تولد ہوا ہے جس کے لشکر تمہارے ملک میں داخل ہو کر تمہارے محلوں کو اپنے قبضے میں لائیں گے۔ اگر رہبانیت اسلام سے موقوف ہو گئی تو ایسی صحیح خبریں کس طرح حاصل ہونگی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کلمۂ توحید اور نماز درست طریقے سے اگر ادا کی جائے تو اس سے آسان ذریعہ تزکیۂ قلب کا میسر ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آ پہنچا ہے۔ آپ نماز کے بعد بے اختیار اونچی آواز سے بول اٹھتے ہیں ساریہ الی الجبل۔ لوگ البتہ حیران ہوتے ہیں کہ یہ خطاب کیسا ہے۔ ساریہ چند سو سواروں کی سرداری میں سینکڑوں میل دور لڑائی میں داخل ہے جب وہ واپس آیا تو اس نے بیان کیا کہ ہمنے کافروں کی تعداد کو مقابلے میں بہت زیادہ دیکھکر فرار کا ارادہ کیا کہ پیچھے پہاڑ سے امیر المومنین کی آواز سنائی دی کہ ساریہ پہاڑ کیطرف آؤ۔ اس کی تعمیل میں بجائے بھاگنے کے پہاڑ کی طرف ہو لئے کہ البتہ خود امیر المومنین فوج کے ساتھ مدد کو تشریف لائے ہونگے۔ دشمن ہم پر آ پڑا۔ ہم نے خاطر جمعی سے مدافعت کی مگر جب کوئی کمک نہ پہنچی تو اب فرار کا راستہ بھی مسدود تھا۔ اس لئے ناامیدی میں اور زیادہ جی توڑ کر لڑے تو کفار نے پیٹھ دکھائی۔ ہم نے تھوڑی دور تک ان کا تعاقب کیا اور وہ اسی راہ سے بھاگے جس سے ہم نے دوڑنے کا قصد کیا تھا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ اپنے بڑے لشکر میں جا گھسے جو ان سے دس حصے زیادہ تھا یعنی اگر ہم حضرت عمرؓ کے حکم پر عمل نہ کرتے تو دونوں جمعیتوں کے درمیان دو چکی کے پاٹوں میں دانوں کی طرح پس جاتے یا چولہے سے نکل کر بھاڑ میں پڑتے۔

لڑائیوں کے علاوہ امن میں بھی اسلام کے احکام کی بجا آوری بڑی سہولت سے وہ عقدے حل کر دیتی ہے جو سخت مجاہدات سے نہیں کھل سکتے۔ ہدایہ فقہ کی بڑی مستند کتاب ہے جو اس کے مصنف نے اٹھارہ سال میں تصنیف کی اور یہ سارا عرصہ روزوں میں گذارا جس کی اطلاع کسی کو نہیں تھی۔ جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا۔ تو وضو کر کے دو نفل پڑھتے پھر توجہ کرتے تو پیچیدگی خود بخود دور ہو جاتی۔"

ثمینہ: "میں نے عربی سیکھنے کے بعد اس کی چند فصلیں پڑھیں اور اس کو یورپ کے قانون سے موازنہ کیا۔ ابھی میں اسلام کی پوری قائل نہیں ہوئی تھی مگر ہدایہ نے مجھے بتا دیا تھا کہ مسلمانوں کے قوانین رومی اور انگریزی دونوں قانونوں پر فوقیت رکھتے ہیں بلکہ میں نے تحقیق سے دریافت کیا کہ نپولین نے مصر کے علما سے بعض باتیں معلوم کر کے اپنے قانون میں درج کیں اور وہی آج یورپ میں مروج ہیں مثلاً قرار دادوں اور شفعے میں میعاد کی تعیین وغیرہ بہت سے امور ہیں جو مسلمانوں سے لئے گئے ہیں۔"

امیر بخارا کا دربار

یساول باشی روز یر دربار افرشی سلام کورنش کے ساتھ بجا لا کر جو رکوع سے زیادہ جھک کر ادا ہوتا ہے امیر کی خدمت میں عرض پرداز ہوتا ہے "تقصیرا" (اس لفظ سے بادشاہ بلکہ استاد کے سامنے بھی خطاب شروع کیا جاتا ہے) "جناب عالی کے غلام سرحدات و ثغورات کے حکام بندگی و عبودیت کے اثنا میں جناب عالی کے غلاموں یعنی چند بے سروپا افغانوں کو گرفتار کر کے خدمت میں بھیجنے کی جرأت کرتے ہیں۔ ان غلاموں میں سے ایک جو اپنے ملک میں بھی سرکشی کرتا تھا یہاں بھی گردن فرازی کر کے کہتا ہے کہ میں وزیر ہوں اور فرزند امیر۔"

امیر بخارا: "ہمارے سوا کسی اور کو بھی جسارت ہے کہ امیر کہلائے! یہ کس طرح کا امیر ہوگا کہ اس کا بچہ وزیر ہے؟ ہمارا وزیر بھی بچہ تھا مگر اب تو نہیں ہے۔ بارگاہ میں حاضر کرو کہ ملاحظہ فرمایا جائے۔"

وزیر اکبر خاں دربار میں داخل ہوتا ہے۔ قالوچی باشی (افسر دربان) کورنش کا حکم دیتا ہے لیکن وزیر افغان کہتا ہے۔ کہ رکوع صرف خدائے قہار کے لئے ہے عاجز بندہ اس تعظیم کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ یہ سوال و جواب طول کھینچکر امیر کے کان تک پہنچتا ہے۔ بخارائی وزیر اکبر خاں کی صورت دیکھ کر مردانہ وجاہت سے سمجھ جاتا ہے کہ یہ اس کے قبیل کا وزیر نہیں ہے حسد سے عرض کرتا ہے "تقصیرا جناب عالی کا غلام اب بھی بے ادبی دکھاتا ہے۔"

اتنے میں اکبر خاں سرو آزاد کی طرح آگے بڑھ کر سیدھا کھڑا ہاتھ اٹھائے بغیر السلام علیکم کہتا ہے۔ مسافرت دور دراز کے سبب اس کے کپڑے نہ صرف میلے بلکہ پھٹے ہوئے ہیں اور ارکان دربار کے ساتھ عجیب تفاوت کا سماں باندھ رہے ہیں۔

جن کے لباس زرق برق لمبے چغوں کے حاشیوں پر سونے اور چاندی کا مرصع کام خاموشی سے جگمگا رہا ہے۔ دالان کی چھت اور دیواریں زینت و آرائش میں مکمل ہیں صرف تصاویر اور مجسموں کی کمی ہے سو اہل دربار سے پوری ہو رہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ان میں زبان ہے اور اگر زبان نہ ہوتی تو حیوان ہوتے کیونکہ یہ ان سے بدتر ہیں۔ ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل

چنانچہ وزیر اس گمراہی کی دلیل لاتا ہے "یہ تقصیر! ہماری ہمسایہ دولت جنابعالی کی غلام سلطنت روس نے گراں بہا تحائف پیشکش کر کے اپنے سفیر کے ذریعے التجا کی ہے کہ وزیر افغان بہت شوریدہ سر آدمی ہے اور جنابعالی کے ممالک میں تاخت و تاراج کا خیال رکھتا ہے اگر اسے ہمارے حوالے کر دیں تو آپ اطمینان سے بیٹھیں"۔

امیر "ہمارے ملک میں زندان نہیں ہیں؟ سیاہ چاہ نہیں ہیں؟ محکم و مشید برج نہیں ہیں جو رستم بھی ان سے نکل نہ سکے۔ افغان بے سروسامان کی کیا طاقت ہے۔ جب جن و پری دیو و فرشتہ ہماری مملکت میں مداخلت نہیں کر سکتے ع

ایجا مجال پر زدن جبرئیل نیست"

قلندر "ع فرعون گشتہ چکنم رود نیل نیست"

یہ قلندر بخارا میں مشہور تھا اور سب لوگ اس سے خوف کھاتے تھے حتیٰ کہ اہل دربار میں سے بھی کسی کی ہمت نہیں تھی۔ کہ اسے روک سکے چنانچہ وہ وزیر اکبر خاں کے ساتھ ہی دربار میں آ گھسا تھا اور ایک طرف کھڑا یہ باتیں سن رہا تھا موقع پا کر مصرعے کے جواب میں بے محابا بول اٹھا۔ امیر پہلے اس کی بددعا کے خطرے سے اس کی درشت کلامی کا تحمل کر لیتا مگر اب وزیر افغان پر رعب جمانے کی خاطر لازم ہوا کہ اس پر بھی غضبناک ہو۔ وزیر بخارائی سے پوچھتا ہے کہ اس کی بابت کیا صلاح دیتے ہو؟ وزیر پر قلندر کی ہیبت بہت تھی مگر اب ایک چارہ جوئی کر کے کہتا ہے "یہ گستاخ دیوانہ بہت عتاب کے قابل ہے مگر جناب عالی اس بارے میں علماء سے فتوے حاصل کریں"۔

قاضی تو قلندروں کے قائل نہیں ہوا کرتے کیونکہ عوام کا رجوع ان کی طرف ہو کر قاضیوں کو بھلا دیتا ہے لہذا درباری قاضی نے فرصت کو غنیمت جان کر "یہ جنابعالی۔ میں حدیث کو سند پیش کرتا ہوں۔ من اھان الامیر فقد اھان الرسول ومن اھان الرسول فقد اھان اللہ۔ جس نے امیر کی اہانت کی اس نے رسول کی اہانت کی جس نے رسول کی اہانت کی اس نے خدا کی اہانت کی" اس دیوانے کی مرگ مجاز ہے۔ جس طرح جنابعالی چاہیں ماریں ع

اگر خوں بفتو بریزی رواست

اکبر خاں "قاضی صاحب اس مجرم کو دیوانہ بتاتے ہیں پھر حد شرعی اس پر کیونکر جائز ہوئی ؂

دیوانہ را خدائے نگیرد بہیچ جرم

اے شہ تو ہم کہ ظل الہی ورا مگیر

قلندر: "اے سردار افغان۔ تو اس طرح کا وزیر ہو کہ امیر سے بڑھ کر نام پیدا کرے لیکن اس فرعون اس کے ہامان اور اسکے اراکین دربار سے شفاعت بیفائدہ ہے۔ یہ بخارائی ان سے بدتر ہیں کیونکہ حضرت موسےٰ کے بارے میں انہوں نے مہلت کا مشورہ دیا تھا اور یہ میرے قتل کی رائے دیتے ہیں۔ ان کی باتوں پر مجھے ہنسی آتی ہے کیونکہ اگر میری اجل آئی ہے تو نہ تمہاری سفارش نہ ان کی عنایت مجھے بچا سکتی ہے اور اگر حیات باقی ہے تو ان کا بڑا عبداللہ خاں جس پر ترکستان فخر کرتا ہے قبر سے اٹھ کر مجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔"

امیر غیظ و غضب سے کانپنے لگتا ہے اور تیز تیز نگاہوں سے کبھی قلندر کی طرف کبھی اکبر خاں کی طرف گھورتا ہے۔ وزیر افغان اپنی شفاعت کے عبث جانے پر ندامت کرتا ہوا پھر بولتا ہے "بخارا اسلامی سلطنت ہے اور شاہان مقتدر اور عالمان متبحر یہاں پیدا ہوئے اور انہوں نے جہان کو ظاہراً و باطناً تسخیر و تالیف کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ اس مملکت کی تباہی اس مرد خدا کی آہ سے مقدر ہو کیونکہ جو کچھ میں نے ابھی دیکھا یہ سب بربادی کے سامان ہیں جن کے ختم ہونے کے لئے ایک بہانہ درکار ہے۔ فی الحقیقت میں نے یہاں صرف اسی مرد کو دیکھا جس نے بادشاہ جابر کے سامنے کلمہ حق کہکر مجاہد اکبر کا خطاب حاصل کیا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ تم سب کو اپنی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیئے ورنہ یہ قلندر کیا تمہاری غفلتیں تمہاری غلط روشیں ہی عذاب کے لئے کافی ہیں۔ بادشاہ آخر انسان ہے اور اگر نفس و شیطان کے ساتھ دربار کے اعیان و ارکان بھی متحد ہو جائیں تو اس کا گمراہ ہونا دوسرے انسانوں کی نسبت سہل تر ہے۔ یہاں یہی کیفیت ملاحظے میں آ رہی ہے۔ زبان سے غلام غلام کہکر تم سب بیدست و پا بن گئے ہو۔ جنابعالی بردباری سے کام لیں۔ قلندر نے نئی بات نہیں کہی کوئی بدعت نہیں تراشی۔ حضرت مولوی رومی جن کی قدر بخارا میں سب سے زیادہ ہے ہم سب کو فرعون کہتے ہیں ع اور اعون مارا عون نیست۔ پھر بھی اگر قلندر کو مارتے ہو تو اس کی بجائے مجھے پکڑ لو اگرچہ افغانستان کو میری ضرورت اس وقت بہت ہے اور میں خود بھی زندہ رہ کر اپنے وطن کو غیر کے قدموں سے پاک کرنا چاہتا ہوں مگر بخارا ابھی اسلامی وطن ہے یہ بھی نہیں چاہتا کہ یہاں ایک بے گناہ فقیر کا خون میری خاطر ٹپکے اور اسلامی مملکت کے دامن کو داغدار بنائے۔ میری اس سفارش میں قلندر کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ طائفہ اپنی مرگ کو وصال اور زندگی کو فراق جانتا ہے۔"

امیر فرط خشم سے بات نہیں کر سکتا اور زبان سے جس میں لکنت واقع ہو گئی ہے مختصر حکم دیتا ہے کہ قلندر کو منار پر لیجا کر سرنگوں گرا دیں اور افغان کو سیاہ چاہ میں ڈالدیں۔ فی الفور حکم کی تعمیل ہوتی ہے قلندر امیر پر ریش خند کرتا قہقہہ لگا کر چلدیتا ہے مگر اس کی بددعا کا اندیشہ فوراً امیر کو پشیمان کر دیتا ہے اور وہ کسی حیلے کی فکر میں پڑتا ہے جس سے قلندر کو بچا کر خود دامے سے چھوٹے۔ قلندر راستے میں علما کو برا بھلا کہتا جاتا ہے اور یہ شعر پڑھتا ہے ؎

چہ صیدم من کہ نے بسمل شدم نے زیب فتراکے   نہ از خونم زمیں آلودہ شد نے دامن پاکے

دلم از بے تمیزی ہائے اوضاع جہاں شد   نبودے کاش لوحِ سینہ ام را نقش ادراکے

امیر غضب کی بلندی سے اب پشیمانی کی پستی میں گر رہا ہے۔ اس کا شعلہ ٹھنڈا ہو کر ارتجاع کی طرف جا رہا ہے۔
اہل دربار تاڑ جاتے ہیں اور وزیر عرض کرتا ہے کہ اگر جنابعالی ایک عاجز درویش کی جان بخشی فرمائیں تو سراسر نیکنامی
اور شاہانہ مرحمت ہے۔ امیر سر ہلاتا ہے پس ایک چابک سوار جا کر قلندر کو رہا کر دیتا ہے۔

وزیر: جنابعالی کے اس عفو میں ایک یہ حکمت ہے کہ دنیا کو دھوکا ہوگا اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ وزیر افغان نے سفارش کی
تھی اور جنابعالی نے مہمان نوازی اور غریب پروری کے لحاظ سے منظور کر کے قلندر کو رہا کر دیا۔ پھر وزیر افغان کی محبوسی
میں یہ مصلحت ہے کہ پڑوسی سلطنتِ روس جو مدت سے دھمکیاں دے رہی ہے بارے مطمئن اور مشکور ہوگی۔"

قاضی۔ میں اس منطق کو معقول نہیں سمجھتا۔ جنابعالی کے فرمان میں کلی منفعت صرف یہ ہے کہ جنابعالی خوش رہیں۔ دنیا
کی شہرت آپ کی لونڈی ہے اور روس آپ کا غلام ہے۔ اس سے کیا ڈر ہے؟"

وزیر۔ ریلیں بنا کر ان پر لاکھوں فوج اور توپ خانے لا کر ہمارے ملک کو برباد کر دیگا۔"

قاضی۔ یہ جناب وزیر صاحب آپ کو تدبیر سے کام لینا چاہیئے۔ اگر روس نے ریل بنائی ہم اپنی رعیت کو حکم دیں گے۔
کہ راتوں رات اس پر صابون جا کر مل دیں۔ علی الصباح تماشا دیکھیئے کہ فوج موج سب گر گر بغیر لڑائی کے ہڈیاں تڑوا لینگے۔
فرض محال اگر بخارا میں پہنچ گئے کتنی مدت ٹھیرینگے؟ حب الوطن من الایمان۔ آخر گھر یاد آئیگا تو واپس چلے
جائیں گے۔ میری ان مدبرانہ اور مقدس باتوں میں اگر شک لاؤ گے تو کفر ہے۔"

وزیر کی کلام جیسا کہ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے فروخت ہو چکی تھی اور اتنی زیادہ قیمت پر کہ اس نے اس میں سے
کچھ قاضی کو بھی دینا مناسب سمجھا تاکہ اس کی موافقت کو خرید سکے۔ فی الحال خاموش رہا بعد ازاں قاضی کو ان قباحتوں
پر لا کر رہا جن سے اس نے شریعت میں فساد برپا کیا۔ شیطان کو لات مارنے کا مسئلہ نکالا اور کلہاڑی کی تشبیہ پیدا
کی۔ اگرچہ ترکستان کے لوگ ان ہذیانات و ہزلیات کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں مگر ہم نے تلمیح پر اکتفا کیا کیونکہ
اس فضیحت کی وضاحت کے لئے ہماری قلم شگفتہ و شکستہ ہے۔ اس کے بعد جناب عالی حرم سرائے میں کمتر
رہتے ہیں کیونکہ وہاں برا ہمسایہ ہے اس میں بھی کنایہ ہے جس کو ہم کھول کر بیان نہیں کر سکتے۔

باوجود فسق و فجور کے جنابعالی مع اہل دربار کے نماز قضا نہیں کرتے کیونکہ دو نمازوں کے درمیان جتنے گناہ
سرزد ہوں ان کے زعم میں سب کا کفارہ ہو جاتا ہے اور نیز خدائے غفور و رحیم کی رضامندی حاصل ہو کر تمام
بلاؤں سے نجات اور نعمتوں پر دسترس حاصل ہوتی ہے۔ ان کی نمازوں اور ہزار دانہ تسبیحوں میں آخرت کو کوئی دخل
نہیں ہے۔ امیر قلندر اور وزیر افغان کی تقریروں سے تھک گیا ہے یا اس کے ندیموں نے یہ کہکر کہ جنابعالی نے

آج بہت کام کیا از حد زیادہ معظمات امور میں مصروف رہے اور بے اندازہ احکام صادر فرمائے" اس کو تھکان کا احساس دلا دیا ہے اس لیئے آج وہ نمازِ ظہر میں دیر لگا رہا ہے مگر ساتھ ہی اس کے ادا کرنے کی تیاری کا اظہار بھی کر رہا ہے کیونکہ وہ خدا سے ڈرتا ہے یعنی جانتا ہے کہ موت اس کے اختیار میں ہے ورنہ زندگی میں زمین اس کے قبضے میں ہے اور آسمان اس کا غلام ہے۔ وزیر اس حالت کو جانچ کر جیسا کہ وزرا کا یہی کمال ہے قاضی کی طرف رجوع کر کے بولتا ہے یہ جناب تقدس مآب نے روزہ نہ رکھنے کا جواز کیسے اچھے سلیقے سے اختراع کیا تھا وہ آیت کس طرح ہے؟"

قاضی :- وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۔ وہ جو اس کی طاقت رکھتے ہوں اس کی بجائے مسکین کا کھانا دیدیں یعنی جو لوگ باوجود قوی ہونے کے روزہ نہ رکھیں اور غریب کو روٹی کھلا دیں ان پر کوئی گناہ نہیں بلکہ میرے عقیدے میں ثواب کی امید ہو سکتی ہے کیونکہ محتاج کو خیرات دی"

وزیر :- اگر ایسی ہی مبارک دلیل سے کوئی آیت پیدا ہو جس کے رو سے جناب عالی نماز سے سبکدوش ہو جائیں تو قاضی صاحب اولی الامر کی اطاعت خاص طور پر بجا لائیں گے"

امیر :- آفرین ہزار آفرین۔ میں نے تمہیں تمہارے تفکر و تدبر کی وجہ سے وزیر مقرر کیا ہے۔ اگر نماز کے متعلق کوئی معذوری کی صورت نکل آئے تو میں تم دونوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دونگا"

قاضی نے آیات احادیث اور اقوالِ ائمہ پر غور کرنا شروع کیا مگر نماز پر سب کو متفق پایا۔ وہ طمع کے سبب سخت تردد میں تھا کہ کوئی چارہ کرے کیونکہ اس کے مخاطب یا تو اس کے اقتباس یا غلط فتوے کو صحیح سمجھتے تھے یا اپنا گناہ اس کی گردن پر ڈالتے تھے۔ وہ نزدیک تھا کہ اپنی علمی اور دینی فضیلت نماز کی معافی سے ثابت کرتا مگر مفتی نے سبقت کی یہ جناب عالی کو میں ایک راہ بتاتا ہوں آپ اور وزیر اور قاضی کافر ہو جائیں مسلمانی کی سب تکالیف روزہ اور نماز وغیرہ سے آزاد ہو جائیں گے"

امیر :- نکالو اس قلندر کے بھائی کو افغان کے دوست کو۔ آج ایسے ہی موذیوں سے پالا پڑا ہے"

مفتی :- مجھے نکالیئے یا مار دیجئے مگر یہ بات سن لیجئے۔ اصولِ دین میں اجتہاد ختم ہو چکا ہے۔ اگر آیت سے معنی سمجھ نہ آئیں تو حدیث موجود ہے روزہ مسافر اور مریض کے سوا سب پر فرض ہے اور سفر و مرض کے بعد قضا لازم ہے۔ قاضی نے جو آیت پڑھی اس میں طاقت کی ضمیر ما بعد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جو کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ نماز اس سے بھی زیادہ لازم ہے جس سے امن کی حالت در کنار لڑائی میں بھی چارہ نہیں"

امیر مفتی کے کلمۂ حق سے ایسا گھبرایا کہ کوئی حکم اس کے برخلاف نہ دے سکا مگر خود دربار سے اٹھ کر چلدیا۔

سیاہ چاہ سے رہائی کی کوششیں

وہ مصائب جو نیک و بد بہادر و بزدل اور چھوٹے بڑے کے نصیب میں ہیں وزیر اکبر خاں کا حصہ اس کی عظمت کے انداز سے اس میں زیادہ ہے۔ مدت سے سخت زنداں میں محبوس شدید آفات میں مبتلا ہے۔ ایک تنہائی کافی ہے۔ جو اپنے اختیار سے چونکہ نہیں ہے۔ اس لئے دل دہلاتی ہے۔ تاریکی سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ تعفن اور نم سے سانس گھٹتا ہے۔ رات دن میں ایک دفعہ زندان کا داروغہ رسی سے باندھ کر روٹی اور پانی لٹکا دیتا ہے اور اس کی بجائے قیدی کی خیریت کی خبر لے جاتا ہے۔ ہفتے میں ایک بار نجاست کو صاف کراتا ہے۔ اکبر خاں باوجودیکہ خدا کی رحمتِ واسعہ پر ایمان رکھتا ہے۔ مگر قرینے سے یقین کرتا ہے کہ ہلاکت دور نہیں ہے۔ بارگاہ کبریائی کے سوا کوئی التجا کی جا نہیں لاجرم مناجات کرتا ہے" تیری رحمت و رافت نے ہر چیز پر احاطہ کیا ہوا ہے۔ اس عاصی عاجز کو بھی اس میں داخل فرماتا کہ خدمت اسلام میں جو تیرا اپنا دین ہے جان دوں نہ کہ قید میں۔ میں میدان جہاد میں شہادت مانگتا تھا نہ کہ سیاہ چاہ میں۔ میرے وطن پر کفر نے غلبہ کر رکھا ہے اور میں پردیس میں سڑ رہا ہوں۔ میں نہیں کہتا کہ میرے وسیلے کے بغیر افغانستان آزاد اور خود مختار نہیں ہوگا میں صرف اپنی ملت کی خیریت کے حصول میں شرکت کا فخر چاہتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو صالح نہیں سمجھتا۔ اور اپنے اعمال کے بدلے رہائی کی خواہش نہیں کرتا اور نہ حسنات کے قصد کی خاطر اپنی کشائش کا حق ثابت کرتا ہوں۔ یہ سب میرے منافع کے لئے ہیں۔ تیری ذات متعال کو ان سے کچھ فائدہ نہیں تو غنی اور بے نیاز ہے۔ تیرے لطف و کرم کا خواستگار ہوں اپنے جرائم سے توبہ کرتا ہوں۔ اگر میرے گناہوں کے عوض پکڑے تو ایک لحظہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ حکومت میں کتنے آدمیوں کو میں نے اس سیاہ چاہ سے بدتر کنوؤں میں ڈالا۔ اگر اپنے فضل سے مجھے نہ بخشے تو کوئی چھٹکارا نہیں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ تیرے سوا کسی میں قدرت نہیں تو سب عیبوں سے پاک ہے۔ میں ہی ظالم اور خطاکار ہوں۔ تو نے فرمایا ہے کہ اگر یونس تسبیح نہ پڑھتا تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا۔ مولوی کہتا ہے ؎

صبر کن کا نیست تسبیح درست صبر کردن جان تسبیحات تست

الٰہی مجھے صبر دے۔"

اکبر خاں کبھی دعا مانگتا کبھی خاموشی میں کوئی تجویز سوچتا مگر زیادہ وقت مدہوشی بلکہ غش کی حالت میں گذارتا جو نیند سے علیحدہ تھی۔ تعفن میں ہوش بجا نہ رہے جس سے تنہائی اور بے کسی کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔ مگر جس وقت ہوش آتا پھر تکلیف لاحق ہوتی تھی۔ اس کو دور کرنے کے لئے سینکڑوں کوسوں کے فاصلے پر مدد نمودار ہوئی۔ ایک بڑا قافلہ رواں ہے

ہمیں اپنے وزیر کی ہمدردی کے سبب رغبت نہیں کہ سب مسافروں کا ملاحظہ کریں۔ اسی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جہاں سے یہ آواز آتی ہے "اے خدائے رحیم و قادر۔ یہی آزادی جو ہمیں اور ادنےٰ حیوانات کو یہاں میسر ہے۔ ہمارے وزیر کو بھی عطا فرما"! یہ سن کر ہم اس جانب گئے مگر معلوم نہ ہوا کہ کس نے یہ دعا مانگی تھی۔ خچر ٹٹو اور گدھے تجارت کے مال سے لدے جا رہے ہیں اور پیچھے اونٹوں کی قطار بھی ہے۔ مگر سوداگروں کی جمعیت معمول سے زیادہ ہے اور سب مضبوط گھوڑوں پر سوار ہیں جن میں سے اکثر وزیری ہیں جو محراب دار کانوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ گھاٹی کا وہ حصہ ہے جو اکیس ہزار فٹ بلندی کے سبب پانی کو ابلنے نہیں دیتا۔ ہوا بھی یہاں ہلکی ہوتی ہے۔ اور اس وقت لطیف نسیم چل رہی ہے۔ ارادہ ہوا کہ ان تاجروں کے گروہ کو نظر سے اوجھل نہ کر کے ذرا نواحی کی سیر کریں تا کہ غم غلط ہو۔

پہاڑ کی چوٹی پر سے کیا دیکھتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیاں بھیڑیں اور بکریاں چرا رہی ہیں اور ان کو دیکھ کر ہرن رم کھا کر دوڑ رہے ہیں۔ دونو کی خوب ہم چشمی جاری ہے۔ ان کو شکار کرنے کا خیال خام آیا تو پختہ یقین سے اندیشہ ہوا کہ کہیں خود صید نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اس علاقے کو پریاں کہتے ہیں۔ اس مخمصے میں مبتلا تھے کہ سامنے سے ایک سانڈنی سوار آتا دکھائی دیا یاد آیا کہ ؎

محقق ہماں بیند اندر ابل   کہ در خوبرویان چین و چگل

سعدی کی دہری کرامت ثابت ہوئی کیونکہ کجاوے میں واقعی حسن و جمال کے پتلے اور پتلیاں بھری تھیں۔ مہار والا نعرہ مارتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بجنشیر کا باشندہ ہے "خدا میری قوم کو خیر نہ دے کہ مرد مزدوری اور لکڑیاں چیرنے اور عورتیں دایہ گیری اور خدمتگاری کے لئے کابل میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اندھے یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے پہلو میں کیسے قیمتی مال کا ڈھیر لگا ہے۔ میں دس کافری لڑکے لڑکیوں کو پکڑ لایا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ ان کے والدین پیچھے سے نہ آلیں۔ ہماری قوم پر لعنت جو وقت پر کمک نہ دے سکے۔ اسی لئے میں اپنے وطن سے کنارہ کشی کر کے اس طرف ہو لیا ہوں"۔ فی الحقیقت نیچے بجنشیر کی طرف نگاہ دوربین سے کہیں کہیں مرد و زن دکھائی دیتے ہیں اور دوسری جانب کافرستان کی جانب عجیب و غریب حیوانوں کے جھنڈ نظر آتے ہیں۔

ایک طرف گائے بھیڑ اور بکری کے گلے چر رہے ہیں۔ دوسری طرف درختوں پر ریچھ چڑھے ہوئے اخروٹ کھا رہے ہیں۔ ایک پر تیتروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے جو زمین پر گرتا ہے۔ فوراً چند کافری ایندھن اکٹھا کر کے اس کو بھوننے کی تیاری کرتے ہیں اور خوشی میں گاتے ہیں۔ شعر کے آخری حرف کو سانس کی لمبائی تک طول دیتے ہیں ؎ چم چودان بورا یاشے۔ گر نگے چوداں بورا یاشے۔ مالی گو لسکے پرچگا نہ رالاشے۔" جو لفظ ہماری سمجھ میں آئے یہ ہیں کہ لوہے کی آواز سے گھنگروؤں کی جھنکار سے ہمارا سردار پراچگان کی فتح کے لئے گیا۔ گاتے ہیں اور کباب کھاتے ہیں۔ مگر چربی کو زیادہ مزے سے نگلتے ہیں

اس کا اثر جاڑوں میں پوستین سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ بلکہ شیر خوار بچے کو ملنے سے وہ ساری عمر سردی محسوس نہیں کرتا۔ ایک سیر ہو کر درخت پر چڑھتا ہے تاکہ اور شکار کی تلاش کرے اور دوسرے سر ملا کر پھر گلا پھاڑتے ہیں ؎

بازارہ وے وریاشش راسوت بازارہ وے وریاش

پیتہ پاموسدرم سوئے تا اشترائے نو

یہ بھی کسی نامدار شخص کی تعریف ہے جس کا گھر غنیمت کے مال واسباب سے بازار کی طرح بھرپور ہے اور وہ شجاعت کے علاوہ سخاوت میں بھی مشہور ہے۔ درخت پر سے ایسی دردانگیز صدا آتی ہے کہ سب راگ چھوڑ کر اوپر چڑھتے ہیں اور فی الفور نیچے اتر کر کمانیں اور اپنی قومی چھریاں لے کر بھاگتے ہیں۔ پتھروں پر سے بکریوں کی طرح کودتے غاروں میں لومڑیوں کی طرح گھستے اور میدان میں ہرنوں کی طرح چھلانگ مارتے تقریباً پندرہ آدمی پنجشیری کی طرف لپکتے ہیں جو اب اس جماعت کے ساتھ جا ملا ہے جن کو ہم نے اپنی نظر سے دور نہیں کیا۔

کافروں میں سے ایک آگے ہے۔ جس کے کان میں پانچ چھ گوشوارے[1] ہیں۔ ان کی طرف اشارہ کرکے نعرہ مارتا ہے کہ تمھارے مسلمانوں میں سے اتنوں کو میں نے ہلاک کیا ہے اور اب اور زیور تیار کروں گا۔ اگر چپکے سے ہمارے لڑکے لڑکیاں واپس نہ دیئے جب دوسری طرف سے مقابلے کا اظہار ہوا تو اس نے تیر چلایا اور باقی ساتھیوں نے تلواروں اور چھریوں سے حملہ کیا۔ وہ قافلے میں قتل عام اور غارت پیدا کر دیتے اگر ان کے نزدیک ایک بڑے پتھر کے پیچھے سے دس آدمی نکل کر ایک دو کو ہلاک اور باقی کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہ کرتے۔ فی الفور ان کی مشکیں کسی جاتی ہیں اور اس اونٹ کے پاس لائے جاتے ہیں جس پر ان کے لڑکے لڑکیاں سوار ہیں تاکہ ان کو مل کر خوش ہوں یا مغموم۔

یہ دس آدمی وہی ہیں جن میں سے ایک نے اکبر خاں کے لئے دعا مانگی تھی۔ جب پنجشیری نے کافروں کے تعاقب کا زیادہ اندیشہ ظاہر کیا تھا تو ایک نے پہاڑ پر چڑھ کر فی الواقع اس کی تصدیق کی تھی۔ کافروں کا رخ دیکھ کر یہ دس آدمی گھات میں بیٹھ گئے تھے جہاں سے عین وقت پر نکل کر انھوں نے غلبہ حاصل کیا۔ مگر پنجشیری کافری تیرانداز کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ بعض مرگیں مجازات کے طور پر واقع ہوتی ہیں۔ یہ پنجشیری غزا میں ہمارے ساتھ تھا اور غازیوں کا اسباب لے کر بھاگ گیا تھا۔ ایک لڑائی سے بھاگنا ہی کافی تھا ؎

سپاہی کہ روز وغا داد پشت
بکش گر عدو در مصافش نکشت

---

[1] کافرستان کے لوگ جتنے مسلمانوں کو مارتے اسی شمار کے مطابق کانوں میں گوشوارے ڈالتے تھے۔

اب کافروں کے تیر سے شہید ہوتا ہے اور بہتر مال غازیوں کے حوالے کرتا ہے۔ جاندار چیز ہمارے متاع تجارت میں نہیں تھی۔ دس لڑکے لڑکیاں بشرطیکہ راستے میں نفیس لباس کے علاوہ عمدہ تربیت بھی پا لیں تو اچھی قیمت پا جائیں گے اور عمدہ تربیت سے مراد اسلام کی صحیح تعلیم ہے جو ہم ان کو ابھی سے دینا شروع کر دیں گے۔

قافلہ ہندوکش سے اتر کر اندراب میں پہنچ جاتا ہے جہاں نمک کی وسیع و عمیق کانیں ہیں اور آس پاس کے لوگ اس کو کھودنے اور نقل دینے کا پیشہ رکھتے ہیں۔ پنجشیر میں کبھی چاندی کی معادن تھیں جو سامانی سلطنت کے زمانے تک رہیں۔ پہلے نواحی کے باشندے ان میں مصروف ہوتے اور پہاڑ کے دوسری طرف سے بھی آتے۔ اب معاملہ برعکس ہے۔ اور ہندوکش سے گذر کر لوگ نمک لاتے ہیں۔ قافلے کے چند آدمی کان کی طرف جاتے ہیں۔ وہاں لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ کافرستان کا ایک بڑا بارسوخ بہادر اور مالدار شخص جو اسلام کی طرف بہت مائل ہے انھی اسیروں میں ہے جو گذشتہ واقعے میں ہاتھ لگے ہیں۔ جب یہ سوداگر لوٹتے ہیں تو وہ اسیر خود اس کی تصدیق کر دیتا ہے۔ "خانصاحب۔ اگرچہ میں قید میں ہوں۔ مگر انسان ہوں اسی حیثیت سے میری عرض سن لیجئے۔ آپ محمد اکرم خاں مشہور غازی ہیں۔ آپ کے ساتھ احمد محمود اور گلجان نامدار ڈاکو ہیں۔ میں اپنی قوم رارہ والی کا مَریا میر ہوں۔ آپ کے یہاں سے گذرنے کی اطلاع فرنگیوں نے ہمیں دی تھی۔ بلکہ آپ کے زندہ یا خدانخواستہ مردہ حاضر کرنے کے لئے انعام بھی مقرر کیا تھا مگر مجھے ایک مدت سے اسلام کی طرف رغبت ہے۔ اس لئے میری شرافت نے گوارا نہ کیا کہ لالچ پر مخالفانہ اقدام کروں اور یہ جھڑپ جو آپ کے ساتھ ہو گئی اپنی قوم کے بے گناہ بچوں کو چھڑانے کے لئے لازم تھی۔ اور جس شخص کو میں نے تیر سے مار دیا وہ بڑا کینہ چور تھا اور ہمارے بعض آدمیوں کو بے خبر ہلاک کر چکا تھا۔ اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ میں نے پہلے اسلام کیوں اختیار نہ کر لیا تو جواب یہ ہے کہ اکثر مسلمان ہم کافروں سے بدتر ہیں۔ ہمارے درمیان چوری زنا جوا گالی وغیرہ مروج نہیں ہے۔ اسی سے آپ قیاس کر لیں۔ مگر جب میں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو باوجود یکہ بعض دھاڑوی ہیں۔ نہ صرف اپنے درمیان بلکہ ہمارے اور ہمارے گرفتار بچوں کے ساتھ مہربانی و محبت کا وہ طریقہ برتتے دیکھا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا تو میں اپنے دل سے مسلمان ہو کر زبان سے اقرار کرتا ہوں۔ آپ اسے غرض پر مبنی نہ سمجھیں کیونکہ میں آپکا ایسا فدائی ہو گیا ہوں کہ غلام حلقہ بگوش کی طرح رہنے کا قصد رکھتا ہوں اور میرے کانوں میں جو دشمنی کے گوشوارے ہیں انھیں آپ غلامی کے نشان جانیں۔ آپ میری آزمائش کریں اور اس میں مجھے خدمت گذاری کا بھی موقع مل جائے گا۔ میں ایک آدمی کو اپنے کٹار[1] کے ساتھ بھیجتا ہوں جو میرے قبیلے سے پچاس ہزار آدمی آپ کی مدد کے لئے لائیگا اور خوست و فرخ کی راہ سے وہ آپ کے ساتھ آملیں گے۔"

اکرم چونکہ پہلے اس شخص کی کہانی دوسروں کی زبانی سن چکا تھا بلکہ کابل میں بھی اس کے بعض قصے نیک پیرائے

---

[1] کافری یا جدیدی زبان میں کٹار کو کٹا کہتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے ہندی الفاظ ملتے ہیں۔

میں بیان کئے جاتے تھے۔ اس اتفاقی کمک سے خوش ہوا اور یہ یاد کرکے کہ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا اس کو مشرف باسلام کرنے پر آمادہ ہوگیا اور اکرم نے اس کی مدد کو بھی قبول کیا جو پچاس جوانوں کی صورت میں کچھ دنوں بعد موجود ہوگئی۔ اس کو کافری لڑکوں اور لڑکیوں کا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ اسی خیال سے کہ ترکستانی اپنی مسلمانی کی حفاظت نہیں کر سکتے اگر ان بچوں کو ان کے حوالے کیا تو اگرچہ نفع ہوگا مگر گناہ سراسر رہے گا۔ اب یہ تجویز کی کہ ایک اچھے مسلمان کو مع ایک کافر کے جو تازہ مسلمان ہوا تھا ان کے ساتھ واپس ان کے علاقے میں بھیجا جائے تاکہ اشاعت اسلام مزید بھی ہو اور کافریوں کے ساتھ سلسلہ مراودت بھی قائم ہو جائے۔

اکرم اپنی قوم میں دین و دانش کے اعتبار سے بہت ممتاز تھا اگرچہ اس کے حاسد یہ الزام لگاتے تھے کہ اس نے ایک انگریز عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے جو ملکیت کے خلاف ہے مگر وہ اس کے متعلق دلائل پیش کیا کرتا تھا۔ چنانچہ یہی کافری ملک یا میر ایک دن لوگوں کی زبانی راستے میں کہنے لگا "آپ کے برخلاف میں نے یہ سنا ہے کہ ایک میم کے ساتھ آپ کا بیاہ ہوا ہے۔ اگرچہ ہم لوگ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ صرف ہمارے قدیم مذہب میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ پندرہ پشت تک مرد اور عورت ایک دوسرے سے جدا ہوں۔" اکرم نے جاتے جاتے گھوڑا تھام لیا اور ذرا نزدیک ہو کر جواب دینے لگا "مجھے اکثر بہتانوں کا علم ہے۔ مگر میں جب خود صاف دل ہوں تو مجھے ان کی پرواہ نہیں۔ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کا ازدواج ہو سکتا ہے اور میں پھر بھی مسلمان عورت کو ترجیح دیتا ہوں۔ بلکہ اپنی قوم و قبیلہ کو مقدم سمجھتا ہوں۔ مگر میری حالت مستثنیٰ ہے۔ ممکن ہے میری اور میری زوجہ کی آشنائی الست کے عالم ارواح میں ہوئی ہو جیسا ہندو فیلسوف کہتے ہیں ہم پہلے جنم میں باہم مل جل چکے ہوں۔ غالباً ہماری دونوں کی خلقی اور خُلقی ترکیب ایسی مشابہ و مماثل واقع ہوئی ہے کہ ضرور ہم ایک دوسرے کو ایک ہی چیز یقین کرکے یگانگی جانتے ہیں۔ یہ کشش عام نہیں ہے اور میں نے برسوں اس جذبے کو آزما کر سچا پایا ہے۔ پھر بھی میں نے اپنا عقیدہ اتنا مضبوط رکھا ہے کہ اگر میری محبوبہ اسلام یا افغانیت کے خلاف کوئی حرکت کرتی تو میں اسے قبول نہ کرتا مجھے ہجر کا درد منظور تھا۔ اس نے میری خوش نصیبی سے دین مبین کو خوب پہچان لیا ہے بلکہ وہ مجھ سے اس میں بڑھ کر ثواب کی مستحق ہے کہ میں دین کی خدمت میں اپنے ملک و قوم کی بہتری بھی دیکھتا ہوں اور وہ ان دونوں کو دین پر قربان کر رہی ہے۔ چنانچہ اس کے عزم و اعتقاد کو دیکھ کر میرے ماموں نے جو بڑے متعصب افغان ہیں اور بڑی جائداد کے ہوتے اولاد سے محروم ہیں اس کو اپنی وارث قرار دے لیا اور ان کے گھرانے کی سب خانمیں دل سے اس کو چاہنے لگیں اور وہ ان کے درمیان فقط ایک افغان معلوم ہونے لگی۔"

اکرم کے ماموں کی تجارت بہت وسیع تھی۔ بھیڑوں[1] گائیوں اور گھوڑوں کے گلے ترکستان اور بدخشان کی طرف

---

[1] افغانستان میں بھیڑ سے مراد دنبہ ہے۔ اکثر سوداگروں کے پاس ایک ایک لاکھ تک ایسی بھیڑیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح بیس بیس ہزار گائیوں اور گھوڑوں کے مالک بھی ہوتے ہیں۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ ان کے علاوہ سوتی اونی اور ریشمی کپڑے اور چینی روسی ایرانی اور انگریزی ساخت کی اشیا اس کی تجارت میں داخل تھیں جیسا کہ قاعدہ ہے لڑائی نے اس کو بے حد نقصان پہنچایا تھا۔ جب اکرم نے بخارا جانے کا قصد کیا تو اس کے ماموں کو البتہ بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ اس طرف بھی اس کے تجارتی رابطے بہت تھے اگرچہ سیاسی الجھنیں اس کی خوشی کو داغ دار کرتی تھیں مگر اکرم کی تدبیر سے کدورت کچھ رفع ہوتی تھی۔ اس ماموں نے پچاس آدمی اکرم کے ساتھ روانہ کئے اور اتنے ہی اکرم کے اپنے دوست مددگار اور نوکر تھے۔ اب کافرستان سے پچاس اور آملے۔ دریائے آمو کے کنارے پہنچکر دس آدمیوں کو وہاں متعین کیا کہ بہت سی کشتیوں کو کرائے پر لاکر دریا کے آر پار خرید و فروخت کا سلسلہ سرگرمی سے جاری کریں۔ اس دریا کا عرض بہت زیادہ ہے اور اس لئے پل بنانا آسان نہیں ہے۔ سامانیوں کے عہد میں ایک پل تھا۔ جس کے کچھ محراب دونو طرف ترمذ کے قریب موجود تھے وہاں سے کشتیاں گذارنے کا بندوبست کیا۔ اسی طرح مشہور مواضع میں تیس چالیس گھوڑے چھوڑے گئے اور یہ حکم دیا کہ آدھے ہمیشہ مقیم رہیں اور باقی سوداگری کی چیزیں لانے لیجانے میں مصروف رہیں اور کسی کو گمان نہ ہو بلکہ یہ سب کاروبار صرف تجارت کے دھندے سمجھے جائیں۔

ان انتظامات کی شہرت اکرم کے ساتھ ہی بخارا میں پہنچ گئی۔ مگر وہاں لوگ یہ کہنے لگے کہ ایک اکرم نے جہاد میں نام پیدا کیا ہے۔ اور دوسرے نے تجارت میں۔ اس نے ایک وہ ملا (بڑا ملا) کو یہ کہتے سنا: جواب دیا کہ مولانا یعقوب چرخی کی تفسیر میں تجارت اور جہاد دونو کا مرتبہ مساوی ہے۔ کیونکہ سورۂ عم میں دونو ایک جگہ اچھی طرح مذکور ہیں۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے انحطاط کا ہے ایک میں ہی کمال محال ہے۔ چہ جائیکہ دونو میں۔ حکمائے یونان اپنے شاگردوں کو سوداگری سے منع کرتے تھے کیونکہ کاروبار کی افراط میں علم و فضل مشکل تھا۔ مسلمانوں نے اپنی ترقیوں میں اسے آسان کر دکھایا۔ اسی بخارا میں خواجہ احرار بھیڑوں کی ایسی منضبط اور آراستہ تجارت کرتے تھے کہ ہر رنگ کی ایک ایک لاکھ بھیڑیں علیحدہ ہوتی تھیں۔ پھر جہاد اکبر میں بھی مشغول ہوتے اور بادشاہ امراء و عوام سب کو ہدایت پر لاتے تھے۔ امام اعظمؒ اجتہاد میں سب سے اونچے مرتبے کے مالک تھے۔ چنانچہ دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان انہی کی علمی و دینی کوششوں کے طفیل اب تک راہِ نجات پر چل رہے ہیں۔ باوجود فقہی تحقیقات کے ان کی تجارت اس قدر وسیع تھی کہ چین میں بھی ان کی کوٹھیاں تھیں اور اسی سے سراغ ملتا ہے کہ اس دور و دراز ملک میں اسلام کیونکر پھیلا۔ وہ اپنے نوکروں کو سخت تاکید کرتے تھے کہ شرعی قواعد کے مطابق تجارتی معاملات میں روش رکھیں ان کے شاگرد امام محمدؒ کے اصطبل میں ہزاروں گھوڑے بندھے ہوتے اور ان کا علمی درجہ اتنا بلند تھا کہ بزرگ علما ان کی عزت امام یوسفؒ کی نسبت زیادہ کرتے تھے۔ غوث اعظمؒ کے دروازوں میں سونے کی میخیں جڑی تھیں۔ جو تجارت میں کمائی تھیں اتنی مالداری کے ساتھ آپ کی ریاضت اور ہدایت تمام مخلوق میں جاری تھی۔ حضرت عمروؓ بن عاص کے بیس ہزار گھوڑے تھے جو ان کی اپنی ملکیت سے وادئ نیل میں چرتے تھے اور دوسرے اصحاب کرامؓ کے محلات و باغات مدینہ بصرہ اور کوفہ

میں جداگانہ موجود تھے۔ جہاں زراعت و فلاحت کے اصول پر کاشت کراتے تھے۔ اور اپنی زندگیوں کے ایثار سے بھرے نمونے بھی پیش کئے ہوئے تھے۔"

اکرم نے بخارا میں اپنے حسنِ سلوک اور کھلے دسترخوان سے بہت اکرام و احترام حاصل کر لیا مگر سیاہ چاہ[1] سے بعد المشرقین کے فاصلے پر قیام کیا تاکہ کوئی بھی گمان نہ ہو۔ کابل کا ایک محلہ وہ افغاناں ہے یہاں کا ایک باشندہ سیاہ چاہ کے بالکل متصل رہتا تھا مگر وہ اتنی برسوں سے بخارا میں سکونت پذیر تھا کہ اس کے کابلی ہونے کا کسی کو شبہ نہیں تھا۔ صرف اس کی حب وطن باقی تھی جس کی وجہ سے اس نے اکرم کے ماموں کے ذریعے اپنی غریبانہ حیثیت کے موافق کچھ ابرے کے کپڑے غازیوں کے لئے بھیجے۔ یہ دوکاندار اب بھی اکرم کو ملنے آیا اور موقع پاکر اس نے وزیر اکبر خاں کی بدبختی کا قصہ ایسے رقعت بھرے لہجے میں بیان کیا کہ اکرم نے اسے آئندہ اپنے پاس آنے سے روک دیا بلکہ محمود کو مقرر کیا کہ وہ لمبا بخارائی چغہ پہن کر اس کے پاس جایا کرے۔ یہ محمود جیسا نومسلم کافرستانی نے کہا تھا ایک نامی چور تھا اور چونکہ دنیا میں کانٹوں سے باڑ لگتی ہے اور لوہے کے کانٹے سے کنوئیں میں گرا ہوا ڈول نکالا جاتا ہے۔ الغرض اس جہان میں کوئی چیز بھی بیکار نہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ وزیر اکبر خاں کی والدہ نے جو امیر کبیر کی ازواج میں اپنی باقیات صالحات کے سبب مشہور ہے اس چور کو ترغیب دی کہ اس کے بیٹے کو امیر بخارا سے چرا لائے تو البتہ بہت سے انعام کا مستحق ہوگا۔ زادِ راہ کافی دے کر اسے روانہ کیا۔ اس مادری محبت کے قاصد سے اکرم نے استفادہ کیا۔ نومسلم مذکور کو جس کا نام نُہ دل رکھا گیا تھا اکرم نے یہ حکمت یوں بتائی ع یہ کفر و ایماں زلف درو ئے آں پری زیبا است۔ سمندر میں میٹھے اور کڑوے دونوں پانی جا ملتے ہیں۔ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا۔ لوگ نیک بھی ہیں اور برے بھی اور دونوں سے انکے حالات کے مطابق کام لیا جاتا ہے اور بعض اوقات شریروں سے وہ مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں جو صالح اشخاص سے ناممکن ہیں۔ عرب جاہلیت میں باہم لڑتے مرتے تھے اور لڑائی کے سب کرتبوں میں ماہر تھے۔ اگر خونریزی ان کی عادت نہ ہوتی اور حربی حیلوں سے ناواقف ہوتے تو مسلمان ہو کر دنیا کو فتح نہ کر سکتے۔ ہمارے کابل میں بھی ثابت ہو گیا ہے کہ اکثر جنگجو دھاڑوی اور چور غزا میں بہادر نکلے ہیں۔ رہزن اگر اپنے فعل شنیع سے باز آجائے تو کوتوالی میں بہت مفید کام کر سکتا ہے۔ اگر اس کی تعلیم کافی ہو تو خلق خدا کو فوائد بھی بہت پہنچا سکتا ہے۔ حضرت فضیلؒ اسی مسلک سے ہٹ کر ایسے مرشد ہوئے کہ ہزاروں ڈاکوؤں کو نیک بنا سکے۔ اور یہ دشوار ہدایت اور کسی بزرگ سے انجام کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ میں نے محمود کو جو پہلے صرف مالی طمع سے خدمت پر آمادہ ہوا تھا۔ اب ملّی غرض سے اس مرحلے کو طے کرنے پر تیار کیا ہے۔ اس کی چوریوں سے کابل کے لوگ تنگ آ گئے تھے۔ اس سے بھی اس نے توبۂ نصوح کر لی ہے۔ اگرچہ مجھے اس معاملے میں بہت تکلیف ہوئی

---

[1] یہ سیاہ چاہ اب بھی موجود ہے۔ مگر اس کی ہیبت اور نحوست ختم ہو چکی ہے۔ آثار عتیقہ کے طور پر پختہ اینٹوں سے بنا کر رہنے دیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کو دیکھا کیونکہ مقفل رہتا ہے۔

کیونکہ ایک سنگدل اور عادی مجرم کو سمجھانا سہل نہیں۔"

جو زحمت اکرم خاں کو اٹھانی پڑی اس سے ہزار درجہ سخت وزیر اکبر خاں جھیل رہا ہے۔ ایک عالی رتبہ اور بلند دماغ شخص کے لئے تنزل کر کے فرومایہ اور کمینے آدمیوں کے ساتھ نباہ کرنا عمودوار پہاڑ سے نیچے اترنے کے برابر ہے۔ وزیر نے چند دن صبر کرکے اور خاموشی سے گذار کر آخر اپنی رہائی کی فکر کی کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ مدد اوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے آنیوالی ہے۔ پاسباں کنوئیں کے اوپر سے روٹی اور پانی نیچے لٹکا دیتا اور اس کے سوا اور کوئی آدمی نزدیک نہ پھٹکتا۔ وزیر نے ایک دن کہا کہ میں وزیر تھا اور فرزندِ امیر۔ اگر میری خدمت کا خیال ہو تو بے اجر و ثواب نہیں ہوگا۔ پاسبان نے اسے نمک حرامی اور جنابعالی کی نافرمانی قرار دیا۔ وزیر نے کہا کہ میں جہاد میں شریک تھا اور پھر کافروں کے ساتھ لڑونگا۔ اس لئے مجھے سہولت پہنچاؤ کہ زندہ رہوں۔ اس طرح کی ترغیب و تحریص صرف یوں کارگر ہوئی کہ اکبر خاں سے کوئی نشانی پوچھ کر پاسبان افغانی سوداگروں کے پاس جاتا اور ان سے روپیہ وصول کرتا۔ اس کے بعد سیاہ چاہ کا اوپر سے تختہ کھلا رکھتا تاکہ کچھ روشنی پہنچے۔ غلاظت باہر نکلوا دیتا اور کبھی کھانے کے لئے کوئی لطیف چیز پہنچا دیتا۔ ہاں قلندر بھی اکثر میوہ اور کوئی کپڑا لاتا تو پاسباں اس کی بدعا کے ڈر سے لے لیتا۔ مگر جب تک افغانی تاجروں سے نقد کچھ حاصل نہ کرتا اکبر خاں کو قلندر کا تحفہ نہ دیتا۔

ایک جاہل اور عامی آدمی کے لئے ضرورت کے مطابق عالم وارفع ہونا مشکل ہے۔ البتہ ایک تعلیم یافتہ اور تجربہ کار شخص حاجت کے لحاظ سے جھک کر ہر طرح کے کام سرانجام دے سکتا ہے۔ بڑی لڑائی کے اثنا میں ایمڈن جرمن جہاز کے اسیران حرب سنگاپور میں مقید ہوئے۔ انہوں نے ایک طرف تو سرنگ لگانی شروع کی اور دوسری جانب ہندوستانی سپاہیوں کو گانٹھا کہ ہم سلطان اور خلیفہ کے حلیف ہیں۔ ہماری رہائی جہاد کا ثواب رکھتی ہے۔ انہی کی مدد سے کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے اور سرنگ آدھی رہ گئی۔ محمود اپنے کام میں مشغول تھا اور اکرم دوسری تدابیر پر بھی عمل کرتا رہا۔ چنانچہ گلجان کو پاسبان کے پاس بھیجکر اکبر خاں کے لئے عمدہ خوراک و پوشاک وغیرہ کا بندوبست کیا۔ پھر اس کو ایک ہزار اشرفی پیشگی دی۔ اور ایک ہزار افغانستان میں جاکر دینے کا وعدہ کیا اگر وزیر وہاں صحیح وسلامت پہنچ جائے۔ پاسبان نے اپنے اور وزیر کے بھاگنے کا قصد کر لیا۔ مگر اس کی اپنی تیاری کی اطلاع دربار تک پہنچ گئی۔ وہ بھی زنداں میں ڈالا جاتا اگر اس ہزار اشرفی میں سے ایک سو کوتوال کو دے کر صرف موقوفی کی سزا نہ پاتا۔

نیا حارس اس شداد و غلاظ گروہ میں سے تھا جو ابتدا میں سختی دکھلاتے ہیں تاکہ روپے کی آگ سے انہیں نرم کرنیکی کوشش کی جائے۔ پھر خود موم ہو جاتے ہیں۔ اکبر خاں کے پاس کنوئیں میں اتر کر جو زائد کپڑے وغیرہ تھے سب لے گیا۔ اور پیشانی ایسی ترش رکھی کہ کسی بات کا جواب ہی نہ دیتا تھا۔ جب سوکھی روٹی رسی سے باندھ کر نیچے لٹکاتا اور اسے زور سے پھینکتا تو وہ گر پڑتی اور یہ بھی نہ پوچھتا کہ زندانی کس حالت میں ہے۔ اس کے خیال میں یہ سوال وجواب بھی مصیبت

میں تخفیف کا باعث ہوتا اس لئے پوری خاموشی کی ٹھان لی۔ اسے یہ قصے معلوم تھے کہ بڑے آدمیوں کو ایسی خفیف حرکات سے بے حد تکلف ہوتی ہے۔ بخارا کا ایک بادشاہ گرفتار ہوگیا۔ اور اس پر قتل کا حکم صادر ہوا کہنے لگا کہ تلوار کی حاجت نہیں ایک میلی چادر مجھ پر ڈال دی جائے۔ اسی قدر کثافت کی تاب نہ لاکر مرگیا۔ آخر اس نے بغیر رسی کے روٹی پھینکنی شروع کی۔ اکبر خاں نے پھر اسے سمجھایا مگر کوئی تاثیر نہ ہوئی۔ اس نے صرف خدا پر ڈوری چھوڑ دی اور یہ وظیفہ پڑھتا۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ نِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ۔

انہی دنوں میں محمد اکرم خاں بخارا کے سوداگروں سے رخصت ہوکر واپس چلا گیا ہے۔ کیا اس نے اپنے وزیر کو چھوڑ دیا؟ محمود اس کے ساتھ نہیں ہے۔ پہلے بھی وہ گم ہو جاتا تو کہیں سے خبر آتی کہ ایک قلعے کو آگ لگ گئی۔ اس کے بعد وہ بھی دکھائی دینے لگتا۔ اکبر خاں مایوسی میں سوگیا ہے اور نیند کو موت کی بہن کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی آزاد و گرفتار اور متمول و مفلس سب کو یکساں بنا دیتی ہے۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ غزا جاری ہے اور وہ اکیلا کفار کی فوج میں محصور مدد کی امید میں لڑ رہا ہے۔ غازیوں کی بندوقیں دور چل رہی ہیں اور ان کی آواز نزدیک آتی جاتی ہے کہ آنکھ کھل جاتی ہے مگر وہ آواز ابھی آرہی ہے۔ وہ کان ملتا ہے اور آنکھیں بھی تاکہ نیند کا اثر زائل ہو۔ مگر صدا آرہی ہے۔ یکایک کنوئیں کی دیوار سے مٹی گرتی ہے۔ اور ایک سوراخ ہو جاتا ہے۔ چقماق کی رگڑ سے روشنی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی آواز آتی ہے "السلام علیکم۔ سردار صاحب آپ کی والدہ نے بہت بہت سلام کہا اور جلدی آپ کو بلایا ہے۔ اس راہ سے چلئے اور مجھے اپنی جگہ چھوڑ دیجئے اگر نصیب ہوا تو کبھی پہنچ رہونگا ورنہ آپ کے سر کا صدقہ۔"

وزیر: "میں تمہارا مطلب سمجھ گیا کہ میری جگہ حارس کا جواب دو اور ایک دو دن اسے غلطی میں رکھو مگر اس کی ضرورت نہیں کوئی شخص جواب طلب نہیں کرتا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ تمہارے جیسے جاں نثار بہادر کو چھوڑ کر میں نکل جاؤں۔ وقت ضائع کرنا مناسب نہیں۔ چلو ہم دونو نکلیں تاکہ صبح سے پہلے غائب ہو جائیں۔

پاسبان دوسری رات کے بعد گفتگو کا ارادہ کرتا ہے مگر کوئی جواب نہ سنکر نیچے اترتا ہے تو حیرت و غم میں وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے اطلاع کرنے تک فراریوں کو دور نکل جانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس کو تو اسی زنداں میں ڈالدیتے ہیں۔ اور تعاقب میں ترکمانی گھوڑوں کا ایک گلہ روانہ ہو جاتا ہے مگر حارس کی شدت اور خاموشی نے اگرچہ وزیر کو بہت حیران کر رکھا تھا۔ مگر وہی نجات کا باعث ہوئی ۔

خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است
عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

دوسرا اکرم کے نظم و نسق سے جس کے سوار ہر وقت گھوڑے دوڑاتے بلکہ اڑتے پھرتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو اپنے جانوروں

کی چستی و چالاکی دکھا کر خرید پر آمادہ کریں۔ اب افغانوں کی حرکات فوق العادۃ معلوم نہ ہوئیں اور اکبر خاں کے ہمرکاب دریائے آمو کے کنارے پہنچ گئے۔

افواہ فہم کی بیقاعدہ جمع ہے۔ جتنے منہ اتنی ہی بے قیاس باتیں۔ کوئی کہتا کہ وزیر بخارا مع شاہی خزانے کے جس کی کنجیاں اس کے پاس تھیں روس کی طرف بھاگ گیا اور جناب عالی بہت حزیں ہیں مال کے غم سے نہیں بلکہ وزیر کی فرقت سے جسے وہ کبھی بہت چاہتا تھا۔ دوسرا کہتا کہ جناب عالی نے ایک قلندر کو منارے سے گرایا۔ بہاء الدین بلا گردانؒ نے اسے زمین پر گرنے سے اٹھا لیا۔ امیر سخت پریشان ہے اور کہتا ہے کہ میں قلندر ہو جاؤں ع

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یہ افواہیں افغانوں نے بھی بخارا میں سنیں مگر ان کو اصلی واقع کی خبر نہیں تھی جو صرف اکرم کے معتمدوں کو تھی اور ان پر بھی ایک دوسرے کو اس نے مخبر مقرر کر رکھا تھا۔ انسان دل کا تابع ہے۔ جب اس پر کوئی واقعی یا موہومی ٹھیس پڑی تو کینہ داخل ہوتا ہے۔ اور انتقام پر آمادہ کرتا ہے۔ کم ہیں وہ صاحبدل جو رنج و غصے میں عدل کی رعایت کریں۔

اکرم ہر طرف سے حاسدوں معاندوں اور شخصی قومی اور دینی دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ جو شخص کام کرے اور کام بھی جہاد کا اور اس کے ضمن میں تجارت اور سیاست بھی منضم ہو گئی ہو تو لامحالہ مخالفتیں مزاحمتیں اور عداوتیں برانگیختہ ہوتی ہیں۔ انگریز سارے اور کرنیل جوزف خصوصاً اس کی طرف متوجہ تھے اور اس کی نقل و حرکت سے آگاہی حاصل کرتے۔ اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کو تیار تھے۔ ایک رارہ والی کافریوں کے علاوہ باقی قبائل گڈولی پشالی کلمی نیلول آپسمیں متفق ہو کر اس کے مقابلے پر کمربستہ تھے۔ گلجان نے جس کابلی کے مردے کو گذرگاہ کے کتوں کے حوالے کیا تھا۔ اس کا سالا خون کا پیاسا تھا۔ کیونکہ مقتول کی عورت نے اس کی ہڈیاں اٹھا کر اپنے خاندان کے سامنے جا پھینکی تھیں جن میں سے وہ سالا اکرم کے چچازاد بھائی کے ساتھ بخارا میں پھرتا نظر آتا تھا۔ کابل کے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

نبود پسر عمم چرخ پیر آخر	که در پے آزار من همیگردد

یہ چچازاد صرف اس لئے غضبناک تھا کہ کیوں اکرم نے اس قدر شہرت حاصل کر لی ہے۔ حالانکہ یہ سعی بلیغ اور محنت سے ہاتھ آتی ہے ؎

چینِ کدورتے ہست بر جبہہ نگین ہا	تحصیل نامداری بے دردسر نباشد

حساد کا غصہ محسود کی گمنامی سے فرو ہو سکتا ہے اور وہ اس کے اختیار میں نہیں۔ عنقا نے کوشش کی اور وہ زیادہ رسوا ہوا۔ اکرم کے چچازاد نے اس کی مذمت کابل میں امیر دوست محمد خاں کے بھائی سردار مہر دل خاں کے سامنے اتنی کی کہ اس نے یہ شعر پڑھا ؎

شہرہ گشتن بجہان غیر سیاہ روئی نیست   مہرول کاشکہ نامت زنگین برخیزد

اکرم نے اس کے خوف سے جلدی بخارا سے کوچ کیا کیونکہ وہاں بھی اس کی نیک نامی اس کے مزید حسد کا موجب ہوئی اور وہ جنابعالی تک بہتان باندھ کر اس کے قتل کی سازشیں کر رہا تھا۔ چنانچہ کابلی سالے نے پہلے پاسبان کی مخبری کر کے اسے موقوف کروایا تھا۔

آمو کے جانکاہ حادثات

جب وزیر افغان کے فرار کی اطلاع جنابعالی کی سمع مبارک میں موصول ہوئی تو آپ کے غصے کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ازبک کے رحم اور افغان کے غضب کو مساوی بتاتے ہیں۔ ہزاروں اشرفیوں کا انعام مقرر و مشتہر کیا جو وزیر کا سر کاٹ کر لائے۔ الامانوں کو جلد پیچھے دوڑایا۔ الاماں ترکمانوں کے دھاڑوی ہیں۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ جرمنوں کو جو آلماں کہتے ہیں اور وسط ایشیا سے ہی گئے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے یہ طائفہ ہی ان کا منبع و بقیہ ہو۔ یہ لوگ ایسے ہیبت ناک ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ ایرانی سواروں سے خزانہ لوٹ لے گئے تھے۔ حالانکہ یہ دس اور وہ سو تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اتنے تھوڑے آدمیوں کو کیوں نہ پکڑا تو جواب دیا کہ وہ دس اکٹھے تھے اور ہم سوا کیلے۔ پھر ہمارے ایک ہاتھ میں لگام تھی دوسرے میں نیزہ[1]۔ کس ہنر سے ان کو پکڑتے۔ ہم کتے تو تھے نہیں کہ دانتوں سے کاٹتے۔ یہ الاماں سو دو سو میل ایک دم اپنے گھوڑوں کو بھگائے لے جاتے ہیں اور اور راستے میں انہی کی لید کے ساتھ دنبے کی چربی اور کچھ مسالہ ملا کر دئے جاتے ہیں۔

ان سواروں کا گروہ دریائے آمو کے کنارے پر پہنچ گیا تو ان کے تجسس کرتے جو کچھ وقت گذرا اتنے میں بخارا کے سرکاری سوار بھی ان کے ساتھ ملحق ہو گئے۔ اسی اثنا میں وزیر اکبر خاں محمود اور وہ شخص جس کے گھر سے سرنگ لگائی گئی تھی اور اکرم مع اپنے رفقا کے کشتیوں میں بیٹھ کر منجدھار پہنچ گئے تھے کہ پیچھے سے بندوقوں کے فائر ہوئے۔ بیڑیوں کو تیز اور بندوقیں بھی چلاتے جاتے تھے۔ اکرم نے چند آدمیوں کو ہلاک کیا جن میں وہ کابلی سالا بھی تھا۔ اور اکبر خاں کے زخمیوں میں اکرم کا چچازاد بھائی تھا جس نے بلند آواز سے کہا سردار تمھارے ساتھ میری کوئی عداوت نہیں تھی مگر اپنے چچازاد کو زخم کے باوجود بھی نہیں چھوڑونگا یہ کہ کر اس نے گولی چلائی۔ اگرچہ اکرم دیکھ اور سن رہا تھا مگر اپنے دادا کے پوتے کو مارنے پر آمادہ نہ ہو سکا اور خود مجروح ہونا قبول کیا۔ گولیوں سے کشتی بھی چھلنی ہو گئی جس سے باقی سوار تو تیر کر نکل گئے مگر اکرم خون کے زیادہ نکلنے سے اتنا کمزور ہو گیا کہ پانی کے نیچے غائب ہو گیا۔ پر دل اور گلجان گولی کی بوچھاڑ میں تلاش کرنے لگے۔ مگر دریا کا بہاؤ اتنا زوروں پر تھا کہ کچھ پیش نہ گئی۔ جب وہ افغانی کنارے پر پہنچے تو زیادہ مایوسی کے لئے کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں اکرم غرق ہوا تھا مگر مچھوں کا ایک جھنڈ کا جھنڈ وہاں گھوم رہا ہے۔

---

[1] یک دست ما بہ نیزہ یک دست ما بہ قبضہ

وزیر اکبر خاں محمود کا شکریہ ادا کرتے اکرم کی یاد میں آبدیدہ ہوتا تھا اور دعا کرتا با دل ناشاد کابل کی طرف روانہ ہوا۔ مگر پیردل اور چند نو مسلم وہیں ٹھہر جاتے ہیں کہ اگر زندہ کو نہیں تو اکرم کے مردے کو نکال کر اپنے وطن میں لے جائیں گے۔ کافرستان میں ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑی جھیل ہے جہاں یہ لوگ تیرا کرتے اور غوطے لگایا کرتے تھے۔ اب دریا میں یہی کارروائی شروع کی مگر کئی دن کی متواتر کوششوں کے بعد کوئی سراغ نہ چلا۔ آخر پیردل نے اپنے رفقا کو کہا "محمد اکرم خاں کے احسان ہم پر بیشمار ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم مسلمانوں کے برے کاموں کے سبب اسلام کو اپنے کفر سے بتر خیال کرتے تھے بلکہ فخر سے کہتے تھے کہ ہم ابوجہل کی اولاد ہیں۔ اکرم اگرچہ ضروری کاموں میں مصروف تھا پھر بھی ہماری طرف متوجہ ہو کر اس نے ہم کو اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا۔ ہم پہلے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے تھے اب روشنی میں آزاد پھرتے ہیں۔ ہمارے دل جھوٹے توہمات سے جکڑے ہوئے تھے۔ اور کسی طرح ہم کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا تھا۔ اب دنیا کے کاروبار میں بھی خوشی سے مشغول ہو سکتے ہیں۔ اور آخرت کی طرف سے خاطر جمع ہیں۔ اگر اب موت آئیگی تو ہم کو پرواہ نہیں ہوگی۔ یہ سب تغیر اکرم کے طفیل ہم کو نصیب ہوا۔ اس لئے میں جب تک اس کا پتہ نہ لگاؤں۔ واپس نہیں جا سکتا۔ تم کو اختیار ہے۔" اس کے ہمراہیوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس کا ہم خیال نہ ہو لہذا سب متفقاً جستجو میں لگے رہے۔

ایک دن دریا کی دوسری جانب نکل جاتے ہیں جہاں ایک قافلہ مقیم ہے۔ گھوڑے اونٹ خچر وغیرہ بہت ہیں مگر زیادہ سوار قیمتی لباس پہنے ایسے گھوڑوں پر چکر لگا رہے ہیں جو چاندی اور سونے کے ساز و یراق سے آراستہ ہیں۔ ایک سرسبز ٹیلے پر خرگاہ ہے جو گول خیمے کی شکل میں گنبد کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ جس کی نوک بھی زر و سیم سے مرصع ہے۔ ریشمی جھالریں جنکے سروں پر سچے موتی پروئے ہوئے ہیں چاروں طرف لٹک رہی ہیں۔ اس کے باہر ایک سردار جو ترکمان معلوم ہوتا ہے گھوڑے پر گھوم رہا ہے اور باقی سوار اس کی رکاب میں مودبانہ پھر رہے ہیں۔ پیردل دور سے ان کی طرف دیکھتا اور اکرم کو ان کے درمیان ڈھونڈتا ہے کہ نزدیک سے عورتوں کا ایک گروہ نظر آتا ہے جو زیوروں سے لدی ہوئی پروانہ وار ایک جوان لڑکی کے گرد چہل قدمی کر رہی ہیں بلکہ بعض مستی میں خرام کر رہی ہیں۔ پیردل اپنے شغف میں یہی گمان کر رہا ہے کہ انہوں نے اکرم کو چھپا رکھا ہوگا۔ اتنے میں ایک عورت اس کی طرف آتی ہے اور پیغام لاتی ہے کہ جس چیز کی تلاش میں ہو وہ موجود ہے آؤ تمہیں دلائیں۔ پیردل خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور اس کے ساتھ ہو لیتا ہے مگر عورتوں کے پاس پہنچکر حیا سے آنکھیں نیچے کر لیتا ہے۔ بیگم رونے لگتی ہے تو کہتا ہے کہ تم نے اس کو نہیں مارا وہ بیچارہ ڈوب گیا اس کی نعش غنیمت ہے۔

بیگم "کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ کیا باتیں کر رہے ہیں؟ ذرا میری طرف تو دیکھو۔"

پیردل "مسلمان غیر عورتوں کی طرف نہیں دیکھا کرتے۔"

بیگم "میں اپنا شجرہ سناتی ہوں۔ پیریگ ولد شنگن ولد تومی ولد کل ولد شتی ولد بنٹ ولد بستل ولد شاندرو ولد

ورگین ولد لیسی ولد ورگل ولد الو ولد گوٹ ولد وتگنے ولد مسرو ولد کچک ولد وتگنی ولد وتریکل ولد وتراچو ولد ویر ولد ایدی ورد ولد ودو ولد لمی ولد شلمسویٹ ولد لمی ولد رگدی براک"۔

پردل نے جب شجرہ اس حد تک سنا جہاں سب کافرستانی جا ملتے ہیں تو بے اختیار بیگم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "رینا آن میں اکرم کے فکر میں اتنا غرق تھا کہ تجھے بھول گیا۔ کہو مسلمان ہو؟"

بیگم "الحمدللہ علی دین الاسلام۔ آپ بھی اگر مسلمان ہیں جیسا کہ ظاہر تو ہوتا ہے تو فرمائیے۔"

پردل۔ شکر ہے۔

بیگم اس کے پاؤں پر گر پڑتی ہے اور وہ اسے اٹھا کر اس کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس کا حال دریافت کرتا ہے۔

بیگم "پہلے اے والد بزرگوار میری ماں بھائیوں اور بہنوں کی خیریت بتائیے۔"

پردل "سب راضی ہیں اپنا ماجرا سناؤ۔"

بیگم "آپ کو یاد ہوگا کہ بکریاں چرانے گئی تھی۔ ایک چھیلا پہاڑ کی دوسری طرف چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہولی۔ تو فلاں کافری بھی میری مدد کو آگیا اور مجھے غلط بتا کر کہ اس طرف گیا ہے کہیں دور لے پہنچا۔ جب ہم اکیلے ہوئے تو اس نے مجھے اپنے کندھے پر زور سے ڈال کر بھاگنا شروع کیا۔ اسی طرح مارتے دوڑاتے آخر مجھے توست میں لے جا کر ایک سوداگر کے پاس بیچ ڈالا۔"

پردل "اس واقعے کو دس سال گذر گئے۔ اس ظالم کافری نے اس ستم کا اقرار میرے پاس اسوقت کیا جب وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس لئے میں نے انتقام روا نہ رکھا۔ مگر منتقم حقیقی نے اسی لڑائی میں جو اکرم کے تلف ہونے کا باعث ہوئی اس کے چچازاد بھائی کے ہاتھوں اسے شہید کیا شہید اس لئے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور بے خبرانہ تیرے مسلمان ہونے کا موجب ہوا تھا۔ اب اکرم کے چچازاد سے اس کا بدلہ بھی لونگا۔"

بیگم "میرے پیارے تا (باپ) پھر اس سوداگر نے مجھے میر بدخشاں کے پاس فروخت کیا۔ اس کے حرمسرائے میں میں نے اسلامی آداب سیکھے۔ دو تین سال تو میں ہر طرف پھرتی رہی۔ مگر بلوغ کے نزدیک میر کی بیوی نے مجھے ایک جدا گھر میں قید کر دیا اور تنبیہ کر دی کہ اگر زبان ہلائی تو مروا دونگی۔ ایک مدت کے بعد کسی ترکمان سردار نے چند لونڈیاں میر کی نذر کیں۔ ایک ان میں پسند آگئی تو پہلی نے سیاہ بخت ہو کر اللہ مجھے رہا کر دیا۔ میر کے نوکروں نے میرا نام ان لونڈیوں کی فہرست میں درج کر دیا۔ جو ترکمانوں کے خان کے پاس بھیجی جا رہی تھیں۔ کچھ مہینوں کے بعد جیسا وہ خود کہتا ہے میری صورت و سیرت سے رضامند ہو کر تمام گھربار کا انتظام و اختیار میرے سپرد کر دیا۔ اب میرے ایک بیٹا بھی ہے۔ جو بہت نفیس بچہ ہے۔ اور خان خود بہت شریف شخص ہے۔ مگر حمیت عجیب طرح کی دکھاتا ہے۔ جس سے مجھے خوف آتا ہے۔ دو تین روز ہوئے کہ کسی ایسے

کام میں مصروف ہے جس کی اطلاع مجھے نہیں۔

بیگم نے جس کا اسلامی نام اب ریحان ہے ایک قاصد کے ذریعے اپنے باپ کی ملاقات کا حال فی الحال سردار کو پہنچایا تاکہ فرصت کے وقت ملنے کی اجازت دیں۔ ابھی ترکستان میں چائے کا رواج صرف دولتمندوں تک محدود تھا اور عوام میں اس کی وہ کثرت نہیں ہوئی تھی۔ جس کے سبب وہ اب ساری عمر پانی مطلق نہیں پیتے۔ اور حرارت غریزی کو عارضی گرمی پیدا کرکے اتنا زائل کر چکے ہیں کہ علاوہ اخلاقی کمزوریوں کے ان کے زوال کا ایک باعث چائے کا پیدا کیا ہوا ضعف ہے۔ جس سے جلدی تھک جاتے ہیں اور سردی کی شدت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ جب پردل، چائے سے فارغ ہوا۔ تو سردار نے اسے بلایا۔ کئی خیموں اور خرگاہوں سے گذر کر ابھی سردار کے پاس نہ پہنچا تھا کہ ایک طرف سے آواز آئی۔ "او کافر! یہاں کیسے آپہنچے۔ فقط فتح خاں کے کرمی بن گئے[1]

پردل لوٹ کر دیکھتا ہے کہ اکرم کا چچا زاد گاؤتکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اکرم کا زخم۔ نومسلم کا قتل اور دعوےٰ جو ابھی اپنی بیٹی کے سامنے کرکے آیا تھا ایک لحظہ میں تازہ ہوگیا۔ کافر کے خطاب نے اس کو سب سے زیادہ درد پہنچایا۔ فوراً تلوار نکال کر اس کے کندھے پر ایسا وار کیا کہ ساتھ ہی دم نکل گیا۔ ایسی سخت چیخ کے ساتھ کہ اس کی تیز صدا سے آس پاس کے لوگ سب جمع ہوگئے۔ ان میں ایک بیمار آدمی بھی لڑکھڑاتا سب کے آگے مقتول کے پاس آبیٹھا۔ پردل نے مدہوشی میں نعرہ لگایا "خدایا شکر۔ محمد اکرم خاں کیا میں آپ ہی کو دیکھ رہا ہوں؟"

اکرم "تم نے غضب ڈھا دیا۔ صلہ رحمی نے ابھی تمہارے وجود میں پوری سرایت نہیں کی تھی جو اس کی خطاؤں سے درگذر کرتے لئن بسطت الی یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك۔ اگر سرکش بھائی قتل کرنے کو ہاتھ بڑھائے تو مسلم بھائی اس کے قتل کرنے کو ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ میں بیمار تھا مگر اس کی تیمارداری میں راتوں جاگتا تھا اسی لئے میرے بدن میں توانائی اور زبان میں گویائی کم ہے۔"

ترکمان سردار نے اس حادثے سے آگاہ ہوکر سب کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگا۔ اے کافرستانی میرا ارادہ تھا کہ تجھے اپنا سسر سمجھکر احترام سے رکھوں مگر اس نامناسب اور بے جا حرکت نے نہ صرف مجھے تجھ سے بلکہ تیری بیٹی سے بیزار کردیا ہے۔ جس شخص کو تو نے مار دیا ہے وہ امیر بخارا کا خاص نوکر تھا اور میرا جناب العالی کے ساتھ رابطۂ اتحاد ہے۔ دوسرا وہ زخمی ہوکر میرے پاس بطور مہمان کے مقیم ہوا تھا اور میزبان پر اس سے بڑھ کر ملامت کا بوجھ نہیں پڑسکتا کہ اس کا مہمان ہلاک کیا جائے۔ ایسی بدتمیزی جو تجھ سے ظاہر ہوئی اسکا خمیازہ تمہاری بیٹی کو بھی بھگتنا پڑیگا۔ کیونکہ کسی آئندہ موقعے پر ممکن

---

[1] احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہندوستان کی فتح میں ایک فتح خاں نامی سردار تھا جس کا مطرب کرمی تھا۔ اور وہ بھی بہادری سے لڑتا تھا۔ پشتو میں ان کی مشہور نظم ہے۔

ہے اس سے بھی کوئی ایسا بیہودہ فعل سرزد ہو لہٰذا وہ ہماری حرم اور محرمیت کے لائق نہیں۔"
خان نے ابھی کلام ختم نہیں کی تھی کہ نوکروں نے دوڑ کر اس عورت کو جو پہلے "سفید بخت" تھی اور ریحان کے آنے پر پس پشت ڈالی گئی تھی۔ مبارک باد دی کہ تمہارے مکرو حیلے سے وہ محروم نہ ہوئی۔ اپنے باپ کے کردار سے برباد ہوئی۔ خان غصے سے کانپ رہا تھا۔ جب ذرا بات کرتے رکا تو اکرم نے معذرت پیش کی "آپ کی عنایات بے غایت مجھے جرأت دلاتی ہیں کہ حقیقت عرض کروں۔ مقتول میرا چچازاد بھائی ہے اور میں نے آپ سے چھپائے رکھا کہ جس زخم نے مجھے دریا میں گرایا وہ اسی کے ہاتھ سے کھایا تھا۔ میرے قتل کے لئے جس کا محرک صرف حسد تھا وہ بخار آگیا تھا باوجود اس کے میں نے اس کی خدمت کی مگر اس کے دل سے کدورت نہ گئی۔ قاتل نے اس کی گولی سے اپنے ایک عزیز نومسلم کو قتل ہوتے دیکھا تھا یہ مجرم قصوروار ہے مگر سچا مسلمان ہے اس کو جب کافر کہکے بلایا تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور مشتعل ہو کر یہ حرکت کر بیٹھا۔ وہ کافرستان کے وحشی علاقے سے ابھی آیا ہے اور آپ کی ولایت کی روش سے بیخبر ہے اس لئے عفو کا مستحق ہو سکتا ہے۔"
سردار کچھ نرم ہوا اور نہ معلوم نہیں کتنوں کا خون بہا دیتا پھر بھی حکم دیا کہ باپ بیٹی اور اس کے بچے کو بھی دریا سے پار کر دیں کیونکہ میں اس لڑکے کو بھی پسند نہیں کر سکتا جو ایسی وحشی قوم کے بطن میں رہا ہو۔ اکرم نے پھر جسارت کی کہ آپ کا فرزند خاص کی تربیت کا محتاج ہے۔ باپ کے سائے تلے پرورش پائے تو بہتر ہے۔ اس سفارش نے اثر کیا کہ خان نے سفر کے لئے کافی زرِ نقد دیا اور اکرم کو اس کی سرپرستی پر مقرر کر کے کچھ غلام اور لونڈیاں بھی ساتھ بھیجیں۔ اس پر اکرم پر دل اور اس کی بیٹی نے بھی ممنونیت کا اظہار کیا مگر دل میں سب خوش تھے کہ ایسے خود سر سردار سے بہرحال جدائی غنیمت تھی۔ خصوصاً ریحان تو فرحاں تھی کہ عجیب وسیلہ وطن کی مراجعت کا ہاتھ آیا اور لخت جگر بھی جدا نہ ہوا۔ اس کی اب کلی توجہ یہ تھی کہ جلدی دریا سے عبور کر جائے۔ کیونکہ ہر وقت لرز اٹھتی تھی اس خیال سے کہ اب سردار کا حکم آتا ہے کہ بچے کو واپس کر دو۔ خود اکرم بھی اس اندیشے سے متفکر تھا اس لئے جلدی منزلیں طے کرتے کافرستان پہنچ گئے۔ کیونکہ دوسرے راستے انگریزوں کی لڑائی کے سبب مخدوش تھے۔ جب ریحان اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کر چکی تو سردار کا حکم پہنچا کہ تمہارا قصور معاف ہوا مع اپنے فرزند کے واپس آجاؤ۔ مگر اپنے والد کو ہمراہ مت لاؤ۔ وہ خود کب جانا چاہتا تھا۔
اکرم نے جو پر دل کی وفاداری پر بہت مسرور و متشکر تھا۔ اپنی حکایت اس کے سامنے بیان کی "کشتی کے غرق ہونے پر میں تھوڑی دیر تیرا مگر خون اسقدر جا چکا تھا کہ تیرنے سے ضعف بلکہ بیہوشی طاری ہوگئی۔ جب کچھ ہوش آیا تو معلوم ہوا گویا کوئی جانور مجھے منہ میں پکڑے لئے جاتا ہے یہ بھی احساس ہوا کہ وہ کسی اور جانور سے لڑتا بھڑتا بھی ہے۔ اس کشمکش میں خدا جانے کتنی دیر لگی۔ جن لوگوں نے مجھے دریا کے کنارے کی ریت پر سے مردہ سمجھ کر اٹھایا۔ انہوں نے مگرمچھوں کے لڑنے کے بہت سے نشان دیکھے تھے۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ ان کے باہم میری خاطر لڑنے جھگڑنے سے میری زندگی کا سامان

مہیا ہوا۔ ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین ۔ پروردگارا تونے دو بار مجھ کو مارا اور دو بار زندہ فرمایا۔ ترکمان سردار نے جو نزدیک خیمہ زن تھا بندوقوں کی آواز سنکر اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا۔ چونکہ ہم مختلف مقامات سے کشتیوں پر سوار ہوئے تھے اور بخارا کے سپاہی بھی پھیل گئے تھے اس لئے مقابلہ وسیع محاذ پر ہوا اور زخمی بھی دور دور پڑے پائے گئے۔ ان کی تلاش میں پھرتے سردار کے نوکروں نے میرے پیچھے کے بیٹے کو پایا جسے بخارائی چھوڑ گئے تھے اور مجھے بھی مردہ سمجھ کر دفن کرنے کو لائے کہ حرکت پیدا ہونے پر سردار نے خاص تاکید سے ہماری خبرگیری کی اور خود بھی دارو میں کوشش کرتا رہا۔ الخیر فیما وقع ۔ اگر اس ہلاکت کے گرداب میں نہ پڑتا تو تم بھی اپنی بیٹی سے ملاقی نہ ہوسکتے۔ میرے چچیرے بھائی کو نہ مارتے تو تمہاری بیٹی اپنے عزیزوں کو نہ دیکھ سکتی۔ تمہاری محبت وغیرت کا یہ اچھا انجام ہوا۔

مجلس استالف

استالف کابل کے شمال میں کوہ دامن کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ وہ آگ جو غازیوں اور انگریزوں کی توپوں اور بندوقوں سے بھڑک رہی تھی اب گل ہوگئی ہے انار کے درختوں کے تختوں سے زمین زینہ بزینہ زینت پا رہی ہے۔ ان کے پھول نزدیک سے آتش کے شرارے معلوم ہوتے ہیں جو ہرے بھرے پتوں کے درمیان چمک دمک کر رہے ہیں کہ تازہ لکڑی سوکھ کر تو انگار بنتی ہے مگر سبز ٹہنیوں سے بھی شعلہ نکل سکتا ہے (من الشجرۃ الاخضر نارًا) دور سے یا بلندی سے جہاں اب محمد امین خاں کا تخت واقع ہے۔ اناروں کے باغ میں زمردین قالینیں بچھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ جن میں سرخ پھول کاڑھے ہوں۔ (فرش بطائنہا من استبرق) آبادی سے پرے پتھر دھرے ہیں اور افغانوں کی ضرب المثل کا مصداق ہیں جو بہار میں پھول اپنی پگڑیوں پر گاڑ کر کہتے ہیں کہ ہم کیوں آراستہ نہ ہوں۔ جب پتھروں پر سے بھی پھول پھوٹ نکلے ہیں (من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ) خودرو گل لالہ کی مختلف اقسام ان عظیم الجثہ پتھروں سے سر نکال رہی ہیں جو میلوں تک میدانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سب جگر خونی کے سامان ہیں۔ کیونکہ پھولوں کی سرخی شہیدوں کے لہو کی یاد کو تازہ کرتی ہے جو کثرت سے ٹپکا تھا۔ جب افق پر اثر ہو تو زمین سے کیوں ہمرنگ پھول نہ کھلائے ؎

شفق بن کے گردوں پہ ہوتا ہے ظاہر
یہ کس کشتۂ بے گناہ کا لہو ہے

فن نباتات نے ابھی اس مسئلے کی طرف رجوع نہیں کیا کہ برف ڈھلتے ہی سب سے پہلے گل لالہ اور سرخ پھول کھلتے ہیں گویا خزاں کی زردی خون کے فقدان سے ہوئی تھی اور چند مہینوں کے بعد دفعتہً عود کر کے وہ سرخ پھولوں کی شکل میں نمودار ہوا ہے

اس کے بعد ان درختوں کا شگوفہ نکلتا ہے جس میں سرخی غالب ہو جیسے بادام اور آڑو۔ گھٹتے گھٹتے یہ سرخی گلابی اور آسمانی رنگ اختیار کر لیتی ہے چنانچہ درختوں کے علاوہ زمین سے بھی وہی پھول نکلتے ہیں جو کاسنی نیلگونی رکھتے ہوں سیبوں اور خرمانیوں کے گلابی شگوفے ہلکے رنگ والے درختوں کو جانشین بناتے ہیں اور آخر ناکھوں کی نوبت آتی ہے جو سفید پھولوں سے لد جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ کامل سفید ہوتے ہیں مگر ان میں بھی اگر کوئی کسر باقی ہو تو بھی نکال دیتی ہے جس کے پھول ناکھ سے بھی بڑھ کر سفید ہوتے ہیں ایک اور جنگلی درخت ہوولانہ ہی کے بعد کھلتا ہے کیونکہ اس کے پھولوں میں اور بھی پوری سفیدی ہوتی ہے۔ اب رنگوں کی آرائش پھولوں سے گذر کر پھلوں کی غذائیت و لذت میں آجاتی ہے۔ زینت کے جواز کے ساتھ رزق کے طیبات کا بھی ذکر ہے۔ نباتی اور دینی مبحث سے ناظرین کہیں اکتا نہ جائیں اس لئے استالف کی طرف لوٹتے ہیں جہاں گل لالہ افغانوں کو زبان لال و حال سے پکار رہا ہے کہ میں تاجدار ہوں اور تم بے سر ہو البتہ میرے سینے میں تمھاری ہمدردی کے سبب داغ ہے اور وہ دوست (محمد) کے فراق کی وجہ سے ہے۔

بید کے درخت جھوم رہے ہیں خوشی سے نہیں بلکہ ان کے اندام میں لرزہ پڑ رہا ہے وہ باد مخالف کے جھونکوں کو اپنی کمزوری کے سبب سہ نہیں سکتے ورنہ چنار کیوں محکم و استوار کھڑا ہے۔ یہ دو نو قسم کے درخت سڑکوں اور نہروں کے کناروں پر قطاروں میں کھڑے اشارت کر رہے ہیں کہ پستی و محکومیت کو ہمیشہ خوف و بیم ہے اور مضبوطی و عالی ہمتی کو سربلندی و اطمینان حاصل ہے۔ چاروں طرف ہرے ہرے پتے لہلہا رہے ہیں اور طبعاً ان سے آکسیجن کا طوفان نکل رہا ہے جو دریا کے نزدیک اسی مفرح گیس سے اور طغیانی پر آجاتا ہے کیونکہ وہ سرتوڑ تندی و تیزی سے پتھروں سے ٹکراتا نیچے کی طرف بہ رہا ہے۔ طبع میں فرحت کے علاوہ ہیجان پیدا ہوتا ہے۔

اکرم اس نظارے کی سیر کر رہا ہے۔ دریا کے کنارے پھول زیادہ ہیں ؎

پانی کو چھو رہی ہے جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

اپنا منہ دیکھ کر پھول مست و مغرور ہو جاتے ہیں ؎

آں پری از حسن خود آگاہ شد
گردنِ آئینہ سازاں بشکند

اکرم اس عشوے کے شیوے سے مستغنا ہونے پر استثنا پڑھتا ہے اس شخصی نعمت کے حصول کا شکرانہ یہ جانتا ہے کہ قوم کے ساتھ مل کر جس چیز کے فراق میں وہ نالاں ہے یہ بھی اشک بہائے۔ نرگسوں کے تختے کی طرف اس کی نظر پڑتے ہی خیال آتا ہے کہ شہدا کی آنکھیں بھی زمین سے نکل کر کسی کے انتظار میں پتھرا گئی ہیں جو ملت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو پھر گلدستہ بنا دے ؎

بیش کہ برم شکوہ از آں نرگس کافر
بیچارہ شہیدے زِ دمِ تیغِ فرنگے

اسی کے لئے ثمینہ سرگرداں ہے ملکی آرزو کے ساتھ پھر ذاتی تمنا آتی ہے اور اپنی محبوبہ کو خطاب کرتا ہے ؂

قلم و دوات و کاغذ ہمہ جمع کردہ نرگس
کہ بہ پیشِ چشم مستت خطِ بندگی نویسد

ثمینہ کے ساتھ ہندوستان کا نقشہ کھنچ جاتا ہے کہ اب افغانستان بھی اس کے ساتھ ملحق ہوجائیگا۔ یہ کوہ دامن ہمارا نہیں ہوگا۔ یہ پھول اور پھل اوروں کے قبضے میں ہونگے اور ہم صرف کاشتکاروں کی حیثیت میں رہ جائینگے۔ اگر کشمیر ہمارے تصرف میں نہ رہا اسے تو اپنا خون بہا کر نہیں چھوڑینگے۔ کشمیر نہیں ہمارا ملک جنت نظیر ہے۔ غنیمت کہتا ہے ؂

چہ پنجاب انتخاب ہفت کشور
ز شوق آنکہ تا آید بہ پنجاب
دلِ کشمیر صد رہ میشود آب

یہ پنجاب بھی تو ہمارا مقبوضہ تھا اور اب اپنا وطن غیر کے ہاتھ میں ہے اور کابل میں میگناٹن بادشاہی کرتا ہے کہیں ہمیں اس کی سزا تو نہیں ملی کہ دوسروں کے ممالک پر قبضہ کیا تھا؟ ثمینہ کا آدھا خواب تو سچا نکلا کہ چاند بخارا سے نکل آیا۔ باقی حصہ بھی صحیح ہوگا جو ہندوستان سے سورج چڑھیگا۔

ان خیالات کے سلسلے میں اکرم کی نگاہ سورج مکھیوں پر پڑی جو کہیں کہیں کھلنی شروع ہوگئی ہیں ان کو آفتاب پرست کہتے ہیں۔ کیا یہ سورج کو پوجتی ہیں؟ نہیں ہمارا بادشاہ بھی تو سورج کی منزلت رکھتا ہے حالانکہ ہم اس کی پرستش نہیں کرتے۔ جاپانی اپنے میکاڈو کو اسی نیر اعظم کی اولاد سمجھتے ہیں مگر ان میں اور ہم میں بہت فرق ہے ان کے بادشاہوں کا شجرہ جب تک تاریخ گواہی دیتی ہے قدیم سے قائم ہے جیسے سورج ہمیشہ سے چمکتا ہے اس لئے انھوں نے اپنے شاہی خاندان کو خورشید سے تشبیہ دی اور عوام نے مجاز کو حقیقت سمجھ لیا۔ ہمارے یہاں تو آئے دن نئے سورج چڑھتے ہیں۔ کل سدوزئی بادشاہ تھے اور اب محمدزئی۔ اسی لئے ہمارے بزرگ شاعر رحمٰن نے کہا ہے کہ یہ سورج جسے ہم دیکھتے ہیں ہر روز اور ہوتا ہے۔ کائنات کے غیر متناہی نظام میں ممکن ہے ایسا ہی ہو جاپان عرقِ اصغر میں سے ہے اور احتمال ہے کہ سورج کی زردی کی وجہ سے انکا شاہی نسب اس کے ساتھ منسوب کیا گیا ہو مگر نرگس کا بھی تو یہی رنگ ہے۔ اگر اس کی خوشبو سورج مکھی میں ہوتی تو عطر فروش کساد بازاری سے کسی اور پیشے کو اختیار کر لیتے۔ کیونکہ سورج مکھی کے ایک پودے سے سارا شہر مہک اٹھتا۔ پشتو میں سورج مکھی کو کافر گل کہتے ہیں۔ کیونکہ محاورے میں بُرے کو بڑے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے زشت شہ (برا اچھا یعنی بڑا اچھا) ؂

دکافر گل پہ شان کا بزہ سوے   چہ ایسمبزے روز بہ نیمہ تیرژی نہ

(سورج مکھی کی مانند اب ٹیڑھے ہو گئے ہو۔ سیدھے ہوئے تو آدھا دن گذر رہیگا) اکرم شاعر کی داد دیتا تھا کہ اس نے مردانہ غیرت سے بتِ کافر کو عاشق کا عابد قرار دیا۔

جب اکرم اس جگہ پہنچا جہاں مجلس منعقد ہونے کو تھی تو دیکھا کہ ابھی کوئی شخص نہیں آیا صرف ایک طرف گلجان بیٹھا سازوں کے بادشاہ رباب کو لئے بجا رہا ہے مگر زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ سامنے سے وزیر اکبر خاں آتا دکھائی دیا۔ اکرم نے استقبال کیا تو وزیر نے فرمایا "بہادر نوجوان ملک قوم اور یہ خادم سب تمھارے ممنون ہیں اور اب بھی اچھے کاموں میں تمھاری سبقت جاری ہے۔"

اکرم :- "سردار صاحب کی ذرہ پروری ہے ورنہ میں تو اپنا فرض بھی بخوبی ادا نہیں کر سکتا۔"

اب مختلف راستوں سے لوگ بھی آنے شروع ہو گئے۔ محمود اور پردل کو تو ہم پہچانتے ہیں اکرم کے ماموں کا حال یاد ہے باقی اشخاص جبار خیل وردک کوہستان قزلباشیہ اور برکی کے خوانین ہیں ان میں سے ایک علیحدہ گلجان کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا ہے۔ قطع وضع سے کابل کے بانکے جوانوں کا نمونہ ہے۔ جنھیں وہ کاکہ[1] کہتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی امتیاز ہوگا جس کے لئے وزیر اور دوسرے اصحاب اس کا لحاظ بہت کرتے ہیں آئیے ان کے مکالمے سے پتہ چلائیں کہ یہ کون ہے۔

کاکہ:- "اگر میرے اس ٹیرتے میدان نہ جیتا تو واللہ سیلاوے کو میان سے نہیں نکالونگا۔ میرے ہاتھ سے جست کرکے اس نے پہلے اصیل مرغ کی کلغی کو پکڑ لیا اور پیہم تین لاتیں ماریں۔ مرغ بھی مست تھا۔ اس نے پروانہ کی وہ بھی رستم سے کم نہیں۔ جب لڑائی میں میری بندوق کی آواز سنتا تو بانگ دیتا اور میں بھی اس کی آواز کو پہچانتا۔"

گلجان:- "چھوڑ سردار بڑی بڑی باتیں نہ بنا۔ میں اور تو آخر کابل میں پیدا ہوئے اور پلے۔ تیرا کونسا بٹیر تھا جسے میں نے نہ جیتا۔ کون کبوتر تھا جسے نہ پکڑا۔ کوتر تیرا مرغ میرے جانوروں کے سامنے ٹھیرا۔ میرے سیاہ لاکھے کی چونچ اور تمھارے پیلے کی لات!"

کاکہ:- "تو نے میری باتوں کو سچ نہ جانا۔ تو بخارا میں تھا۔ میں نے جس گورے یا کافر کو مارا اس کے خون کے قطرے بوتل میں لئے اور دانہ اس میں ملا کر مرغوں کو دیا پھر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہاتھی پر حملہ کرتے ہیں۔"

خان قزلباش:- "آپ کے کلام میں شکرا سنئے وزیر صاحب کچھ فرماتے ہیں۔"

اکبر خاں:- "یہ بھی تو لڑائی کی باتیں کر رہے تھے۔"

خان قزلباش:- "آپ کے منہ پر گلاب! کافروں کا خون آپ کا عزیز مرغوں کو کھلاتا پلاتا ہے۔"

---

[1] کاکا۔ چچا۔ کاک۔ گنڈا۔ ہندوستان میں چونکہ اخیر کے الف اور ہ میں تلفظ کے وقت تمیز نہیں کی جاتی۔ اس لئے کبھی چچا کی بجائے ایک معمر شخص کو گالی پڑ جاتی ہے۔

دزیر محبت کی آمیزش سے ہنسا اور کاکہ صاحب کا حسب و نسب معلوم ہوگیا۔ سب ایک علیحدہ اور خفیہ مقام پر جو اکرم نے منتخب کی تھی بیٹھ گئے۔ خان جبار خیل نے کہا" ہم اس دورنگی کی وضع سے تنگ آگئے ہیں۔ کب تک فرنگی کے ساتھ ظاہرہ اتحاد رکھیں اور دل میں کینے کی پرورش کریں۔ اگر ہم خود نہ لڑیں گے تو قوم ہم کو ملحق با کفار سمجھ کر خود لڑائی چھیڑ دے گی اور ہم منہ تکتے رہیں گے۔

اکبر خاں:" خانصاحب۔ یہی حال میرا اور سب مسلمانوں کا ہے پھر بھی صبر درکار ہے تاکہ تدبیر سے کام لیا جائے۔"

گل جان:" لاٹ کا خان سامان مسلمان ہے اور "چاندی" مسلمان ہے۔ فرنگی کے لئے جو بٹیر کھانے کو خریدتا ہے ان میں سے جو داغی نہ ہو وہ میرے لئے لاتا ہے۔۔۔۔"

سردار کاکہ:" ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد۔"

گل جان:" میں نے "اللہ" کہا، "بخش" تو کہ لینے دے۔ بٹیروں کی تمیز سے معلوم ہوتا ہے کہ خان سامان باریک فکر رکھتا ہے کل ایک سرخ بٹیر لایا اور کہنے لگا کہ یہ تو بہانہ ہے ایک ضروری بات لایا ہوں وہ یہ کہ انگریز آپ لوگوں پر اعتماد نہیں رکھتے بلکہ اس فکر میں ہیں کہ تمھارے سرداروں اور خوانین کے درمیان باہم نفاق اور نزاع ڈالیں۔ سنیوں شیعوں درانیوں غلزائیوں افغانوں اور تاجیکوں کو ایک دوسرے سے بدظن کریں۔ پوری باتیں تو میں سن نہیں سکا مگر یہ میرے کان میں پڑی کہ خان برکی کے ساتھ ان کو بہت عداوت ہے۔

خان برکی:" یہ شکر کا مقام ہے۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے عزت و مفخرت اور کیا ہو سکتی ہے میں لڑائی کو پسند کرتا ہوں مگر خودکشی نہیں۔ جیسے پشتو کی مثل ہے میرہ ہغہ دے چہ دبل مور لورہ کڑہ ۔ مرد وہ ہے جو دوسرے کی ماں کو بے فرزند بنائے اس لئے تدبیر لازم ہے وہ یہ ہے کہ سردار انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کریں اس شرط پر کہ ملک ہمارے حوالے کریں اور امیر کو ہمارے پاس بھیج دیں۔"

خان جبار خیل:" میں تو لڑنا چاہتا ہوں مگر سب آپ کی تجویز کے ساتھ متفق ہو جائیں تو میں بھی اس کاکڑ افغان کی تقلید کرتا ہوں جو چھت پر سے گرا لوگوں نے پوچھا کہ کہاں چوٹ آئی؟ کہنے لگا جہاں عزیزوں کی رائے ہو۔"

خان کوہستان:" عہدناموں سے کچھ نہیں ہوگا۔ لاٹ کو باہر لاؤ۔ بات چیت کرو اور مار ڈالو کہ کیوں دوسرے کے گھر میں بے اجازت آئے۔ جیسا آگ لینے کو آکر کوئی مالک بن بیٹھے۔"

اکبر خاں:" میرے دل کی تو یہی بات ہے کہ جب تک ہم غاصبوں کو زور سے نہ نکالیں گے وہ نہ نکلیں گے مگر پہلے قوت کا مظاہرہ لازم ہے۔ ہر طرف سے غازی جمع ہوں تاکہ انگریز ڈر کر معاہدے پر مائل ہوں پھر میں سمجھ لونگا۔ ممکن ہے لڑائی اور کشت وخون کے بغیر ہی مدعا حاصل ہو جائے اور ہمارا ملک ہمارے ہاتھ آجائے۔"

خان وردک "ہمارے بادشاہ کو قید کر رکھا ہے ہمکو رعیت بنایا۔ اس ذلت سے مرگ بہتر ہے۔ میری قوم تو کٹ مرے گی جب تک کہ آزاد نہ ہو جائے ہم "سادہ پٹھان" ہیں۔ تلوار کے زور سے خود مختار ہوں گے"۔

جب بعض ارکان مجلس نے لڑائی پر زور دیا تو اکرم کو یہ جواب دینا پڑا۔ "قتال کو خدعہ کہا گیا ہے۔ شجاعت یہ ہے کہ دشمن کو موقع و فرصت پا کر شکست دی جائے اور اپنی حفاظت بھی ملحوظ ہو۔ اما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء۔ اگر کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو ان کے مساوی کام لیا جائے۔ جیسا انگریزوں نے حیلہ و تزویر برتا ہے۔ ہم بھی ان کے برابر مکر و فریب دکھائینگے فقاتلوا ائمۃ الکفر۔ کفر کے پیشواؤں کو قتل کرو۔ پس باقی فوج خود بھاگ جائے گی۔ فشرد بھم من خلفھم۔ انگریزوں کے افسروں کو مقتول اور گرفتار کر کے ہم اپنا مدعائے مقدس حاصل کر سکیں گے۔ کیونکہ انھوں نے ہی ہمارے گھر بار پر تسلط جمانے کی تدبیر کی ہے۔ ان کی سزا خود دوسروں کے لئے جو کابل اور جلال آباد وغیرہ میں ہے عبرت ہوگی اور وہ مرعوب ہو کر ہمارا ملک خالی کر دیں گے۔ ہم بھی انھی کی مانند تدبیر سے کام لے کر دنیا کو دکھا دینگے کہ افغان شجاعت میں تو شہرت رکھتے ہیں حیلہ حرب میں بھی کسی دشمن سے پیچھے نہیں ہیں ؎

بشمشیرے یکے تا صد میتواں کشت
بہ رائے لشکرے را بشکنی پشت

اس مجلس میں صرف یہی طے پایا کہ انگریزوں کے ساتھ گفتگو کے بعد اگر معاہدے کی صورت نظر آئے تو بغیر کشت و خون کے ملک اپنے پورے قبضے میں لیا جائے ورنہ کسی طریقے سے میگناٹن کو قتل کر کے اس کے باقی ماندہ لشکر کو نکال باہر کر کے کچھ افسروں کو یرغمال کے طور پر کابل میں رہنے دیا جائے جب تک کہ امیر دوست محمد خاں کو ہندوستان سے روانہ کریں۔ اس کے متعلق دیگر امور پر بحث ہوئی مثلاً جب صلح کی مجلس کا انعقاد ہو تو کمین گاہ میں کس قوم کے لوگ رکھے جائیں۔ خان کوہستان نے کہا "ہمارے علاقے میں چونکہ شکار بہت ہے اس لئے ہر شخص نشانہ خوب لگا سکتا ہے اگرچہ ہم لوگ ایک دوسرے کو بھی شکار کرنے کی کافی مشق کرتے ہیں مگر وہ سب جگہ ہوتا ہے اور پرندے کثرت سے ہمارے ہاں ہی پائے جاتے ہیں۔ خدا فرنگی پر لعنت کرے۔ اس سال تو ہم اسی کے شکار میں گرفتار رہے اور باقی جانور امن چین سے پھرتے رہے۔

چونکہ مجلس ختم ہو گئی تھی سردار کاکڑ نے خان کوہستان کو جو ایک سن رسیدہ شخص تھا کہا "خانصاحب۔ آپ کے تجربے میں کتنی قسم کے مرغ گذر چکے ہونگے جن کا صید کیا ہوگا؟"

خان کوہستان "

تو	قطان	دغدور	چینی رو	لک لک	کلنگ	چیلاں	کلبغہ	وقار	داق	نشور	گوئیدہ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲

قاز - سونہ - المہ باش - سقسور - برکہ - الریکہ - کاکلی - کرکری - چرکہ - چکرک - پتول - چپہ نول - گزلنگ
۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵

پوستینک - سیاہ بال - کرک - چرچلی - قشقل - طلاچشمک - لڑوی - شیخدرو - قرہ کش - قزلاق - توسغے - یارفحشی - یشقی
۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸

سبزہ خورک - سمسک - دنگک - یارک باشہ - کک روتی - توت خورک - جحیل داغ - چیری - زریج - داغسر - بجیجق
۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹

سیاہ چشنک - زردقرچہ - موشک - باباغج - قرقات - مورچہ خورک - زردک - خال محقق - زرنیق - چٹک - زیرہ
۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰

سیسی - کبک - کبک دری - ایک سانس میں تو اتنے ہی شمار ہو سکتے ہیں - باقی پھر"
۶۱ ۶۲ ۶۳

اکرم :- خان صاحب ! بے شک آپ کی قوم کے لوگ بہت ہوشیار ہیں - نشانہ باز ہیں فی الحال مجلس صلح کے وقت سراغ اور گھات لگانے کا کام انہی سے لیا جائے گا - اور بعد میں جب اپنی بادشاہی قائم ہوگی - تو ان کو سپاہیوں کی قواعد کے معلم بنایا جائے گا"

خان :- ان کو استاد بناؤ آخر شیطان ہو جاؤ گے" یہ ترجمہ ہے کوہستانی فارسی کا جہاں جمع غائب کو مخاطب کی طرح تلفظ کرتے ہیں - جلال آباد میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے - رات کو شور سنکر مسافر پوچھتا ہے کہ یہ کیا ہے - جواب ملتا ہے "گیدڑ ہو" ہزارہ جات میں ایک شخص عذر کہتا ہے " بد کردی - برخود لعنت کردی" یہاں متکلم کی بجائے مخاطب مروج ہے اور ہرات میں جمع غائب کی جگہ متکلم مثلاً مقتول کا وارث حاکم کے پاس فریاد کرتا ہے " برادرم را کشتم"

اکرم نے مسکراتے ہوئے کہا " کوہستان کو خلقت کا جنگل یا معدن کہتے ہیں - اس میں اچھے میوہ دار درخت بھی ہیں جھاڑیاں بھی ہیں - قیمتی دھاتیں بھی ہیں - اور اونٹے بھی مگر اس میں شک نہیں کہ اکثر لوگ نہایت تیز دماغ اور ذہن رکھتے ہیں ان سے فوجی کام لینا چاہیئے جس کی اب ضرورت ہے"

خان :- بلاشبہ اسوقت ہر افغان کو لڑنا چاہیئے جبتک کہ ملک پاک و صاف ہو جائے اور کفر کا یہاں نام و نشان نہ رہے - مگر بعد میں ہم لوگوں کو چھوڑو کہ اپنا جلاہوں کا کام کریں ورنہ یہ کپڑے جو زیب تن کئے ہو کیا آپ کے لوگ ور والے بن سکتے ہیں"

اکرم :- کوشش کر کے البتہ مہارت پیدا کر سکتے ہیں - اس میں کوئی عیب نہیں - حضرت ایوب انصاریؓ جو فخر عالم صلعم کے میزبان تھے بافندہ ہی تو تھے - اور اب تک سلاطین ترکی ان کے مقبرے پر تاجپوشی کو متبرک جانتے ہیں - میرا مطلب یہ

ہے ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ جلا ہوں کا پیشہ غور بند کے باشندوں کے لئے موزوں ہے "

خان (ہنسکر) " باوجود کم عمر کے واللہ خوب مردم شناس ہو۔ میں نے کسی غور بندی کو کبھی لڑتے بھڑتے نہیں دیکھا۔ بلکہ ان کے علاقے میں چوریاں بھی نہیں ہوتیں۔ بڑے نامرد لوگ ہیں "

اکرم " مگر آپ کے چور بھی وہاں جاکر دھاڑا نہیں مار سکتے "

خان " اگر اتنا مقابلہ بھی نہ کرسکتے تو عورتیں ہوتے آخر شنواری ہیں "

اکرم " نسب نسل کی قوت آب وہوا سے متاثر ہوکر کتنا فرق پیدا کردیتی ہے۔ جلال آباد کیطرف کے شنواری کتنے دلیر نڈر اور سرکش ہیں اور انھی کے بھائی بند آپ کے غور بند میں کتنے حلیم بردبار اور مطیع ہیں۔ کہیں بادا موں کی تاثیر تو ان کے ضعف کا باعث نہیں جو وہاں بکثرت ہوتے ہیں "

خان " بشرطیکہ وہ کھاتے ہوں۔ بیچاروں کو کب نصیب ہوتے ہیں۔ سب باہر بھیج دیتے ہیں۔ ہندوستان اس نعمت سے فائدہ اٹھاتا ہے "

اکرم " میری دلیل اور قوی ہوئی۔ وہاں بھی تو لوگ کمزور ہی ہیں۔ ورنہ فرنگی کو کیوں حاکم مانتے "

خان " ہم اور وہ مساوی ہیں اگرچہ کابل کے چند میل آس پاس ہی فرنگی حکومت کرتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ لاٹ نے کوہستان میں ایک سفیر کے ہاتھ لکھ کر بھیجا تھا کہ تم لوگ ہو اتنک مالیہ نہیں دیتے کیا دولت برطانیہ کی عظمت وہیبت سے نہیں ڈرتے ؟ ہم نے جواب دیا کہ ہماری دولت تلخانیہ[1] کسی سے نہیں دیتی "

اکرم " بے شک یہی تو خاطر جمعی کے اسباب ہیں۔ توت اور اخروٹ کا آٹا مشکیزے میں بھر کر کندھے پر ڈالا اور پندرہ دن کا کمسریٹ ہر شخص اپنے ساتھ لئے پھرا۔ یہ لوگ بھلا کس کے ماتحت ہوسکتے ہیں "

یہ سب باتیں راستے میں ہو رہی تھیں۔ مجلس چونکہ نہایت پوشیدہ تھی اس لئے اکرم اور خان دونو پیادہ پگ ڈنڈیوں پر جارہے تھے۔ راہ کاٹنے کے لئے اکرم نے اپنی کلام جاری رکھی " علاوہ اس خوراک کے آپ کے ضلاع میں انگوروں کی کتنی افراط ہے۔ کوہ دامن کے صرف ایک گاؤں قرغہ سے اتنی ڈبیاں تیار ہوتی ہیں کہ تمام ہندوستان میں پھیلتی ہیں۔ آپ لوگ اتنا میوہ کھاتے ہیں کہ مٹھاس کے بعد مرچ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور وہ بھی سرخ جو افغانستان میں اور کہیں استعمال میں نہیں آتی۔ اور آپ اسے پلاؤ پر بھی ڈال لیتے ہیں۔ طبیعت مدبرۂ ابدان ہے اس نے یہ چارہ دکھادیا۔ اسی طرح موجودہ اختلال اور بدامنی سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہوجائے گی "

خان " ہم لوگ فطرت پر چل رہے ہیں۔ اور آپ نے پڑھا ہوگا کہ مومن کی فراست خوفناک چیز ہے جس سے ڈرنا چاہئے

---

[1] تلخان بیدانوں اور اخروٹ کے آٹے کو کہتے ہیں جو کوہستان کی خاص غذا ہے۔

جب تک ہم ایمان رکھتے ہیں اونچے ہیں انتم الاعلون ان کنتم مومنین اس سربلندی کے کئی وجوہ ہیں۔ صرف ہماری تلوار نہیں بلکہ ہماری عقل بھی اس میں دخل رکھتی ہے۔ داناؤں نے کہا ہے کہ کھانے سے پہننا بہتر ہے۔ ہم لوگ جیسا ابھی ذکر آیا انگور اور بادام اکثر دوسرے ملکوں میں بھیج دیتے ہیں۔ اسی طرح "پستہ" ہزاروں اونٹوں پر لدا باہر چلا جاتا ہے اور ہمارے بازاروں میں کبھی دوا کے لئے بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ اس کی بجائے ہم بعض پہننے کی اشیا غیروں سے خرید منگواتے ہیں۔"

اکرم "یہی امور حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ ہماری ملت جنگ وامن دونو حالتوں میں ترقی کرے گی۔ حال واستقبال دو تو ایسے وابستہ ہیں کہ ان کا ایک دوسرے سے جدا کرنا وہم میں بھی نہیں سما سکتا۔

هفته ها باید که تا یک پنبه دانه زاب و گل — شاهدے را حله گردد یا شهیدے را کفن

ماه ها باید که تا یک مشت پشم از پشت میش — زاهدے را خرقه گردد یا حمارے را رسن

سالها باید که تا یک طفل خورد از لطف طبع — عاقل کامل شود یا شاعر شیریں سخن

ہم بھی اسی طرح ہفتوں اور مہینوں سے کوشاں ہیں کہ اپنے ملک کو اپنے ہاتھ میں لیں اور پھر سالوں کی سعی و محنت کے بعد کہیں اس رفاہ و رفعت کے دروازے کھل سکتے ہیں جن میں داخل ہونے کی امید ہے۔"

اس مجلس کی تجاویز کا نتیجہ دیکھنے کے لئے ہم اکرم کی تقریر کو قطع کرتے ہیں۔

خونی مصالحت

گر بردم میکشدم ورنه روم مے میرم
مصلحت چیست عزیزاں بردم یا نروم

اس مضمون کو سر ولیم میگناٹن نے اپنے مشیروں کے سامنے بیان کیا کہ اگر مصالحت کے لئے جاؤں تو صلح جو افغانوں سے اندیشہ ہے کہ کوئی دغا نہ کریں اور اگر نہ جاؤں تو گھر بیٹھے بھی خوف ہے کیونکہ چاروں طرف سے ہولناک خبریں آتی ہیں۔ غزنی سے اطلاع پہنچی ہے کہ اندر، ترک، تاجیک اور ہزارہ سب نے متفق ہو کر لڑائی کی تیاری کر لی ہے۔ زرمت اور کٹہ واز میں ڈھول بج رہے ہیں۔ لوگر اور وردک میں افغان کود رہے ہیں۔ ننجراب اور تگاب میں جنگ کے بادل گرج رہے ہیں۔ خود کابل کے پہاڑ جو سبزے سے عاری ہیں۔ سرو قد جوانوں سے معمور دکھائی دیتے ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تعداد میں آئے ہوئے ہیں اور بیتابی اور بے چینی میں اوپر نیچے پھر رہے ہیں۔ بازاروں میں

بھی یہی حال ہے۔ آیئے ان میں سے ایک دو کے ساتھ ہو کر دریافت کریں کہ ماجرا کیا ہے۔
ایک شلگر کا افغان بیس گز کی شلوار پہنے جا رہا ہے۔ اور اس کی قمیص پر بھی اتنا ہی کپڑا لگا ہے۔ ایک کابلی تاجیک کے ساتھ باتیں کر رہا ہے جس کے کندھوں پر لنگی یا چادر ہے اور اسکا ایک بالشت ریشمی حاشیہ نمائش کے لئے اوپر کی طرف ہے۔ ایک ہزارہ روٹی بیچنا افغان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ کھائیے۔ وہ اس کی صلاح ماننے کے لئے ایک لقمہ توڑ کر منہ میں ڈال لیتا ہے تو ہزارہ باقی روٹی بھی اٹھا کر اس کے حوالے کرتا ہے اور پیسے طلب کرتا ہے۔ افغان تعجب کرتا ہے کہ روٹی بیچنا تو برکت کو زائل کرتا ہے۔ تاجیک معاملے کو سمجھ کر اپنی ندی جیب سے پیسے نکال کر ادا کر دیتا ہے۔ ایک پھیری والا انگوروں کی ٹوکری اتار کر سامنے رکھ دیتا ہے۔ جس میں دو قسم کے انگور ہیں "دلہن کی انگلیاں" جن میں مہندی لگی ہوتی ہے۔ یہ قیمتی ہیں اور عوام کے لئے گاؤ چشم جو آلوچے کے برابر موٹے ہوتے ہیں۔ افغان دکاندار کی طرف دیکھتا ہے کہ ایسے نفیس انگوروں کو کھاتا کیوں نہیں؟ شبہے میں پڑتا ہے کہ اندھا ہو گا۔ مگر آنکھیں روشن معلوم ہوتی ہیں۔ آزمائش کے لئے اپنی دو انگلیاں اس کی آنکھوں کی طرف چبھوتا اور وہ پیچھے گر پڑتا ہے۔ افغان کہتا ہے کہ اگر اندھے نہیں ہو تو کھاتے کیوں نہیں؟ ہزارہ کہتا ہے کہ یہ لوگ بخیل ہیں۔ نہ خود کھاتے ہیں نہ کسی کو کھانے دیتے ہیں۔ انگور کی شاخیں ہر سال کاٹ ڈالتے ہیں۔ ورنہ ہمارے علاقے تک پہنچ جائیں۔ ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ قدیم فرانس میں ایک جاگیردار کی زمین میں پندرہ میل تک ایک انگور کی بیل بڑھ رہی تھی۔
پاس ایک چند اولی قزلباش کی دوکان ہے۔ جہاں کلچے بک رہے ہیں۔ اس نے افغان اور تاجیک دونوں کو اندر بلایا اور بڑی محبت سے دودھ والی گلابی چائے کے ساتھ گرم گرم نوروزی کلچے کھلائے۔ انگور فروش نے چند خوشے پیش کئے۔ ہزارے نے اپنے ہم مذہب کی مہمان نوازی کا سبب پہچان کر نہ صرف "خاصہ" روٹی پیش کی بلکہ ساتھ ہی کبابی کی دکان سے کباب بھی لایا۔ صحرائی افغان کو سب نے مل کر سیر کر دیا تو کہنے لگا کہ یہ کھانے پینے کی دکانیں کس مطلب کے لئے ہیں۔ جب بھوک نہ رہی تو گمان کیا کہ یہ جہان ہی سے اٹھ گئی۔ روزے کی مصلحت یہیں سے ثابت ہوتی ہے۔
ایسے الفت و اتفاق کے نظارے کابل کیا دیہات میں بھی دیکھے جا رہے تھے اور ان کی اطلاعیں باقاعدہ انگریزوں کو پہنچتی تھیں اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ برطانوی سانڈھ باوجود اونچے سینگوں کے افغانی شیروں سے محصور ہو رہا ہے ۔ میش است عرم شیر گاؤ بلند شاخ۔ برخصم بے سلاح دلیر ہست عارمرد۔ افغانوں اور تاجیکوں کے درمیان کبھی کبھار پگڑی بھی دکھائی دیتی تھی۔ جس کے باندھنے والے البتہ دوسرے ملک کے تھے مگر ایک شخص اس گروہ میں سے تھا جو نہ صرف دستار بلکہ گفتار بھی کابل کی وضع کے مطابق رکھتا تھا۔ یہ سچ جھوٹ اور خشک و تر جمع کر کے لیجاتا اور انگریزوں کے پاس بڑی قیمت کو بیچتا۔ یہ میکناٹن کا خاص مخبر تھا اور اس کی خبر پچھلی فصل کے خانساماں نے گلجان کو پہنچائی تھی۔ اس لئے غازی اس سے خبردار رہتے تھے۔ اس کا اصلی نام تو کلب امام تھا مگر وہ نوروز خاں کہلاتا تھا۔ اس کی فطانت و فطنت ایسی تھی کہ کم لوگ اسے بیگانہ جانتے

ے کلک عروس اور گاؤ چشم انگوروں کی قسمیں ہیں۔ پہلے لمبے ہوتے ہیں اور دوسرے گول اور بڑے

تھے۔ باغ بابر کے قاتل و مقتول کے ساتھ اپنا جدی رشتہ گانٹھتا تھا اس لئے اس کے لواحقین کو اکرم کے خلاف اکستا رہتا تھا اسے اپنی زباندانی پر بھی ناز تھا جس کا ایک نمونہ معروض ہے

بالا حصار کے بازار میں چند معزز لوگ ایک دکان میں بیٹھے ہیں۔ جس کے نیچے تہ خانے کے دروازے میں ایک جوتے گانٹھنے والا بیٹھا ہے۔ ایک سکھ سپاہی نے اپنا جوتا تیار کرایا اور پنجابی زبان میں کہا کہ بیس پیسے اجرت دونگا۔ دکاندار نے کہا کہ ایک تنگہ لونگا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک کوڑی زیادہ نہیں دونگا۔ کابلی نے کہا ایک دینار کم نہیں لونگا (دینار کوڑی ہی کے برابر ہوتا ہے) گالی گلوچ کی نوبت پہنچی۔ لات اور مکا بازی سے گذر کر تلوار اور درفش کے وار ہوئے۔ سکھ کی ڈاڑھی رنگی گئی اور موچی کی آستین کٹ گئی مگر اس میں ہاتھ نہیں تھا کیونکہ عوام لمبا چغہ بغیر آستین میں بانہ ڈالے اوڑھتے ہیں۔ کلب امام بیچ میں کود پڑا اور دونو کو علیحدہ کر دیا۔ سکھ کو کہا کہ لاؤ بیس پیسے اور دکاندار کو کہا کہ لو تنگہ پھر اپنے سلیمانی فیصلے پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگا "عام لوگ زبان نہ جاننے سے لڑائی پر آمادہ ہوتے ہیں حالانکہ تنگے کے بیس پیسے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ طرفین کو بدنام کرتے ہیں۔ خواص اشخاص انہی غلط فہمیوں سے غزا و جہاد پر کمر باندھتے ہیں ورنہ کیا ضرورت ہے۔ موجودہ حکومت میں امن اور عدل قائم ہے۔ مسلمان اپنے دینی فرائض بجالاتے ہیں۔"

اوپر کی دکان میں سے ایک شخص جواب دیتا ہے۔" زخمی سکھ اپنے انگریز افسر کے پاس جا کر افغانوں کی شکایت کریگا۔ اس سے دشمنی بڑھے گی ورنہ ہم تو مصالحت چاہتے ہیں۔ بلکہ ہمارا مذہبی اعتقاد ہے کہ انگریزوں اور افغانوں میں دوستی ہونی چاہئے۔ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ضرور تم ان لوگوں کو زیادہ قریب پاؤ گے۔ از روئے دوستی کے مسلمانوں کے حق میں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ انگریزوں کو اس آیت کی خبر نہیں ورنہ وہ ہم سے رم نہ کرتے۔ مسلمان بازاروں میں باغوں میں اور ہر جگہ اکٹھے اٹھتے بیٹھتے ہیں مگر انگریز جدا ہی رہتے ہیں۔ اگر وہ بھی ہمارے سرداروں اور خانوں کے ساتھ ملیں جلیں۔ باہم صلاح مشورہ کریں تو دونو قوموں میں اتحاد ہو جائے اور کبھی لڑائی نہ ہو مگر وہ تو ہماری زبان بھی نہیں جانتے وہ کیا ان کے نوکر بھی ابتک فارسی اور پشتو نہ سیکھ سکے"

کلب امام " ملا صاحب۔ آپ نے درست فرمایا۔ انگریزی میں ڑ، خ اور غ نہیں ہیں اسلئے ان کے تلفظ میں غلطی ہوتی ہے ورنہ انگریز بلا کے کافر ہیں۔ سب زبانیں جانتے ہیں۔ البتہ پنجاب میں کاف اور قاف میں فرق نہیں اور حرکت کی جگہ سکون کر دیتے ہیں۔ مثلاً قلب کو کلب بولتے ہیں۔"

ملا"۔ ہر شہر بلکہ ہر محلے کا لہجہ جدا ہوتا ہے۔ کابل میں "را" نہیں بولتے۔ مثلاً "قات را" نہیں کہتے "قاتہ" بولتے ہیں اور دال بھی کھا لیتے ہیں۔ اگرچہ دال خور نہیں ہیں۔ مثلاً میکند کو میکنہ کہ جاتے ہیں۔"

اس گفتگو کے بعد کلب امام رخصت ہو جاتا ہے مگر دل میں کہتا ہے کہ اس ملا نے میری فارسی کو پہچان لیا کہ اہل زبان

کہ نہیں ہے۔ مگر اس نے مجھے عجیب تجویز سمجھائی جو انگریزوں کو جا کر بتاؤنگا اور ان کو افغان سرداروں کے ساتھ کھلم کھلا ملاؤنگا ملانے جو باہم نشست و برخاست کی بات کہی تو باقی معزز لوگ بھی اس کی تائید کرتے تھے۔ میں نے بہتیری خبریں پہنچائیں مگر کوئی پسند نہ کی گئی۔ یہ خبر گو یہ برابر میری ترقی کا باعث ہوگی اور میگناٹن ضرور برطانیہ و افغانستان کے وداد کی صورت کو عمل میں لائیگا اور وہ یہی چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کا پاؤں یہاں جا رہے۔ باقی میں اپنے پاس سے حاشیے چڑھا کر اس کو مائل کروں گا کہ خوانین کے ساتھ ملاقات کی طرح ڈلے۔

زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ میگناٹن چند انگریزی افسروں کے ساتھ قلعہ محمود خاں کے پاس دریا کے کنارے چہل قدمی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وزیر اکبر خاں مع دیگر سرداران وخوانین کے پہنچ کر مصافحہ کرتا ہے اور ہنسی خوشی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ پھر زمین پر ہی لنگیاں اور شالیں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور میگناٹن کہتا ہے "سردار صاحب! کیا اچھا ہو کہ برطانیہ اور افغانستان میں باقاعدہ صلح وصفائی ہو جائے۔ دلوں میں کوئی میل اور رنجش نہ رہے۔ آپ کے قبلہ امیر صاحب یہاں آ کر تخت پر متمکن ہوں۔ اور ہم کو بطور مہمان کے یا مشیر کے یا سفیر کے اپنے پاس رکھیں۔ اور آپ ہم پر پورا اعتماد کریں اور کسی غیر کی طرف نہ جھکیں۔

اکبر خاں۔ لاٹ صاحب! آپ جو کچھ فرماتے ہیں ممکن ہو صدق سے کہہ رہے ہو اگرچہ آپ کی کلام کا آخری حصہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ مسخرگی ہے کہ ہم کسی کی طرف نہ جھکیں۔ اگر ہم بادشاہ ہیں تو جس کے ساتھ چاہیں رابطہ پیدا کریں۔ جس کو چاہیں اپنے مشورے کے لئے مقرر کریں۔ ہاں دو سلطنتوں میں اتفاق و مراودت مناسب ہے۔ سو ہم آپ کے ساتھ تعلق رکھینگے مگر اصلی مانع یہ ہے کہ آپ کی کسی بات پر اعتبار نہیں۔ لنڈن میں آپ کے دو فریق ہیں جو غالب آیا وہ آپ کو نچائیگا اور آپ اسے عذر پیش کر کے اپنا عہد توڑینگے اور طرح طرح کی بیہودہ دلائل لائینگے۔"

میگناٹن۔ سردار صاحب! آپ تو ہم پر نامناسب حملے کرتے ہیں۔ یہ مجلس الفت بڑھانے کے لئے تھی نہ کہ عداوت پیدا کرنے کے لئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل صاف نہیں ہیں بلکہ کینے سے بھرے ہیں۔

اکبر خاں۔ اگر کہوں کہ ہم آپ کے دوست ہیں تو جھوٹ ہے۔ آپ کیسے مان سکتے ہیں۔ ذرا تحمل سے کام لیجئے۔ اگر ہم لنڈن میں جا کر یہی باتیں کہیں جو آپ کابل میں ہم کو سنا رہے ہیں تو آپ کیا جواب دینگے۔ اول یہ بتائیے کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائے؟ ہم کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کی۔ ہم آپ کی طرح آزاد ہیں۔ ہم نے مقابلہ کیا۔ ہمارے بھائی بند مارے گئے۔ ہماری بادشاہی مٹ گئی۔ آپکا ہمارے ملک میں داخل ہونا ہی جرم تھا۔ اور اب کتنے مسلمانوں کا خون آپ کی گردن پر ہے جس کے بدلے میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔"

میگناٹن اٹھ کھڑا ہوا۔ اور وزیر اکبر خاں نے کہا۔ "وہی پستول جو آپ نے مجھ کو دیا تھا۔ آپ کے لئے کافی ہے۔ مگر پہلے

ذرا آپ کو افغانی قوت دکھاؤں" دونو قوی و مضبوط تھے کشتی کرنے لگے۔ جب میگناٹن کو زمین پر پٹکا تو پھر پستول چلایا جس سے وہ بیہوش ہوگیا۔ اب معیت کے انگریزوں اور افغانوں میں گیرودار شروع ہوئی۔ کچھ بھاگ گئے کچھ وہیں کھیت ہو گئے۔ ایک انگریز جوان نے پستول نکالا ہی تھا کہ خان برکی نے پھر اپستول اس کی طرف پھیر کر کہا کہ اگر ہاتھ ہلایا تو مار دونگا۔ انگریز کا ہاتھ نیچا ہی رہ گیا۔ اگر اٹھتا تو مارا گیا ہوتا۔ خان برکی نے کہا ہتھیار ڈال دو مگر اس نے پستول نہ گرایا۔ اتنے میں ایک افغان نے تلوار اٹھائی اور اس کے سر پر مارنے کو ہی تھا کہ اکرم نے آواز دی "سردار۔ یہ انگریز میری پناہ میں ہے"۔ اکرم نے اسے کہا کہ ابھی غازیوں کا ہجوم آپ کو تہ تیغ کر دیگا اس لئے مہربانی کر کے جلدی افغانی کپڑے پہن لیجئے اور یہاں سے فوراً نکلئے۔ انگریز نے کچھ سوچا مگر جان عزیز ہے تیار ہوگیا۔ سردار نے اپنا عرقچین (کلا بتونی ٹوپی) پگڑی میں سے نکال کر اسکے سر پر رکھا اور پگڑی اس کے سر پر سے جلال آبادی لنگی اتار کر اس کے جسم پر لپیٹ دی اور اپنی کمر سے تین چار گز کا ریشمی کپڑا کھول کر اس کے سر پر باندھ دیا۔

گلجان "ایک سیلاوے کی کسر رہ گئی ورنہ کاکہ بانکہ ہے"۔

سردار "اس کی کیا حاجت ہے۔ تیغ ابرو کیا کافی نہیں ہے"۔

گلجان "این کاکہ بچہ چہ شوخ و شنگ است۔ لعل لبش عقیق رنگ است۔۔۔"

اتنے میں بندوقوں کی آوازیں آئیں۔ میگناٹن نے چند سو سوار نواحی میں متعین کر رکھے تھے کہ اگر افغانوں کی طرف سے لڑائی کا آغاز ہو تو وہ بھی لڑیں۔ اکبر خاں نے بھی اسی طرح قرب وجوار میں آدمی مقرر کئے تھے دونو میں چھڑ گئی مگر افغان ہر طرف سے جو حملہ آور ہوئے تو انگریزی سپاہی بھاگ نکلے۔ اس شور و شر میں ایک افغان ایک ہندو کے پیچھے دوڑتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں افغانستان کا رہنے والا ہوں مگر وہ نہیں مانتا۔ اتنے میں ہندو کی نظر گلجان پر پڑتی ہے اور وہ سمجھتا ہے یہ کہ کر یہ ہمارا ٹیکے والا افغان ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ نوروز خاں نے اسے میرے پیچھے ڈالا تھا اور اگر آپ نہ ہوتے تو اس نے مجھے مروا ہی دیا تھا۔ کلب امام دوسرے کو پکڑوا کر خود بھاگنا چاہتا تھا مگر یہی اس کے لئے زہر قاتل ہو۔ گلجان نے چند غازیوں کو پیچھے بھیجا جنھوں نے اس کو نزدیک کے محمد مراد خانی سے نکال کر جہاں شیعہ بستے ہیں قتل کر ڈالا۔

ایک سردار نے اکبر خاں سے پوچھا کہ میگناٹن کا مردہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ میں اس کے ہمرکاب افسروں کے پکڑنے میں مصروف ہوگیا۔ سردار نے غصے میں کہا تم نے اصلی شکار کو تو چھوڑ دیا جلدی چلو کہیں غائب نہ ہو جائے۔ جب واپس گئے تو میگناٹن واقعی مقتل میں نہیں تھا اس کے خون کے قطروں کے پیچھے ہو لئے تو وہ دریا میں پہنچ گئے۔ میگناٹن رینگتا رینگتا دریا کی خشک گہرائی میں اتر کر اپنے آپ کو لڑھکاتا جا رہا تھا کہ پھر قاتلوں کی شکل دکھائی دی "سردار صاحب۔ اب تو رحم کے قابل ہوں"۔ اکبر خاں "اگر ہم قاتلوں دھاڑویوں اور دوسروں کے مال و جان لینے والوں پر رحم کھائیں تو حکومت کے اہل کس طرح ہو سکتے ہیں"۔ یہ کہ کر پیش قبض سے اسکا کام تمام کیا۔ پھر شہر میں لا کر اس کو لٹکایا تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو اور

دشمنوں کو عبرت۔

مناظرہ

جوزف: "میری جو خاطر و مدارات کرتے ہو اس سے ممنون ہوتا ہوں مگر زندگی سے بیزار ہوں اور جتنی میری عزت کرتے ہو اتنا ہی موت کا مشتاق ہوتا ہوں کیونکہ سچ پوچھئے تو آپ کے قتل کو اپنا دینی ملی اور خاندانی فرض سمجھتا تھا۔ اور اب آپکا اسیر ہو کر آپ کے وسیلے سے نئی زندگی پا کر اور آپ کی عنایات دیکھ کر خواہ مخواہ آپ کا خیر خواہ ہو گیا ہوں۔ یہ حالت مجھے خودکشی پر آمادہ کر رہی ہے۔"

اکرم: "مجھ پر بھی آپ کی ہمشیرہ نے ایک وقت ایسا ہی حال وارد کر دیا تھا جب میرے بھائی کے قاتل کو اس نے خود مار ڈالا اور مجھے مجبوراً اسیر ہونا پڑا ورنہ میں اپنی مرگ کا خواہاں تھا۔ میں آپ کے جذبات کو خوب محسوس کرتا ہوں۔"

جوزف: "میری بہن مجھ سے کم تر تعلیم یافتہ نہیں۔ مجھے بہت تعجب اور افسوس ہے کہ باوجود متانت کے وہ عشق کے ساتھ بہ الوع کی زد میں کیونکر آ گئی اور اپنا مذہب ملک اور خاندان سب چھوڑ بیٹھی۔"

اکرم: "یہ آپکا خیال صحیح نہیں۔ اس نے حق کی پیروی کی اور میں نے بھی علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں شبہ نہیں کہ اچھی صورت ہر کسی کو بھاتی ہے اور ہمارے رسول مقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ اکثر صحیح جسم کے اندر سلیم عقل ہوتی ہے اور اعضا اگر متناسب نہ ہوں تو اخلاق میں کوئی نقص ہوتا ہے۔ آپ نے افلاطون کا قصہ سنا ہوگا کہ اس نے اپنے دروازے پر ایک مصور بٹھا رکھا تھا۔ جو ملاقی کی تصویر کھینچ کر اندر بھیجتا۔ اگر اس کی شکل میں کوئی عیب ہوتا تو ملاقات سے جواب ملتا۔ ایک شخص نے دو نے پر پھر کہلا بھیجا کہ میں نے تربیت سے اپنا عیب دور کر دیا ہے تو اس کو بلایا۔ میں نے اسلام کی پیروی سے اپنے نقائص رفع کر دئے ہیں۔ میں آپ کی ہمشیرہ پر اس کی شکل کے علاوہ زیادہ اس کی دلیری، ہمت اور اس خدمت کے سبب شیفتہ ہوا تھا۔ جو وہ باوجود عورت ہونے کے برنس کے عملے میں بجا لاتی تھی اور اس کا تعلق بھی میرے ساتھ بیشتر میری سیرت کی وجہ سے ہوا۔ جس کی بابت اس کا حسن ظن بہت ہے اگرچہ میں سراپا عاجز و عاصی ہوں۔"

جوزف: "مجھے ایک حد تک آپ کی باتوں پر یقین ہوتا ہے۔ مگر میں خود دوسری قسم کا آدمی ہوں۔ جیسا کہ ہماری قوم کے اکثر لوگ ہوتے ہیں۔ ہم اپنے خاندان میں مسیحیت کے احکام سے سنگے نئے ہیں۔ اور ہم نے آزادانہ تعلیم حاصل کی ہے جس سے کسی دین کے جو اور حقیقت پابند نہیں ہیں مگر عیسائی مذہب کو اپنا قومی شعار جانتے ہیں اور اسی پر قائم ہیں۔ بلکہ اس کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔ پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ کسی وقت صاف صاف باتیں کروں اور آپ برا نہ مانیں۔"

اکرم: "بڑی خوشی سے جب چاہو ہم اور آپ دل میں کوئی کدورت نہ رکھیں اور جو اعتراض بھی آپ نہ کر سکتے ہیں کریں۔ اور

جواب سنیں۔"

انگریزوں کی فوج محصور ہے۔ اور غازیوں نے ہر طرف سے رسد اور خوراک کے راستے مسدود کر رکھے ہیں۔ شہر میں کسی جگہ شور و غوغا ہوتا ہے تو فوراً اکرم اور اسکے رفقا وہاں پہنچ کر امن قائم کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی فرصت نہیں کبھی آدھی رات کو مظلوم کی فریاد انھیں نیند سے جگا کر ظالم کی تلاش میں مشغول کرتی ہے کبھی قدیر اکبر خاں کے پاس جا کر صلاح و مشورہ کرتے ہیں۔ پھر بھی جمعہ کی صبح کو خان قزلباش کے ہاں مہمان ہیں اور جوزف بھی مدعو ہے۔ جب شیر چائے تیار ہو رہی تھی تو خود خان متوجہ تھا۔ جب ایک میٹھا اور ایک نمکین پیالہ سب نے پی لیا تو خان نے کہا۔" اکرم آغا۔ اپنے ثناخواں کو اب رخصت کیجئے ورنہ وزیر صاحب کہیں گے ۔

چہل سال عمر عزیزت گذشت — مزاجِ تو از حال طفلی نہ گشت

آپ جوان لوگ وقت گذاریں۔ میں خار کی مانند کھٹکونگا۔"

اکرم "خانصاحب بے ادبی معاف۔ آپ تو گل ہیں بلکہ آپ کے سو غنچوں میں سے ابھی ایک پھول ہی کھلا ہے۔ آپ ہنستے ہیں اور ہنساتے بھی ہیں۔

خان "ہ دنداں چو در دہاں نبود خندہ بدنماست۔ دکان بے متاع چرا واکند کسے۔" خان نے قہقہہ لگایا اور جب دوسرے بھی ہنسے تو آپ چلایا۔"

جوزف "اگرچہ خانصاحب ہمارے بعض بوڑھوں کی طرح ہنس مکھ شخص ہیں مگر میری باتیں ان کی موجودگی میں مناسب نہ ہوتیں۔ میں آپ کے درمیان بیگانہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ یہ اجنبیت دور ہو جائے۔ اس لئے جو شبہات میرے دل میں ہونگے وہ بیان کرونگا۔ آپ مجھے میری بہن کے واسطے سے دوست رکھتے ہیں اور میں اس کی تقلید نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کے ہاں ضرب المثل ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو کور و کر کر دیتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اسی وجہ سے مسلمان ہو گئی ہو۔ ورنہ مسلمانوں میں کونسی چیز ہے جو ہم کو ان کی طرف مائل کرے؟ آپ جانتے ہیں کہ میرا نام یوسف ہے نہ اس لئے کہ میں حسین ہوں۔ جیسا کہ لوگ کہتے ہیں بلکہ مال باپ نے یہی رکھ دیا۔ اب یہ پوچھتا ہوں کہ اپنی باتوں میں ایما و اشارہ سے یہ شعر کیوں پڑھتے ہو۔ چونکہ عربی و فارسی جانتا ہوں اور کچھ عقل بھی رکھتا ہوں اس لئے دریافت کرتا ہوں کہ اس کا اصلی مطلب کیا ہے ۔ تب و تاب زلیخا تا بمصر آورد یوسف را۔ کمند آہ مشتاقاں رسا بودہ است دانستم۔ آیا آپ کے درمیان کوئی زلیخا ہے جو مجھ پر شیدا ہے؟ ۔ رخسارے کردمرا باخط سرخش اسیر۔ دام ہم رنگ زمیں بود گرفتار شدم۔ مردوں سے جو لڑائی میں بہادر ہوں یہ توقع نہیں ہے۔ انسانیت کو یہ خیال زیب نہیں دیتے۔ وہ نگجان جو نزیب سے ہمارا نوکر ہو چکا ہے اور میرے سامنے دست بستہ کھڑا ہوتا تھا۔ سر ولیم کے مردے کے سامنے میرے افغانی لباس پہننے پر کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا کیا یہ تہذیب ہے؟

اس کے اشعار تو کسی عام شاعر کے ہونگے۔ آپ کے خاص شعرا کیا کم فحش گو ہیں ؟ حافظ کا دُردانہ اور شب تار دہراتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میری بہن اس قوم کے پلے پڑی جو لوط کی امت کہی جاسکتی ہے۔ جس دین کے پیروؤں میں ایسے سدومی ہوں ہرچند وہ اپنے تئیں غازی اور بہشت کے مستحق جانیں مگر دوسرے مہذب اور معقول لوگ ایسے مذہب کے نزدیک نہیں پھٹک سکتے۔ جب میں ابھی بازار میں سے گذر رہا تھا تو ایک انگریز افسر کو دکان میں مقید بیٹھے دیکھا۔ آپکا حق ہے کہ اسے گرفتار کرکے مار ڈالیں جس کا بدلہ ہم آخر یہ کے چھوڑ ینگے مگر گالی دینا اور ایسے الفاظ کہنا جن سے ایک شائستہ آدمی کی زبان میں لکنت پیدا ہو بلکہ اس کا دل ان کے خطور سے کانپ اٹھے صالح اشخاص کا کام نہیں ہے۔ ایسے اسلام سے جو اپنے معتقدوں کو بدزبانی اور مردم آزاری سکھائے میرا دور سے سلام ہے۔

چندروز ہوئے کہ ہماری حکومت شہر سے دور ہوگئی ہے۔ رات کو چور چور کے نعرے سنتا ہوں اور صبح کو معلوم ہوتا ہے کہ غازی کافروں سے مال غنیمت نہ پا کر مسلمانوں ہی کو لوٹنا غنیمت سمجھے ہیں۔ میں نے آپ کو قومِ لوط سے نسبت دی۔ نہیں آپ اس سے بدتر ہیں۔ وہ تو رسولوں کے سوا جو مرد تھے پیغمبر کی لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ لوگ دونو کو بدناموس کرتے ہیں اور ہم دینی اور ہم قومی کے رشتوں کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اگر اس ابتری اور محکومی سے نکل کر بادشاہی کو پہنچ جاؤ تو ظاہر ہے کہ کیا کروگے۔ بلی کے پر نکل آئیں یا گدھے کے سینگ لگ جائیں تو جو کچھ وہ کر بیٹھینگے قیاس میں آسکتا ہے۔ شاہانہ مغلیہ اور سدوزئیوں نے جو کچھ کیا تاریخ میں ثبت ہے۔ آپ بھی "انھی" کے مذہب و ملت سے منسوب ہو۔ میں آپ لوگوں کی صحبت سے تنگ آگیا ہوں اور ایسی زندگی سے موت کو بہتر جانتا ہوں"۔

اکرم خانصاحب کو جیسا کہ شبہ ہوگیا تھا کہ محفل ندیموں کی نہیں ہوگی۔ اسی لئے وہ چلدیئے۔ کرنیل یوسف! دیکھتے ہو کہ میرے رفیق آپ کی ملامت سے اگر خجل ہیں تو آپ کے مبالغے سے خشمگین بھی ہیں۔ کیونکہ غم و غصہ کے سبب حد سے زیادہ تجاوز کرگئے ہو۔ چونکہ آپ موت کو زندگی سے بہتر جانتے ہو اس لئے آپ کی سزا زندگی ہی ہوسکتی ہے۔ اندلس میں مسلمانوں کے تمدن و تہذیب سے تم لوگ مستفیض ہوئے۔ نظافت سے بھرے حماموں کو تمھارے نصرانی کفر کے لوازم سمجھتے تھے کثافت کو ایمان کا خاصہ جانتے تھے۔ میلے کچیلے کپڑوں کے علاوہ گندی اشیا کھاتے کیونکہ انجیل کا ترجمہ غلط کرتے تھے۔ 'وہ چیز جو تمھارے اندر جاتی ہے۔ تم کو خراب نہیں کرتی بلکہ وہ جو تم سے باہر نکلتی ہے ضرر پہنچاتی ہے'۔ یہ غلط ترجمہ اس لئے ہوا کہ تمھارے عالم جاہل تھے۔ قدیم زبانوں میں 'صرف' کا کلمہ نہیں تھا جو پہلے جملے میں آتا ہے۔ اور 'بھی' دوسرے میں۔ اس سے دیکھو کہ مطلب کیا ہو جاتا ہے۔ 'صرف وہ چیز جو تمھارے اندر جاتی ہے تم کو خراب نہیں کرتی بلکہ وہ بھی جو تم سے باہر نکلتی ہے ضرر پہنچاتی ہے' مسلمان اپنے علم و فضل سے جب پاک و صاف رہتے طیب خوراک کھاتے اور لطیف کلام بولتے الغرض ظاہر و باطن کو آراستہ و پیراستہ رکھتے تو تمھارے عیسائی سؤر جیسی ناپاک اور قابل نفرت چیز کو مرغوب غذا سمجھتے اور تمھارا ٹامس ابیکٹ الیسالیاس اوڑھتا

جس میں جوئیں چلتیں چنانچہ تاریخ تمہارے اپنے مورخوں کی لکھی ہوئی اس غلیظ عادت کو ادیانی کا لازمہ قرار دیتی ہے۔ تمہارے فاتحین نے اندلس کے حماموں کو سب سے پہلے مسمار کیا کیونکہ صفائی ان کے نزدیک گناہ تھا۔ پھر کتب خانوں کو جلایا اور جو کتابیں بچیں انھی کے ذریعے تمہارے مصلحین نے وہ امور رائج کئے جو اب تمہاری تہذیب کی بنائیں ہیں۔

جب اندلس میں مسلمان تمدن سے مالامال تھے تو تمہارے وحشی نصرانی اسی کو لامذہبی سمجھ کر اسلام کو برا بھلا کہتے تھے اور ان کا زعم یہ تھا کہ پکڑے اور مارے جاکر شہید ہوں گے مگر مسلمانوں نے ان کو اس شہادت سے محروم رکھا۔ ان کے لئے اصلاح خانے بنائے جہاں محتسب بجائے دُروں کے بلیغ بحث کرکے ان کو قائل معقول بناتے۔ کرنیل یوسف! آپکا بھی اسی طرح علاج کیا جائیگا۔ اگر شفا پاگئے تو خوب ورنہ آپ ہی کی آسمانی کتاب پر آخر عمل کیا جائیگا "اگر تمھارا ہاتھ گناہ کی طرف بڑھے تو اسے کاٹ ڈالو۔ اگر آنکھ جرم کی طرف مائل ہو تو اسے نکال ڈالو!"

آپ کو تعلیم یافتگی کا دعوٰے ہے۔ کیا آپ نے اپنے براعظم کا تاریخ و جغرافیہ نہیں پڑھا کہ ہسپانیہ کے ماضی و موجودہ حالات سے آگاہ ہوتے! اسلامی زمانے میں کیا شان و شکوہ تھی اور اب حکومت نصرانی میں کیسی ویرانی برپا ہے۔ مسلمانوں نے الحمراء الخضرا کے قصور بے قصور اور قرطبہ و غرناطہ کی جوامع لامع آباد کیں۔ مغرب سے علوم و فنون کے سورج کو طلوع کرکے تمہارے آباؤ اجداد کو جہالت کی تاریکی سے نکالا۔ جب وہ دور مستعار پھر تمہارے توہمات اور رسوم باطلہ سے محجوب ہوگیا تو انکوئی زیشن قائم کرکے تم نے اپنے لاکھوں ہم مذہبوں کو زندہ جلا دیا۔ باوصفیکہ تمام جہاں اب مہذب ہو رہا ہے سپین میں بیل لڑائے جاتے ہیں اور بہت سی وحشی باتیں جاری ہیں۔

آپ جو تہذیب کی مشعل لیکر شرق کو جو منبع انوار ہے روشن کرنا نہیں بلکہ جلانا چاہتے ہیں یہ اسلام ہی کی نعمت ہے جس کا سوء استعمال کر رہے ہو۔ قافلۂ خواب بردہ کو رہزنوں کی طرح لوٹ کر ان کے مال و متاع کو اپنا سمجھتے ہو۔ کارواں کو جاگ لینے دیجئے۔ اس میں مدبر و مبارز موجود ہیں۔ ہم مسلمانوں نے بہت محنت و زحمت سہی صدیوں سعی و مجاہدت میں گذارنے کے سبب تھکان غالب آگئی۔ چندے اونگھ اور نیند کی گود میں لیٹ گئے یہ ہمارے خواب اور اضغاث احلام ہیں جنکو آپ ہماری بیداری کی باتیں سمجھ بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کی گالیاں اور میرے رفقا کے ناموزوں اشعار نیم خوابی کا نتیجہ ہیں۔ چوروں کے پاؤں کی آہٹ سے ان کی آنکھ کھل رہی ہے۔ تمہاری توپوں کی آوازیں ان کو ہوش میں لا رہی ہیں پھر وہی سابقہ عہد عود کریں گے۔ جب عدل و علم سے دوبارہ نفوذ و تاثیر گم ہو جائیں گے۔

آپ چند افغانوں سے تمام مسلمانوں کا قیاس کرتے ہیں۔ جو صحیح منطق نہیں۔ جواب الزامی سنئے آپ کے صلیبی مجاہدین نے سلطنت بزنطین کی مہمان نوازی کے صلے میں ان کے پایۂ تخت کو تاخت و تاراج کیا۔ کیا وہ شہر شہیر دشمنوں کا تھا اور وہاں کی عورتیں غیروں کی تھیں۔ جو غارت اور عصمت دری کا اقدام ہوا جس علاقے سے بھی تمھارے مذہبی جنگجو گذرتے تھے اس کو تباہ

کرتے اور اپنے ہم کیشوں کے مال و جان اور عزت و ناموس کو برباد کرتے جاتے۔ کیا تمھارے دین نے ان قباحتوں اور شناعتوں کا امر دیا تھا؟ حضرت عیسےٰ نے تمام بنی بشر کو ایک دوسرے کے بھائی کہکر اس اغراق سے امن و صلح جوئی کا ارشاد کیا کہ اگر کوئی تیری ایک گال پر تھپڑ لگائے تو دوسری طرف بھی اس کے سامنے پھیر دے اور اگر کوئی تیرا کرتہ لے جائے تو چغا بھی اس کے حوالے کردے تم نے کیوں مسلمانوں کی عبا قبا بسم جان ملک و دولت کو غضب کیا؟ پھر کس منہ سے ہم کو ملزم گردانتے ہو۔ آپ کی دریدہ دہنی کے لئے الزامی جوابات بہت ہیں۔ فی الحقیقت ہمارا مذہب سب ادیان پر فوق ان کا ناسخ اور اکمل واتم ہے سے

اسلام بذات خود ندارد عیبے - ہر عیب کہ ہست در مسلمانی ماست

اگر تمھارے بدبادشاہ جان کی طرح جسے سب مورخ برا کہتے ہیں ہم میں بھی ظالم سلاطین گذرے ہیں۔ تو شیر شاہ کی طرح بھی کم نہیں ہوئے۔ اس افغان بادشاہ نے ایک عالم فاضل کو اپنا مصاحب بنا کر حکم دے رکھا تھا کہ اگر مجھ سے خلاف شریعت کوئی حرکت سرزد ہونے کو ہو تو تلوار کے میان کو ہاتھ لگائے۔ اگر اس پر اصرار کروں تو تلوار باہر نکالے۔ اگر پھر بھی باز نہ آؤں تو میری گردن اڑا دے۔ ورنہ وہ خود قتل کیا جائیگا۔ شیر شاہی سڑکیں اب تک ہندوستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک اس کی عظمت و حشمت کی شواہد ہیں۔ منزلوں پر رباطیں اور کنوئیں اور مناروں پر نقارے فقط بلے تا مخابرہ کرتے تھے۔

الفرڈ فریڈرک پیٹر چارلس وغیرہ جو سب اعظم و کبیر کے لقب سے منسوب ہوتے ہیں۔ ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرو اور ان کی صوری و معنوی بڑائیوں کو مجتمع کر کے عمر فاروق کے ساتھ موازنہ دو۔ اس کی قلمرو ان سب کے ممالک سے وسیع تر اور اس کی سیرت ان کے نقائص سے معرا ان خصائل سے مزین تھی جس کا عشر عشیر بھی تمھارے کسی بادشاہ یا رئیس جمہوریت میں نہیں پایا گیا۔ ساری رعایا کی خبرگیری فرد واحد تک عرب شام مصر اور ایران میں اسی طریقے سے کرتا تھا جو تم باوجود کثرت جرائد و اخبارات کے نہیں کر سکتے۔ پہلا روزنامہ اسی کی بدولت جاری ہوا سے این سخن را چوں تو مبدء بودۂ۔ گر فزوں گردد تواش افزودۂ۔

اس کا عدل اور مساوات اس درجہ تھا کہ ایک ادنےٰ کسان یا دکاندار کی طرح خوراک و پوشاک میں زیادتی نہیں ہوتی تھی تا کہ کسی معمولی مزدور سے بھی بہتر و برتر کھا اور پہن کر بے انصافی اور نفس پرستی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ تمھارے مصلحوں اور مدبروں نے غلامی کو موقوف کر کے اپنے بنی نوع پر بڑا احسان کیا۔ مگر وہ اپنے معزز نوکروں بلکہ عزیز دوستوں کے ساتھ وہ معاملت نہیں کرتے جو وہ اپنے غلاموں کے ساتھ سلوک کرتا تھا۔ فلسطین کے سفر میں اپنے غلام کو نوبت بنوبت اونٹ پر سوار کرتا اور جب منزل مقصود پر پہنچا تو خود پا پیادہ تھا۔ مسلمان سرداروں نے مجبور کیا کہ گھوڑے پر چڑھ کر مصالحت کی گفتگو کے لئے تشریف لے جائیں۔ جب اس نے عادی سستی دکھائی تو جھٹ اتر پڑے یہ کہکر ھلک عمر۔ یہ ہلاکت کبر و نخوت کا اندیشہ تھا۔ ورنہ یہی عمر سرکش پھیرو کو رکاب اور لگام کے بغیر رام کرتا تھا۔ جب اونٹ پر نمودار ہوا تو بیت المقدس کے امرا و رہبان نے اس کی اخلاقی قوت و افضلیت سے اتنی ہیبت کھائی کہ وہ شہر جو ہزاروں شجعان مسلمانوں کے محاصرے کی تاب مقادمت لا سکا تھا مزید

مقابلے کے بغیر تسلیم کر دیا۔

گرجے میں مسلمانوں کو مدعو کیا گیا۔ خلیفہ نے اپنی نماز باہر ادا کی تا کہ سنت قائم ہو کر خلف کو آئندہ دوسروں کے معابد میں مداخلت کا موقع نہ ملے۔ آپ وہی نصاریٰ ہیں کہ جن کے عبادتخانے لڑکیوں کی اداگاہیں ہیں۔ چنانچہ یروشلیم کے پادریوں نے جمیل عورتوں کو کلیسا میں مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو بٹھایا اور ایک کو آخر گرفتار کر کے چھوڑا۔ خلیفہ نے پھر بھی بردباری دکھائی۔ مرتد کے باپ نے اس قدر کہا کہ اے لڑکے۔ حسن کی بہار چندروزہ ہے اور باقی عمر خزاں۔ کل ہم بہشت میں ہوں گے اور تو دوزخ میں۔ یہ فرق جاودانی ہوگا۔ تف ہے تیری دوراندیشی پر۔ ایک مورخ بیان کرتا ہے کہ اس تقریر سے گرجے کی قندیلیں جھوم گئیں۔ مگر دلدادہ نہ سمجھا اگرچہ چندے بعد انسان یعنی مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرؓ اپنے تئیں رسول اکرمؐ کا خادم قرار دیتا تھا۔ ابوعبیدہؓ اس کا نوکر تھا اور خالدؓ اس کا چاکر۔ ابوعبیدہ کے حق میں بعض مورخوں کی یہ رائے ہے کہ وہ دیگر مسلمان افسروں کی نسبت بحیثیت سپہ سالار بلند نہیں تھے۔ مگر نپولین نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کی عسکریت کا عکس اگر فرانسیسی سپاہیوں پر پڑ جاتا تو ہر ایک میری مانند بن جاتا۔ اگر عیاضؓ اور عمروؓ کے شخصی فضائل کا مقابلہ اسی کار سیکائی جرنیل کے ساتھ کیا جائے تو وہ شرمندہ ہو کر سینٹ ہیلینا میں روپوش ہو جائے اور ان کی تدبیر و شجاعت اور وسعتِ فتوحات کے سامنے پست حوصلہ ہو کر حب جاہ کو خیرباد کہہ دے اور لنڈن میں جا نکلے جہاں عوام اس کی آؤبھگت کرنے لگیں تو خواص خدشے میں پڑ کر اسے بازاروں سے ہٹا گلیوں سے نکال کر مقید کر دیں۔ سلیمان الپ ارسلاں اور صلاح الدین کی مانند سلاطین اسیر شاہان مسیحی کو عزت و آبرو سے رہا کر کے کر دیتے تھے کہ بلا تامل پھر مقابلے پر اتریں اور تم بوناپارٹ وغیرہ کو جبن و فریب سے گرفتار کر کے حبس دوام میں قیام دیتے ہو۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا۔

حاجی میرویس خاں افغان بادشاہ نے اپنے دروازے پر نوبتِ شاہی نہ بجائی اور بادشاہی نام بھی قبول نہ کیا تا کہ اس تمیز و امتیاز سے اس کی قوم کا جذبۂ حریت و مساوات پامال نہ ہو۔ اس نے پچاس ہزار تیم نصرانی گرجیوں کو قتیل و اسیر و فرار کیا۔ اور اس کی سپاہ میں سے کسی نے ایک پری قاف کو یا ایک نوجوان جارجیا کو مورد ہتک و اہانت نہ بنایا۔ اس کے بعد کئی افغان بادشاہ گذرے ہیں جو عفت و عصمت کے مجسمے کہے جا سکتے ہیں۔

کرنیل یوسف! تم نے پطرس حواریٔ مسیح سے بھی عبرت حاصل نہ کی کہ نبی کا شاگرد بھی خطا و خیانت کا مرتکب ہو سکتا ہے ہماری ملت پر معترض ہوتے ہو کیونکہ بعض افراد سے تم نے قصور دیکھا۔ کوچہ و بازار میں جو لوگ تمھاری نظروں سے گذرے وہ لنڈن اور پیرس کے عوام کالانعام سے بدرجہا بہتر ہیں۔ نظری سے فعلی فحش تک ع تفاوت از زمیں تا آسمانست۔ فوجی افسر ہو کر اس سے کیونکر بے خبر ہو سکتے ہو کہ تمھارے مشہور شہروں میں روزانہ کتنے ثالث بالخیر پیدا ہوتے ہیں۔ ان حرامیوں کو لشکر

میں داخل کرتے ہو۔ اگر اس نیت سے ہو کہ ان کا اعدام اسی طریقے سے ہو جائے۔ خس کم جہاں پاک تو خیر مگر تم اپنے ان بادشاہوں اور فاتحوں پر فخر کرتے ہو جو بلا شائبہ شبہ طبیعی اولاد تھے آسٹریا کا ایک بادشاہ گریزہ کی حالت میں بھی زنا سے دست بردار نہیں ہوتا۔ جس گاؤں میں سے گذرا ایک لڑکی کو وہاں چند مہینے بعد بچہ پیدا ہوا جس کا نام ہنیا دی رکھا گیا۔ جو تاریخ بلقان میں اہل یورپ کے نزدیک عظیم شہرت کا مالک ہوا۔ تمہارا ادیب شاعر لارڈ بائرن اطالیہ میں کیا کچھ نہ کرتا رہا۔ مسافرت میں بھی اہل وطن کی پردہ دری اس کی ناموری کو بٹہ نہ لگا سکی۔ یہ عاداتِ رذیلہ اور پھر ان پر اغماض! تمہاری ملکہ ملکہ الزبتھ جس کی حکومت و مملکت پر ناز کرتے ہو۔ ریلے اور لیسسٹر کے ساتھ کیا تعلق رکھتی تھی حالانکہ بے شوہر تھی۔ اگر اس رابطے کا نتیجہ نکلا اور کسی نے آہستہ سے کہ دیا کہ ملکہ کا لڑکا تھا تو وہ زندہ جلادیا گیا یا ہمیشہ محبوس رہا۔ باوجود اس کے وہ بڑی مدبر تھی اور اس کی سلطنت بھی عالیشان تھی۔ تمہارے اپنے مورخ لکھتے ہیں۔ کہ ترکی سلطان کو اپنا مساوی نہ جان کر بلا واسطہ اس کے ساتھ مراسلت نہیں کرسکتی تھی بلکہ اس کے وزیر کے ذریعے مکاتبہ کرتی تھی۔ اس پر تمہارے بعض محرر حیران ہوتے ہیں اور شک لاتے ہیں تو دوسرے اقرار کرتے ہیں کہ واقعی مسلمان کبھی اتنے اونچے بھی رہ چکے ہیں لَيْسُوْا سَوَاءً اہل کتاب میں سب یکساں نہیں ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو سچ کہ جاتے ہیں۔

کرنیل صاحب! میرے رفیق جو تیری ملامت کا نشانہ بنے ہیں ان میں سے بعض ناخواں ہیں۔ پھر بھی وضو اور نماز سے تمہارے شرفا سے زیادہ پاک وصاف ہیں۔ تمہارا ظاہر آراستہ ہے اور باطن سے بے خبر ہو نہ صرف تمہارے جسم باہر سے ستھرے اور اندر سے میلے ہیں۔ بلکہ تمہارے ارادے بھی فاسد ہیں۔ جو تمہارے کرداروں سے ثابت ہو رہے ہیں۔ اگر میرے دوست بے محل ظرافت کر بیٹھتے ہیں۔ ان کی بے علمی ہے۔ مگر اس میں بھی لطافت ہوتی ہے۔ چنانچہ سردار کا کہنے مجھے کہا تھا۔

ستا دمخ نگر لمر نہ دئ تا جوڑ	چہ مسیحی و علاج تہ سفری ولاڑ
چہ تائے دتا سرہ دیوسف حسن	ترازو پسے واسماں تہ مشتری ولاڑ
ہوا عارض ترے عارض سے شاید عارضہ خور کو	مداوا کیلئے عیسےٰ جو اس کے پاس جا پہنچا
جو تولے ساتھ تیری خوبیوں کے حسن یوسف کو	ترازو کیلئے ہے آسماں پر مشتری نکلا

پشتو شاعر کی لطیف بلند پروازی ملاحظہ کیجئے۔ خوبی ظاہری بھی ہوتی ہے باطنی بھی اگرچہ مؤخر بہتر ہے۔ مگر جس کو دونو کا عطیہ ودیعہ ہو اور دوسرا اس کی تعریف کرے تو آپ کو برا منانے کی حاجت نہیں۔

ہم مسلمان حنیفی ہیں اور افغان حنفی بھی ہیں۔ امام اعظمؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ امام محمد انکا شاگرد بچپن سے ان کے پاس سبق پڑھتا تھا۔ ایکدن پوچھنے لگا کہ داڑھی کو دھونا چاہئے یا صرف گیلی انگلیاں بالوں میں پھیر لینا ہی کافی ہے تو بڑے امام نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا تمہارے داڑھی نکل آئی؟ اس وقت اوپر دیکھا کیونکہ کسی خوبصورت شخص کی طرف ایک دفعہ دیکھنا

جائز ہے۔ لڑکپن سے اب تک اسکی طرف نگاہ نہیں کرتے تھے تاکہ دوسروں کے لئے پیروی کا نمونہ ہو۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے ایک جمیل لڑکے کو خلوت گاہ سے باہر بھیج دیا یہ فرما کر کہ اس کی ہم نشینی گناہ کی دگنی محرک ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ساری عمر میں بڑا گناہ یہ کیا کہ ایک حسین نوجوان کی طرف سیر ہو کر دیکھا۔ جب یہ نظارہ یاد آتا ہے تو خدا کے سامنے شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہوں اور اسکی یاد مجھے عذاب دیتی ہے۔ آخرت میں دیکھئے مغفرت کیسے ہوتی ہے۔ ایک ولی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کافر کے لڑکے کو دیکھ کر کہا کہ یہ اپنے جمال کے ساتھ دوزخ میں کیسے جلایا جائے گا؟ اس خیال کے گذرتے ہی میری دماغی معلومات اور مدرکات میں اتنا فرق آیا کہ میں اپنے دل میں قیاس کرتا تو ایک نادان اور وحشی کی مانند تھا۔ توبہ کرنے کے بعد کہیں سابقہ کیفیت پھر حاصل ہوئی۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ نگاہ شیطان کا ایک تیر ہے۔ اس سے مراد یہی ہوس کی نظر ہے۔ جیسے قرآن میں خائنۃ الاعین فرمایا ہے

ایک مسلمان عالم حج کو جاتے ہوئے منزل پر اترے تو وہاں کے ایک دولتمند شخص کی پری پیکر لڑکی ان پر عاشق ہو گئی اور موقع پر تنہائی میں ان کے پاس آکر محبت کا اظہار کرنے لگی۔ جب انھوں نے منع کیا تو آہ وزاری سے منت سماجت کرنے لگی۔ جب کسی طرح اسے ٹلتے نہ دیکھا تو آپ خود وہاں سے بھاگ نکلے۔ بعد میں اپنا موازنہ حضرت یوسف کے ساتھ کیا کہ انھوں نے ایک دفعہ قصد تو کیا تھا اور میں نے ہرگز کوئی ارادہ نہیں کیا۔ شاید اس میں گستاخی ہوئی کہ بڑھاپے میں یہی واقعہ یاد آیا تو دل میں کہا کہ جوانی میں اگر اس لڑکی کی ہوس پوری کر دیتا تو وہ بھی مایوس نہ ہوتی اور میں بھی اب تک توبہ سے پاک ہو جاتا۔ اس حسرت کے خیال پر غم کھانے لگے کہ پیری میں یہ آرزو قابل تعزیت ہے۔ چالیس دن تک ماتم کرتے رہے۔

ہمارے اولیا تقوے رکھتے تھے اور خدا سے ڈرتے تھے جو ہم سے اتنا قریب ہے کہ اور کوئی چیز اس سے زیادہ نزدیک نہیں وہ ایک ہے اور اسی میں سب صفات ہیں۔ مسلمان عالم ہوں یا جاہل اپنے خالق کو سمجھتے ہیں۔ آپ کی طرح تین معبودوں کی بھول بھلیاں میں الجھے ہوئے نہیں۔ حضرت مسیحؑ مٹی کے پرندے میں جان ڈالتے تھے اس لئے خدا تھے۔ انسبت خفاش باعیسے چو عیسے با خدا است۔ میشود عیسے خدا خفاش گر عیسے شود۔

جوزف "میں آپ کو زیادہ تکلیف دینا گوارا نہیں کرتا۔ آپ کی بحث بہت دلچسپ تھی۔ میں نے قطع کلام کی اس لئے جسارت کی کہ باقی رفقا ذرا گھبرا گئے ہیں شاید میری وجہ سے تنگ آرہے ہوں۔ ؎ مہمان گرچہ عزیز است ولیکن چو نفس۔ خفہ مے سازد اگر آید و بیروں نرود۔

خان زادہ قریشی "آپ کو ہم جانے نہیں دینگے۔ کیونکہ عزیز ہونے کے لئے اسارت شرط ہے۔ مگر آپ سے ہم ڈرتے بھی ہیں۔ ؎

اول بہار خط آخر بہار حسن اجتماع فصلین است حذر باید کرد۔

مشاعرہ

یوسف اور خانزادہ کے نظامِ کلام سے معلوم ہوگیا کہ وہ دینی مذاکرے سے تھک کر اب کسی ہلکے مضمون کی طرف جھک رہے ہیں۔ یوسف نے خود مباحثے کو چھیڑ کر خود ہی توڑا مگر اپنے عقائد کا کوئی بیان نہ کیا کہ آیا اکرم کی باتوں کا ان پر کوئی اچھا یا برا اثر ہوا۔ بلکہ مضمون ہی اور شروع کر دیا۔ میزبانِ ضیافت آئین کی انگلیاں مضراب کی تزئین اعلان کر رہی ہے کہ اب گانا بجانا مناسب ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کا طنبور بہت متبرک ہے کیونکہ اس کی لکڑی خاکِ مصلےٰ سے اگی اور رکن آباد کے پانی سے بڑھی ہے۔"

خانزادے نے طنبور پکڑ کر کہا۔" حافظ کی یاد مقدس ہے۔ اس کی غزل بھی ماءالحیات ہے یا مایۂ زندگی ہے۔ معرفت کے پیاسوں کو ذوق بخشتی ہے اور حظ جو اس سے حاصل ہوتا ہے کسی دوسری کلام سے ممکن نہیں لیکن اس کے باطنی معنی قبل اسکے کہ ہمارے ذہن میں سمائیں۔ اس کا ظاہر نفسانی شہوات کی طرف لے جا کر ہم کو گنہگار بنا دیتا ہے بلکہ پیشتر اس کے ہمارا یوسفِ عزیز اپنے پر اطلاق دے کر برا مناتا ہے۔ بیدل کی غزل میں کوہ و کوتل ہیں۔ اس وقت کہ ہمارے پہاڑ اور گھاٹیاں کفار سے بھرے ہیں اور ہم مجبور ہیں کہ ان پر چڑھ کر غیر کو وہاں سے نکالیں۔ معنوی جبال پر چڑھنا فرصت چاہتا ہے۔ نیز بیدل در صائب اور ان کی مانند شعرائے صاحبدل اعلیٰ حلوے پیش کرتے ہیں۔ جو باوصف لذت کے ہر وقت تحلیل نہیں ہو سکتے اور موافقتِ مزاج بھی احتمالی ہے۔ لہٰذا اپنی ہی نانِ خشک پر اکتفا کرتا ہوں۔ ہم لوگ چونکہ سپاہی ہیں سوکھی روٹی ہی کو نعمت سمجھتے ہیں اگر اپنی محنت سے کمائی ہو۔ اہلِ قلم سے لطافت متوقع ہے تلوار والوں سے سادگی ؎

اگر باز آمد از غفلت جفا کرد۔ تلافی کرد چوں ظالم بلا کرد + پشیمانی باایں زودی کہ دید ست۔ پسِ از قلم توبہ ابتدا کرد
چو چشماں چار شد با من صنم گفت۔ پری قاف در قلزم شنا کرد + بتِ کافر توے قلبِ سیاہ پوش۔ بچشم و زلف کفرستان بنا کرد
زمد ہوشی شنیدم وصلِ عاجل۔ بعجلت آتشِ دیگر ہجا کرد + نگارم خواند در مسجد نمازے۔ ادا بنمود و از دگراں قضا کرد
جہانست ایں زماں سیرِ گلِ سرخ۔ زمیں را خونِ احمر لالہ زا کرد + بمیدانِ وغا باشد چو یوسف۔ بشوق و ذوق مے باید غزا کرد
قفس را ہر گز ایں طائر نشاید + بباغِ عالمش باید رہا کرد

یوسف نے اس اندیشے سے کہ مبادا خانزادہ کوئی ناگوار کنایہ کر بیٹھے انگریزی لہجے میں چند شعر پڑھنے کی معذرت اور اجازت چاہی ؎

بیا بدا حجر زاید میزبانم + کہ بازندانیش محفل بپا کرد
زخواند نہالئے خوش الحان یحانم + فراموشی بندِ تن عطا کرد

سردار کاکہ "انگریزی اور مقامِ ایرانی سے ہم مسرور ہوئے ع میزبانیکہ زخود سیر کند مہمان را۔ چہ ضرور است کہ آراستہ دارد خواں را۔ امید ہے کہ اکرم آغا بھیروین شیریں کا لطف بخشیں گے۔"

گل جاں "پہلے اس نوکر سے اس کے سابق آقا کی مانند تو کچھ سن لیجئے ع

کتِ تو مے سنجم او یار کتِ تو مے سنجم

پٹ کردہ رویت ماہر وتشاید ۔ ابرک بقرہ پر تو ایں باید

کاکلِ مشکیں بستم مشکہا ۔ زلف سیاہش شد قرہ لغرا

یارم کافر دشمن کافر ۔ کومکِ ماشو خالقِ اکبر

از لاتسبوا الدہر مے ترسم ۔ لاجرم ماہمیقہ میگم

کت تو مے سنجم او دہر کتِ تو مے سنجم"

یوسف نے کہا کہ باوجود فارسی سیکھنے کے مجھے کابل کی زبان سمجھ نہ آئی۔ اس پر گلجاں نے اس کو سبق دیا کہ کت۔ ساتھ پٹ۔ چھپانا، ابرک۔ بادل، بقرہ۔ برقع، قرہ لغرا۔ قیدی کی زنجیر، لاتسبوا الدہر۔ حدیث ہے کہ زمانے کو گالی مت دو۔ ہمیقہ میگم۔ ہمیں قدر میگویم۔

اب سردار کی التماس پر اکرم نے رباب کی تار کے نیچے سے شاہباز نکالا یعنی چھوٹی سی لکڑی جو مضراب کا کام دیتی ہے اور کہا "رحمٰن پشتو کا حافظ ہے اس کی قبر پر جو درخت اگا اس سے یہ شہباز تیار کیا ہے تاکہ جو ہاتھ نیزہ و تلوار کا عادی ہو وہ اس نازک ساز کا بھی ہمراز ہو جائے۔ آپ کے ارشاد پر میں بھی اسی طرح پر کچھ کہے دیتا ہوں ع

شہادت چوں بہ است از مرگ بستر بشوق و ذوق میباید غزا کرد + چو گردون طوعاً و کرہاً زنند ت۔ باعدا جنگ باید بارضا کرد

وصول مرتبہ بر حملِ آفت۔ اصولِ امر بر حرب اقتضا کرد + مسلماں شدت و غلظت بکافر۔ بومن رحمت و صدق و صفا کرد

از و بیگانگاں خیرے چہ بینند۔ کہ دائم شر بخویش و اقربا کرد + نبی در تہلکہ گفت آں کسے را۔ کہ امروزش بفردا التوا کرد

نہالِ قوم در ہر سر زمینے۔ بعلم و معرفت نشو و نما کرد + مل را کفر بافن بر ثریا۔ بخل را جہل بادیں در ثرےٰ کرد

شہِ مشرک زعدلش شد شہنشاہ۔ ستم سلطانِ مسلم را گدا کرد + چو بادو رعد و ابر از خوف باری۔ بنوبت آہ و افغان و بکا کرد

عقیق و لعل و الماس و زمرد + زمیں از سبزہ و گلہا سخا کرد

خانزادہ "سردار جاں۔ وہ غزل جو موہنی میں گایا کرتے ہو لائیے۔"

سردار "بشرطیکہ آپ طنبور اور اکرم رباب بجائیں۔"

گلجان "طوطی کی آواز نقارے کے سامنے کیسے سنائی دے گی۔ رباب سے بڑھ کر کسی ساز کی آواز نہیں۔ آپ خود

کیوں نہیں بجاتے؟ کیا اسلئے کہ گانا ساز کے ساتھ مشروع نہیں؟ ہم تو طریقہ چشتیہ میں داخل ہیں۔ لائیے مجھے رباب دیجئے۔"

سردار" ؎

زاہد آب از رباط خیل رنداں بنگ خورد ۔ دشنگ و دو زود گسلد خود چو باشد تنگ خورد
وعدۂ وصلش بگوشم کیف وجد آورد چوں ۔ در نگاہم کاکل و زلفش ستار و چنگ خورد
ساز عہدش چوں مبدل شد بسوز افتراق ۔ در سویدایم ذوائب مار سودا رنگ خورد
مثل ملاح عرب یا از عجم سرشارے ۔ توپ خصمش بین عماں از نظر سارنگ خورد
از مقام پر اثر دیپک چناں زد آں نہنگ ۔ ساحلش را ہمرہ کشتی ازاں آہنگ خورد
حق ز جہل اہل ناا ہلش شود مقہور کذب ۔ مسلم از کافر ہزیمت زیں جہت در جنگ خورد
بر کشں آخر بیض ہندی بر رخ بیض رقیب ۔ خواہد از غفلت وگرنہ در نیامش زنگ خورد
حارس ناداں اسیرے را اگر دشنام داد ۔ در قفس شیر ژیاں از طفل چوب و سنگ خورد
شہسوارے را بظلمش چرخ بر گردوں فراخت ۔ تیر دیگر از کمانش شل بپائے لنگ خورد
بر گرفتار مصیبت مدعی زد طعنۂ ۔ اسپ تازی تازیانہ در مجال تنگ خورد
از پری پیکر حذر کایں دیو سیرت یک جہاں ۔ با کمر چوں مور بستہ از دہان تنگ خورد "

مجلس میں یہ شرط قرار پاگئی کہ حاضرین صرف اپنے ہی شعر کہیں۔ اگرچہ بعض خیالات دوسرے شعراء سے مستعار لئے ہوں چونکہ یہ محفل قزلباشوں کے محلے میں منعقد تھی۔ اس لئے غزلیں فارسی ہی میں کہی جاتی تھیں۔ پشتو میں بھی نہیں اردو تو درکنار۔ قارئین کرام چونکہ اکثر گانے والوں سے شناسا نہیں اس لئے ان کی غزلیں ہی درج کردی جاتی ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوگا کہ ملک میں بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی حکومت نہیں۔ ایک طرف انگریز محصور ہیں۔ مگر افغان بھی مجبور ہیں کہ صبر سے کام لیں اور باوجود قتل میگناٹن کے چاہتے ہیں کہ صلح ہوجائے۔ غرض ہر طرف پریشانی ہے۔ قندھار سے لے کر جلال آباد تک ابھی ملت انگریزوں کی اسارت میں ہے۔ اسی لئے اکثر اشعار سے قید کی بندش اور آزادی کی خواہش ظاہر ہوتی ہے ؎

۱

سرزمین کابل و اشجار و اثمارش خوش است ۔ با شگوفہ ہائے گوناگوں چمن زارش خوش است
غنچہ ہائے نازک و گل ہائے رنگیں را دماغ ۔ بر نمیدارد کہ در حب وطن خارش خوش است
در بہارش تو نہالے را کہ بر کند دست بیخ ۔ انتقام باغباں از تیشہ بردارش خوش است

اثم و عدوان را اعانت فعل زشت است و شنیع - با رفیقِ ظلم دیده نصرت یارش خوش است
مسلمان زار را بازور و زر کردند زیر - آخر اہلِ زور را ہم سرنگوں سارش خوش است

۲

سر بر طریق راست نه و رشد خواه باش - زافتادگیت توشه کن و رو براه باش
بر روے آب رفتن خس عزتش نداد - با آبرو نشین و بتمکین و جاه باش
چوں کف سبک مرو بسطح و عمیق رو - دُر وار آبدار بزیر میاه باش
طیر و پری و باد بحکم خدا روند - محکوم امر حق شو و بر جمله شاه باش
گر در ہوا پری ز پرنده نه برتری - مغلوب کن ہوا و سلیمان سپاه باش
یا میر شو ببزم شہاں یا بجنگ میر - یا سر به ننگ در ده و یا با کلاه باش
آماده ساز قوت حرب و رباط خیل - از بارگاه بگسل و در پا یگاه باش
تا در ملل مقام بمحمودیت رسد - در سعی روز و شب بدعا تا پگاه باش
مانند کوه سخت و موقر بکافراں - با مومناں رحیم و فروتن چو کاه باش
چوں تخم سبز گشت خودش میشود خراب - آباد ساز ملت خویش و تباه باش
تو از نسیم خلق گل عیشِ خلق را - کن تازه و ز خار جفا پر ز آه باش
زلفِ فتن چو تیره کند روے دہر را - تو در میاں بنُور محاسن چو ماه باش
یک بازویت بگردنِ ظالم فگنده مشت - با دیگرے ستم زدهٔ را پناه باش
انداخت است ظالمے ار در قفس ترا - از رخنه ہاش قانعے بایک نگاه باش
رضوان چو بار داد بعاصئ با نیاز - با ناز دار گفت که اے بے گناه باش

۳

نے بینی از حرص شکل بہی - ز کُنہش ولے باید ت آگہی + ترقی بخواہی اگر بے کمال - سوئے بام بے آئینہ مے جہی
حریص کمال ار نگردی بجاں - ہمہ عمر تو بگذرد در کہی + پس از فضل شو طامع مستحق - که جلوه کنی بر سر برمہی
رقیب است از علم قوت عزیز - بضعف و جہالت تواند سو چہی + بکشور کشائی بکوش از ہنر - ز شاہی رسی تا بشاہنشہی
تو قانع بملکیکه در دست تست - بشو و بشو دست ہم از شہی + قناعت بود جد و جہد تمام - بانجام خیر و شرش تند ہی
میان مساعی بلا فکر و یاس - برافت ز تسکین دل سر نہی + ز بلع ممالک طمع شد زیاد - دگر طعمه مے خواہد از خر بہی

له گھوڑ دوڑ اور نیزه بازی کا میدان۔

سناں تیز بنما باسناں حرص۔ زآزارد آرزش پس مے رہی + عاکر بکش باسلاح وصلاح۔ کہ گویند اہل جہانت زہی
بکن پاک ارض از خرافات کفر۔ سما ہم سراید نوائے خہی + پس آسودہ در سایۂ امن عدل۔ شود خلق از لطف ظل الٰہی
چو رخسار سیبت پدید آوری۔ نماید مریض تو روئے بہی + زآزادی ورا ستی ام اسیر۔ بجل پائے بندا ست سروہی
یوسف "! فغانوں کی جدت طبع میں کوئی شک نہیں۔ اب تک قناعت کی تعریف شرق و غرب میں یکساں سنی جاتی تھی
اور یہی اکثر افراد و اقوام کی پستی و مغلوبیت کا باعث ہوئی۔ کیونکہ دنیا میں ہر وقت ارتقا جاری ہے جہاں کہیں قیام ہوا زوال
آیا۔ جو تعریف معنوی قناعت کی ہیں نے اب سنی اس سے مجھے پوری تسلی ہوئی۔ بیشک کوشش کرتے ہوئے اس کے نتیجے کی طرف
سے دل میں مطمئن رہنا ایک اعلےٰ خصلت ہے۔ میں شاعر کا ممنون ہوں اگرچہ وہ میری طرف دیکھ کر جتا رہا تھا کہ بعض اشعار
مجھ پر وارد ہوتے ہیں۔"

شاعر "— پیش کہ برم شکوہ از آں نرگس کافر۔ بیچارہ شہیدے زدم تیغ فرنگے"

یوسف "ایک نظم مجھ سے بھی انگریزی بحر میں سن لیجئے۔"

۴

برایں گماں کہ کمانِ چیں۔ بدو تیرِ ابرواں از کین + بمکاں بماند چنیں کمیں۔ کہ نساخت بسمل ہمگین
بعلاجِ کشتۂ محبّد تو۔ بتِ آہنیں دلِ تند خو + نرود طبیب زجستجو۔ پئے حب کشتۂ آہنین
چو بر ستم از ستم صنم۔ بوغاز رستی دم زنم + کہ بد ستم از بنہ بر کنم۔ ہمہ دستہ ہائے عدوے دیں
بگذر ز نازت و ناز کی۔ چو گذشت مدتِ کودکی + کمرت ببند بچابکی۔ کہ رسیدہ خط اے نازنین

کابلی شاعر "ایک شعر اسکا مجھ سے سمع فرمائیے۔"

بصفائے پاکی[1] بس اشد۔ ہمہ حرفہا چو بدار دد + بکند جلاے قدیم رد۔ کہ زریش پیش شود حسیں"

چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ یوسف نے منہ پر ہاتھ پھیر اکہ استرا لگائے دیر ہوگئی۔ حاضرین ہنس پڑے۔

خان زادہ "— ایں ریشِ تو کہ جانِ ماست تراشش۔ مگذار کہ جانِ ما برآید"

۵

بر پشیمانی دیشب نم بچشم ہم نبود — لاجرم بر غنچۂ دل صبح شبنم ہم نبود
آفتاب از سجدۂ شب گشت تابان و بلند — سرنگوں شد پس زسمت الراس چوں خم ہم نبود
عیدہا و ہم محرم در چنیں حالت گذشت — موقع شادی نیامد فرصت غم ہم نبود
تازیانش صید میکردند آہوے ختن — بہر قلبم از زبانِ کلب مرہم ہم نبود

---

[1] پاکی۔ استرہ

چشمۂ چشمش رواں گردید بر یک آہِ غیر - از فغان و نالہ ام در دیدہ اشکش نم ہم نبود
از نسب برترز شاہم یعنی از اولِ فقیر - این کمالِم نزد ابراہیم ادہم ہم نبود
چیست نسبت پلئے اسمٰعیل را با دستِ حق - آبروے آدمی مانند زمزم ہم نبود
کفر چوں برخاست از کعبہ مسلمانی کجا - دل چہ ضعف آورد و طاقت در سر و فہم ہم نبود
بود وقتے فاتحاں سر میکشیدند از عرب - مانع اقدامِ شاں کوہے کجا یم ہم نبود
زاتفاقِ پختہ خشت و گلِ ایواں شد بلند - در بدر میگشت خاکش چوں بہم ضم ہم نبود
علم چوں آموخت شد اعلیٰ و افضل از ملک - ورنہ با شیطاں مساوی قدرِ آدم ہم نبود
واقفے بر کلِّ اسماء گشت حاکم بر ہمہ - او فتادیم از خلافت علم چوں کم ہم نبود
دلربایم بر فرنگ است از دم توپ و تفنگ - فرصتِ جنگ از بمِ چنگ و ربابم ہم نبود
مستجاب الدعوتے را شاہِ مایوس العلاج - گفت پیشت یک دعائے بہر دردم ہم نبود؟
گفت علت را بود باعث ستم بر بیکساں - گو بسجنت یک اسیرے غیر ملزم ہم نبود؟
بے گناہاں را رہا نید و ترحم پیشہ کرد - پس مرض بر تن نماند و دل‌کش ہم ہم نبود

(۶)

شد بدر خار ز پائے و خلیدن با قیست - گشت گل سوزشِ دل لیک تفیدن باقیست
جانِ من خوں شدہ از دستِ فشار ظالم - اندمالش بکجا زہرہ کفیدن باقیست
مدتے بسمل و حیران و پریشاں سر شد - چقدر بیش بایں حال طپیدن باقیست
چشم و دل بال کشیدہ ز قفس باز شود - گرچہ آزاد اسیر است رہیدن باقیست
صد اجل صید دلم کرد و ہنوزش صد است - دمبدم گرچہ شہید است رسیدن باقیست
ابر و باد و گل و گلشن ہمہ در جوشِ بہار - یک فقط غنچۂ دل آہ دمیدن باقیست
وایۂ دہر مکن تلخ تو پستانِ معاش - طفل چل سالِ مرا شیر مکیدن باقیست
ساقی و ساغر سالِغ مے و مینا موجود - از کفِ پیرِ مغاں ذوقِ چشیدن باقیست
گوشم از طعنہ و تشنیع عدو شد فارغ - شکوۂ یار دلآرام شنیدن باقیست
گاہگاہے چند و گر ہمت مردانہ بنہ - منزلم طے شدہ انجام رسیدن باقیست
خالقِ مالکت از ہر دو جہاں داد عطا - در حضورِ شہِ مخلوق خمیدن باقیست

خانزادہ - "نظم کو خیرباد کہکر ذرا نثر کو آباد کیجیے - کرنیل یوسف بنشست و برخاست - دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھکر باغ میں دل شاد کیجیے۔"

سب حضار محفل وسیع بارشوں جو گھر کے ساتھ ملحق تھا ٹہلنے لگے - سردار کاہنے ... دلفریب منظر گذار رہے تونہالان چمن کے رنگ و بو سے ہوا معطر اور فضا خوشگوار ہے نسیم صبح انگشتوں کے منہ پر ... سرکا دیتی ہے اور شتہ قدان چمن کی نگاہ ان پر جما دیتی ہے - عمر سرکے بھونکے بے برگ شاخوں کو جھبڑ رہے ہیں ... ان سے شگوفہ نمودار ہوتے ہیں - زمین پر چاندنی بچھ جاتی ہے - برف باری کی گھڑی لوٹ آتی ہے - پھولوں میں سرخی کی جھلک ہے جو خون برف ... ہے۔

ہم بزم کا مزہ لے چکے ہیں - اب رزم کی طرف جھکتے ہیں۔

فرار میں گرفتار:

دریائے کابل کے کنارے شاہ دو شمشیرہ کی قبر اور مسجد ہے جس کا امام ... چند مقتدیوں کے ہمراہ اندرابی ہیں جو قریب محلہ ہے اپنے گھر کو جا رہا ہے - راستے میں پانی کے نزدیک کوئی چھوٹی جھونپڑی میں ایک چرسی بیٹھا ہوا ہے - نشے میں مال و دولت کا خیال آتا ہے جو خواب میں بھی منتقل ہو جاتا ہے - تصور کرتا ہے کہ چور آیا ڈرتے ڈرتے آدمی آنکھ کھولتا ہے - اس کا اپنا گھٹنا کھڑا ہل رہا ہے - اسی کو چور سمجھکر آہستہ سے لاٹھی اٹھا کر زور سے مارتا ہے - چوٹ کھا کر فریاد کرتا ہے تو پاس ہی سے ملا گذرتا ہوا سبب پوچھتا ہے۔

چرسی - "اگرچہ میرے گھٹنے میں اس نے سخت ضرب لگائی ہے - مگر میری لاٹھی بھی اسے ساری عمر یاد رہیگی۔"

ملا - "کیا باتیں کرتے ہو؟ تم نے کسے مارا؟"

چرسی - "چور کو اور کس کو؟"

ملا - چور کو تمہارے پاس کیا کام تھا؟ یہ سب نشے کا فساد ہے جو ہوش و حواس کھو کر انسان کو خود اپنے مال و جان کے ضرر پر آمادہ کرتا ہے - دین و ایمان جدا خراب ہوتے ہیں - آخر اس کو ترک کیوں نہیں کرتے؟ یہ چرس کی وجہ سے ہے کہ تمہارے نزدیک مسجد سے پانچ وقت موذن نماز کی طرف بلاتا ہے اور تم سنتے ہو اور جواب نہیں دیتے - مسلمان جماعت کے ساتھ خدا کے دربار میں کھڑے ہوتے ہیں اور تم شیطان کے پاس بیٹھے یا لیٹے خیالی چوروں سے پٹتے ہو - یہ دنیا کا عذاب ہے اور آخرت میں جہنم میں جلوگے۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ - ... عذاب چکھاتے ہیں تاکہ برے کاموں سے لوٹ کر بڑے عذاب سے بچیں - او نادان چرسی کیا تمھیں پل صراط کی خبر نہیں ہے جو تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے - اس پر سے کیسے گذروگے؟

چرسی - "ملا صاحب - ہم نے یہ سب باتیں سنی ہیں - یہ دریا پر پل ہے جو انسانوں نے بنایا ہے اس پر سے تو گھوڑے اور ہاتھی بھی گذر جائیں اور خدا کا پل ایسا کمزور جو اس پر سے گرنے کا خطرہ ہو - جاؤ ہمیں دق نہ کرو - یہ باتیں کسی اور کو سناؤ۔ تم خدا کے راستے میں پیدل

جا رہے ہو تو ہم سوا منزل طے کر رہے ہیں۔ جاؤ اس قدر کبر نکرو۔ چرسی اپنی عاجزی کے سبب بخشے جا چکے ہیں۔ ہم نے بہتیرے زمانے دیکھے ہیں۔ سکہ زد برسیم و زر شاہ شجاع انی۔ خاک پائے لاٹ برنس و ترسٹم کمپنی۔ وہ لاٹ بھی مجھے نہیں بھولتا تھا اور اس لاٹ کا آدمی نور خان آغا ہمیشہ چہرہ شاہی روپے لا کر مجھے دیتا تھا۔ تم نے دو نو بڑے کافروں کو مارا اور مجھے بھی ساتھ مار دیا۔ اب مرے کو مارے شاہ مدار۔ چھوڑ دو مجھے اپنی بے فائدہ باتوں سے نہ ستاؤ۔"

ملا۔" کیا تم کافروں کے قتل پر خوش نہیں ہو۔ نشے نے تمہاری مسلمانی ڈبو دیا۔ بیشک عاجزی اچھی چیز ہے اور نشے والی اشیا میں فوائد بھی ہوتے ہیں۔ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا۔ جوئے اور نشے میں فائدے بھی ہیں مگر گناہ نفع سے بڑھکر ہے"

ملا چرسی کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کو سمجھاتا گیا کہ پل صراط سے مراد وہ باریک فرق ہے جو آرام اور درد اور نیکی وبدی کے درمیان واقع ہے۔ ہر ایک آدمی ان چاروں چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان میں سے ضرور گذرتا ہے۔ جو حق پر قائم ہو اور ہمیشہ اس کا خیال رکھے اور اس پر عمل کرے وہ درد اور بدی کو سہکر اور ان کا مقابلہ کر کے نیکی اور آرام حاصل کر لیتا ہے بلکہ بدی سے درد اور نیکی سے آرام ملتا ہے اور یہی عقیدۂ اسلامی ہے۔"

رات کو عشا کی نماز کے بعد امام نے اتنے نفل پڑھے کہ کوئی مقتدی مسجد میں نہ رہا۔ اکیلا مسجد سے نکلکر چرسی کی طرف آیا جو ایک رفیق کے ساتھ بیٹھا اونگھتا باتیں کرتا تھا۔

چرسی۔ " آج میں نے اونٹوں کی قطار دیکھی جو فرنگی کے لئے رسد لا رہے تھے۔ اکرم غازی نے راستے سے لوٹ لئے۔ نام خدا کیا جوان ہے۔ سب خوبیاں موجود ہیں لیکن بے عیب خدا کی ذات ہے۔ غازی میں ایک عیب ہے۔"

رفیق۔ " کہ چرس نہیں پیتا"۔

چرسی۔ " ہاں اونٹوں کی بات تھی۔ گردنیں بلند اس طرح جا رہے تھے جیسے ایک سرو قد آدمی چرس پینے کے بعد جھومتا جا رہا ہو۔ میں نے دل میں کہا۔ خدایا! تیری مخلوق میں کوئی چیز بیکار نہیں ہے مگر ان اونٹوں میں تو کوئی فائدہ نہیں دکھائی دیتا سوائے بیوقت رونے کے جو صبح کے موذن کی طرح اسی وقت مجھے جگاتا ہے جب فوراً میری آنکھ لگی ہو۔"

رفیق۔ " میرا خیال بھی یہی تھا۔ مگر جب اس کی لید کی آگ میں چرس پی تو اونٹ کے نفعے کو سمجھا۔"

چرسی۔ " ہاں مجھے بھی یاد آ گیا۔ خدایا میری توبہ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبَةً نَّصُوحًا۔

ملا۔ " پوری آیت پڑھ۔ درمیان تُوبُوا إِلَى اللَّهِ کو چھوڑ دیا۔"

چرسی۔ " پھر ملا کی بلا نازل ہوئی۔ ہم کو تو کوستے ہی تھے۔ اب قرآن میں بھی دست اندازی کرتے ہو؟ ہم نے تو اپنے بزرگوں سے ایسا ہی سنا ہے۔"

ملا۔ " أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔ اگرچہ تمہارے باپ نہیں سمجھتے تھے اور ہدایت نہیں پاتے تھے"

چرسی :- "اب ہمارے باپ دادا کو بھی گالیاں دیتے ہو۔ واللہ۔ اگر اٹھ سکتا تو تمھارے ساتھ لڑتا"

رفیق :- "اگر میری زبان میں زور ہوتا تو گالیوں ہی سے جواب دیتا"

ملا :- "افغانی ضرب المثل ہے کہ افیونی لڑکا نہ ہونے سے بد تر اور دو چرسی ایک آدمی کے برابر۔ یعنی تم دونو اور میں اکیلا
سری ہیں۔ چلو ان باتوں کو جانے دو۔ لاؤ ایک چلم چرس تو پیوں"

چرسی :- "نہ کہ مسلمان ہو گئے ہو؟"

ملا :- "مدت سے۔ ہمیشہ شاہجہانی[1] چرس پیتا ہوں۔ اور کبھی ناغہ نہیں کرتا۔ آج رات میں نے کہا کہ دوستوں کے
ساتھ مل کر پیوں"

رفیق :- "امام ہو کر تم چرس کیسے پیتے ہو؟"

ملا :- "ایک سبب ہے۔ دن کو بھنگ پیتا ہوں۔ اس کی سردی دور کرنے کے لئے چرس کا دھوآں لازم ہے"

رفیق :- "ملا صاحب بھنگ بھی پیتے ہو؟"

ملا :- "اس کا بھی ایک باعث ہے۔ شراب پیتا ہوں اس کی حرارت کم کرنے کے لئے بھنگ کی ضرورت پڑتی ہے"

رفیق :- "خوب۔ شراب بھی اڑاتے ہو؟"

ملا :- "یہ بھی بے دلیل نہیں۔ جوا کھیلتا ہوں جیتتا ہوں تو حرام مال حرام چیز میں صرف کرتا ہوں کیونکہ اسے خیرات میں صرف
کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ اگر ہاروں تو غم غلط کرنے کو پھر نشے کی حاجت ہوتی ہے"

رفیق :- "ان تمام شرعی عیبوں کے ہوتے تمھیں امامت کیسے مل گئی؟"

ملا :- "اس کی بھی وجہ ہے۔ فقہ پڑھنے کے بعد اس میں فائدہ نہ دیکھا تو چوری شروع کر دی۔ لوگ نماز میں کھڑے ہوتے تو میں
ان کے جوتے اٹھا لے جاتا۔ اس سے تنگ آ کر انھوں نے مجھے آگے کھڑا کر دیا۔ تاکہ سب کی نظر مجھ پر رہے۔ اگرچہ اس سے ان کی
نماز بھی چنداں ادا نہیں ہوتی۔ یوں مجھے امام کھڑا دیا۔ ورنہ ہم تم ایک مذہب اور ایک مشرب رکھتے ہیں"

چرسی :- "خدا کے بندے اس طرح چھپے رہتے ہیں۔ مگر آخر رستم کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کیا خبر ہے کہ اس دریا
میں سونا ہو۔ بزرگ کہتے تھے کہ اس کی ریت سے دھو کر سونا نکالا جاتا ہے۔

ملا :- "سونا تو کئی جگہ موجود ہے۔ اگر کوئی چاہے تو ہاتھ آ سکتا ہے"

رفیق :- "بتائیے کس طرح؟"

ملا :- "تم اکرم غازی کے ساتھ ایک انگریز کو پھرتے دیکھتے ہو۔ وہ بہت مالدار ہے۔ اس سے جتنا چاہو روپیہ مل سکتا ہے"

---

[1] رات کو سوتے ہوئے ایک دفعہ چرس پینے کو شاہجہان کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔

رفیق:۔ "آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے دلاسہ دیا ہے"

ملا:۔ "ایک کام کرو بس۔ وہ خوش ہو جائے گا۔ وہ اگر رات کو تمہارے پاس سے گزرے یا اور آدمی اس کے ساتھ ہوں تو شور مت مچانا۔ چپکے بیٹھے رہنا اور اس کو مت پکڑنا، کسی کو کوئی چیز مت بتانا۔ سو اشرفی تمہیں دلاؤنگا۔ پچاس پچاس بانٹ لینا۔"

چرسی کچھ کہنے کو تھا مگر رفیق نے اسے روک کر ملا کو کہا کہ جو کچھ کہو ہم حاضر ہیں۔

ملا:۔ "خبردار کسی کو اطلاع مت ہو۔ آج رات کے ایک بجے فرنگی تمہارے سامنے کے مکان کی کھڑکی سے نیچے اتریگا دیوار کے ساتھ کچھ آدمی کھڑے ہونگے وہ ان کے ساتھ چلا جائیگا۔ تم خاموش بیٹھے رہنا۔"

چرسی:۔ "ملا۔ تمہارا مطلب کیا ہے۔ میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔"

ملا:۔ "تمہیں مطلب سے کیا غرض۔ پچاس سونے کے سکے لو اور چپکے رہو۔ فرنگی کی بابت اگر کوئی پوچھے تو کہدو ہم بیخبر ہیں۔ ہم سوئے پڑے تھے۔ ہم کو کچھ معلوم نہیں۔"

چرسی:۔ "او ملا جی۔ اب میں سمجھا۔ تم اسے بھگانا چاہتے ہو۔ جس کے صلے میں ہم کو انعام دلاتے ہو۔ ملا ہم آخر مسلمان ہیں اگر غازی اکرم کا لحاظ نہ ہوتا جس کے سائے میں ہم بستے ہیں۔ تو اسی چرس کی چلم سے فرنگی کا سر پھوڑ کر میں بھی تو کسی قدر غازی ہو جاتا۔ وہ مجھے بھی اکیلا دیکھ کر کہتا تھا کہ اگر کچھ خدمت کرو تو بخشش ملیگی چنانچہ اس نے چند روپے بھی دئے تھے۔ کافر مجھے بھی اپنے ساتھ ملحق کرنا چاہتا تھا۔ ملا یہ کام جو تم کر رہے ہو۔ کسی کافر سے لو۔ میں نے تو خیال کیا تھا کہ تم مسلمان ہو گئے۔ نہیں واللہ کافر ہو۔"

ملا:۔ "آفرین۔ شاباش۔ میں تمہیں آزماتا تھا شکر ہے کہ پورے مسلمان ہو۔ تم پر تمہارے باپ پر اور تمہاری دودھ پلانے والی پر رحمت۔ لاؤ ایک چلم اور پلاؤ۔ یہ لو دو روپے۔"

چرسی:۔ "گم ہو جو۔ ہم اپنی چرس سوداگروں کی طرح نہیں بیچا کرتے۔"

ملا:۔ "دوست ایک دوسرے کو تحفہ دیتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر نے فرمایا ہے۔ تھادوا تحابوا۔ ایک دوسرے کو نذر دے کر اتحاد پیدا کرو۔"

رفیق چرسی نے دو روپے لے لئے اور ملا کو چرس اور پلائی۔ ملا مایوس اٹھ کر چلدیا تو کچھ دیر بعد رفیق نے چرسی کو کہا کہ دیکھوں کہاں جاتا ہے خود بھی اس کے پیچھے ہو لیا اور کہنے لگا: "ملا صاحب۔ تم اس دیوانے کی پروا مت کرو۔ یہ فوراً سو جائیگا اور میں اکیلا تمہاری مدد کرونگا۔ سو اشرفی خود میرا حق ہوگا۔"

ملا:۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ کہ تم عقلمند ہو۔ مگر اب معاملہ ذرا مشکل ہو گیا ہے۔ چرسی کو اطلاع ہو گئی ہے اور وہ سب

بھنڈا چھوڑ دے گا۔"

رفیق:۔ "تم بے فکر رہو۔ میں تمھاری بات پوری سمجھ گیا ہوں۔ میں ابھی جا کر چرسی کو اتنی چرس پلاؤنگا کہ اسے ہوش ہی نہ رہے۔"

ملا:۔ "جب وہ سو جائے تو مجھے آکر آگاہ کر دینا۔"

رفیق:۔ "خاطر جمع رہے۔"

ملا اپنے دل میں سوچتا چلا جاتا ہے کہ میں نے کیا دوراندیشی کی فکر کی تھی اور یہ کیا بجلی گری۔ میں چرسی کی باتوں میں آگیا اور دھوکہ کھا گیا۔ بات بات پر انگریز کی تعریف کرتا تھا یا اب ان کی ساری قوم کا دشمن بن گیا۔ انسان فی الحقیقت طرفہ معجون ہے۔ اس میں فرشتے اور حیوان دونوں کی ترکیب ہے۔ عمر بھر صالح رہ کر آخر میں طالح ہو جاتا ہے یا برعکس۔ بلکہ ایک گھڑی کا اعتبار نہیں۔ ایک لمحے میں نیکی کا خیال موجزن ہو کر اچھے ارادوں کا طوفان زبان سے اٹھا دیتا ہے۔ اور ایک ہی لحظے میں ہوائے نفس حرص و ہوس کی طرف سے آندھی چلا کر عمدہ جذبات کو برباد کر دیتی ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ۔ جو خدا کے احکام پر ثابت قدم ہیں۔ ان پر فرشتے نازل ہو کر کہتے ہیں کہ ہم اول اور آخر تمہارے دوست ہیں۔ تم کوئی خوف و غم مت کھاؤ۔ آدمی بعض اوقات حق پر ثبات کا قصد کرتا ہے۔ مگر اس میں نقصان اور تکلیف دیکھ کر لغزش کھا جاتا ہے یا ایک جہان کو جھوٹ اور فریب کے باوجود خوشحال و فارغ البال دیکھ کر گمان کرتا ہے کہ شاید یہی طریقہ مناسب ہو۔ پس ان کی پیروی میں دلیلیں و تاویلیں تراشتا ہے۔ پھر نفس لوامہ سکون کے وقت اسے تفکر و تامل میں ڈالتا ہے۔ سب انسانوں میں ایک حس وجدانی اور ضمیر منیر موجود ہے جو حق و باطل کے درمیان تمیز کر کے راستی کی تحریک کرتی اور گمراہی سے روکتی ہے۔ ہر شخص نے جدا جدا اس کا اعتراف کیا ہے قَالُوۡا بَلٰی شَہِدۡنَا ازل سے ہر متنفس سچائی اور جھوٹ کو پہچانتا ہے۔ یہ اس لئے کہ کوئی اعتراض نہ کر سکے کہ اہل باطل کے ہاں پیدا ہو اور بڑا ہوا تھا۔ اس لئے حق کی شناخت سے معذور رہا۔ پھر صحبت و تربیت کی تاثیرات دل کو مذبذب کر دیتی ہیں اور نشہ البتہ ظاہر ہے کہ حواس کو مختل کر کے انسان کو ایک حال میں نہیں رہنے دیتا۔ چرسی کی یہی کیفیت تھی۔ کبھی فرنگیوں کی تعریف کرتا تھا۔ مگر چونکہ مسلمان کے ہاں پرورش پائی تھی۔ اور سالہا افغان غازیوں کی باتیں سنتا رہا تھا۔ ان کا اثر غالب آگیا۔ اکرم کی وجاہت اور نیک نامی نے بھی کچھ حصہ لیا ہوگا۔

ملا نے چرسی کی سرکشی کو اپنے منصوبے میں حائل دیکھ کر فوراً عزم کر لیا تھا کہ اس کو ہلاک کیا جائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صبح ہوتے ہی کابل میں چرچا ہو جائے گا کہ فرنگی فرار ہو گیا۔ چرسی کے اطلاع دیتے ہی غازی ملا کا گھر بار لوٹ لیں گے اور بال بچوں کو دربدر کر دینگے۔ چرسی کے رفیق نے کہا تھا کہ بہت سی چرس پلا کر اسے بیہوش کر دونگا۔ سو اب مردے کی طرح سوتا ہوگا۔ اس لئے دیر نہیں چاہئے۔ ورنہ ساری کمائی خاک میں مل جائے گی اور رسوائی جدا ہو گی۔ ملا جھونپڑی کی

طرف جھپٹا۔ چھرا نکال کر لحاف کے نیچے سے گردن ٹٹول کر کاٹ ڈالی اور قتل کے باوجود اطمینان سے اپنے کام پر لوٹا۔

ملانے چند اول کے پانچ آدمیوں کو اپنے ساتھ معاون مقرر کیا تھا جو آدھی رات کو آپہنچتے ہیں اور سازش کے مطابق اکرم کے گھر کے پاخانے میں گھس جاتے ہیں۔ جس کا دروازہ حسب معمول صاف کرنے کے لئے سڑک میں کھلتا ہے اور بیت الخلا چھت پر ہے۔ ملا کھڑکی کے نیچے کھڑا منتظر ہے کہ اب کھلے تو شکار کو لے کر اڑیں۔ اتنے میں سامنے سے ایک آدمی آتا دکھائی دیتا ہے۔ ملا بے فکر ہے کیونکہ رفیق چرسی کو اس نے بلایا تھا۔ اس شخص نے نزدیک آکر ملا کی گردن اڑا دی اور جھٹ پاخانے کے دروازے پر زنجیر لگادی۔ یوسف سمجھا کہ اس کے مددگار آپہنچے۔ کھڑکی کھول کر رسا باندھا اور اس کا دوسرا سرا نیچے لٹکا دیا۔ اتنے میں دوسرے کمرے کی کواڑ کھلی۔ اکرم نے سر نکال کر اور روشنی دکھا کر کہا "کرنیل صاحب۔ دیکھنا نیچے مت اترنا۔ سلامتی نہیں ہے"۔ یوسف نے دیکھا کہ ایک شخص کی لاش پڑی ہے اور دوسرا خون سے بھرا سیلا وہ لئے کھڑا ہے۔ جس کو وہ اپنے لئے بھی موت کا پیغام سمجھ کر دہیں کا وہیں بیٹھا رہ گیا۔

حوادث کے فوری نشو و نما سے یوسف البتہ دنگ رہ گیا تھا۔ اس کی حیرت تیر سی کے واقعے پر علم لانے سے دور ہو سکتی ہے۔ رفیق چرسی نے ملا کے چلے جانے کے بعد بہت کوشش کی کہ طمع و خوف سے اس کو بھی اپنا شریک بنائے مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ اس نے بہت سی چرس ڈال کر چرسی کو پلانی چاہی مگر وہ اب ہوشیار تھا۔ پینے کی بجائے کہنے لگا کہ مجھے جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر تمھارے ساتھ ہوں تو غازی مجھے مار ڈالینگے اور اگر تم سے علیحدہ رہا تو تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ اس لئے میں بیزار ہوں۔ اس جھونپڑی سے تم جانو اور چرس۔ یہ کہ کر چرسی چلا گیا اور اس کے رفیق نے تعجب میں ڈوبے چلم جو بھری تھی سب خود ختم کر دی اور بے حال ہو کر چرسی کی جگہ کپڑا اوڑھ کر بیٹ گیا اور ایسا سویا کہ پھر نہ اٹھا۔ چند روز بعد چرسی نے دیکھا کہ اس کی قبر پر جھنڈیاں رنگا رنگ پھریروں سے لہراتی گڑی ہیں۔ اور ان پر مختلف قسموں کے ڈورے بندھے ہیں جو اکثر عورتیں آکر باندھتی ہیں۔ چرسی سر ہلا کر کہتا کہ دنیا میں دروغ کو بھی فروغ ہوتا ہے ورنہ یہ شخص کتنا نفرت کے قابل ہے جو فرنگی کے روپوں کی خاطر اسلام اور وطن کو بیچتا تھا۔

چرسی اپنی جھونپڑی سے نکل کر راہ میں سوچتا جاتا تھا کہ اس کے رفیق اور ملا نے جیفۂ دنیا کے لئے دین کو بھلا دیا اور اور مجھے بھی اپنے ساتھ گانٹھنے کی ٹھانی۔ یہ صرف اس لئے کہ ان کے خیال میں چرسی کو دین کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اگر میں چرس نہ پیتا اور رات دن نشے میں غرق رہ کر نکما نہ ہو جاتا تو اخوان الشیاطین کے فتنے کا نشانہ کیوں بنتا۔ جب یہ انتہائی بربادی چرس کی وجہ سے ہے جس میں ایمان اور جان دونو کو خطرہ ہے تو میں اس کو قطعی چھوڑ دیتا ہوں اور آئندہ اس کے نزدیک نہ بھٹکوں گا۔ مگر چچا بڑا شیطان ہے مجھے جیتا نہیں چھوڑے گا۔ اس کے ساتھ بہت سے ہمراہی ہونگے۔ وہ مجھے ڈھونڈ کر مار ڈالینگے۔ اس لئے کہیں پناہ لینی چاہیئے۔ غازی اکرم سے بہتر اور کون پناہ دینے والا ہوگا۔ ساتھ ہی اس کی خدمت جو

جو عین ملت کی خدمت ہے بجا لائی جائے گی۔ لہٰذا مجھے فوراً اس کے پاس جا کر ملا کی کارروائی سے خبردار کرنا لازم ہے۔
اس نئے ارادے سے جری اکرم کے دروازے پر پہنچتا ہے۔ جہاں دو دربان بیٹھے ہیں اور پہرہ بھی دے رہے ہیں
جری کو پہچانتے ہیں مگر وہ اصرار کرتا ہے کہ غازی کے ساتھ ایک بہت ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ جب اکرم کو خوش قسمتی سے
اس ناگہانی سرگذشت کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک دقیقہ ضائع نہ کیا۔ جری نے ضد سے کہا کہ میں جرس چھوڑ کر از سر نو جوان
ہوگیا ہوں۔ مجھ سے خدمت لیجئے۔ میں کم از کم ملا کو تو نہیں چھوڑوں گا۔ اکرم نے ملا کے سارے منصوبے سے آگاہ ہو کر جو جری
نے بتایا تھا اس کو سیلا وہ دیا اور کہا کہ ملا کی خبر لے اور پاخانے کے دروازے کی زنجیر لگا دے اور ساتھ ہی کافی آدمیوں کو
گلی میں چھپائے رکھا تاکہ ضرورت پڑے تو اس کی مدد پر پہنچ جائیں۔ جری کو باہر بھیجکر اکرم نے آہستہ یوسف کی طرف توجہ کی
جو اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ اکرم پاس کے کمرے میں تیار ہو کر بیٹھ گیا کہ یوسف نے وقت مقررہ پر کھڑکی کھولی اور رسہ
نیچے پھینکا جب ملا جو جری کے تازہ جوش سے قتل ہو چکا تھا۔ لا یحیق المکر السیئ الا باھلہ۔ برا مکر اپنے اہل پر
ٹوٹ پڑتا ہے۔ جو دوسرے کے گرانے کے لئے کنواں کھودے وہ خود اس میں ڈوب مرتا ہے۔

رحلت یا قتلِ عام

اکرم نے رات کا سانحہ وزیر صاحب کو بتایا اور یہ قرار پایا کہ ان پانچ آدمیوں کو جو ملا کے ساتھ آئے اور قزلباش تھے
ان کے خان کے سپرد کیا جائے۔ خانزادہ نے اپنی قوم کے معزز لوگوں کو جمع کر کے مجرموں سے یہ خطاب کیا "ہمارا آبائی وطن
ایران ہے اور مذہب تشیع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں کے ساتھ ہم وابستگی اور عقیدت رکھتے ہیں۔ مگر ہمارا گھر بار، آل اولاد
اور مال و متاع سب افغانستان میں ہے اور ان کے ساتھ بھی البتہ ہماری علاقہ مندی ہے۔ بلکہ اب ہمارا وطن
افغانستان ہے اور ایران کا درجہ بالکل اس کے بعد ہے کیونکہ یہاں بھی حریت و مساوات کے حقوق ہمیں ویسے ہی
حاصل ہیں جیسے ایران میں ایرانیوں کو۔ سنی اور شیعہ ایک خدا ایک رسول کو پہچان کر علی رضی کو دونوں علی السویہ شاہ اولیاء، شیر
خدا اور خلیفہ مانتے ہیں۔ فرنگی کو ہم دونوں اپنے دین کا دشمن اور مدعی وطن سمجھتے ہیں اور وہ اس دھن میں ہے کہ بے بنیاد امور
کو ہمارے درمیان موجب تنازع بنا کر اپنا مطلب نکالے اور طمع دلا کر ہمارے ایمان کو بگاڑے۔ حضرت علی رضی کفار کے
ساتھ لڑتے رہے اور ان کے بیٹے فجار کے ساتھ معرکہ آرا ہو کر شہید ہوئے۔ ہم اگر ان کے خاص پیرو ہیں تو اس بارے
میں چاہیئے کہ سنیوں سے بڑھکر جہاد کے لئے آمادہ ہوں اور کلمۂ خدا کو علیا ثابت کریں۔ دینی خدمت کے ضمن میں البتہ ہماری
قوم کو اعزاز و مناصب بھی ملیں گے۔ ہم اس خیال میں تھے کہ تم دین ملت وطن اور قوم کے خائنوں نے اپنی شر خر قوم کو ایسا
سیاہ دھبا لگایا جو کاٹنے سے ہی دور ہو سکتا ہے لفظوں سے نہیں دھل سکتا۔ تمھاری ہولناک سازش سے نکو نامے

چندر سوا ہوئے ع نہ کہ رامنزلت ماند ونہ مہ را۔ اکرم کو موردِ الزام بنانا اور اس کے تعلق کی وجہ سے مجھے بدنام کرنا میرے قبلۂ امجد کو اور ہمارے سارے خاندان کو غازیوں کی بندوقوں کا نشانہ قرار دینا تمہارے اس فعل کا فوری نتیجہ ہوتا۔ پھر خانہ جنگی برپا ہوتی۔ سنی اور شیعہ کا خون بہتا اور فرنگی مزے سے اپنا مدعا پالیتا ؎

چو دشمن بدشمن بود مشتغل تو با یار بنشیں بآرامِ دل

تمہاری بداندیشی اور کفر کیشی کے سبب ہمارا دین وطن سب برباد ہو گیا تھا۔ مگر خدا کے فضل نے اعانت کی جو ایک فضول جرسی کے وسیلے سے ایک دہشتناک حادثہ ٹل گیا۔ لا یرد باسہ عن القوم المجرمین۔ مجرموں سے خدا کا عذاب نہیں ٹلتا۔ دوسروں کی عبرت کے لئے میں اپنا مذہبی اور قومی فرض سمجھتا ہوں کہ تم موذیوں اور آستین کے سانپوں کو ہلاک کروں۔"

جب یوسف کو اطلاع ہوئی کہ خانزادہ نے اپنی تلوار سے ان پانچ آدمیوں کو قتل کر دیا تو وہ اکرم کو کہنے لگا: "دو آدمی پہلے اور پانچ یہ میری خاطر مارے گئے۔ اب میں آپ کے درمیان کس طرح زندگی بسر کر سکتا ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ میری وجہ سے کوئی الزام آپ پر عائد نہ ہو جائے۔ اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بھی غازیوں کے حوالے کر دیں تاکہ مجھے بھی اس جہان سے رخصت کریں۔ مکتب سے فارغ التحصیل ہو کر میں اکثر دعوے کرتا تھا کہ انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے۔ میں اسے بنا ہی رہا تھا کہ میری بہن نے اس کی بنیاد اکھیڑ ڈالی۔ پھر دوبارہ تیاری کر رہا تھا کہ غازیوں کے نرغے میں آ گیا اور مارا ہی گیا تھا اگر میری تقدیر آپ کے ہاتھ میں نہ پڑتی۔ میگناٹن کے قتل کے وقت سے اب تک آپ نے مجھے عزت و مدارات سے رکھا اور اس سے فائدہ اٹھا کر میں نے اپنے لشکر سے راہ و رسم کھولی۔ مجھے اپنے کامیاب فرار میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ دفعۃً بال بکھرے ہوئے میلے کچیلے چیتھڑے پہنے لہو سے لتھڑا چھرا لئے ایک بھوت کھڑکی کے نیچے کھڑا دکھائی دیا۔ مجھے اب تک ہول آتا ہے کہ آپ کی آواز نہ آتی تو وہ مجھے کاٹ کاٹ کر کچے کو چبا جاتا۔ یہ دوسری دفعہ آپ نے مجھے زندگی بخشائی جس پر البتہ متشکر ہوں۔

تمہاری مہربانیوں کے سبب صاف گوئی سے کام لیتا ہوں۔ میں تمہارے دین کو خوب جانتا ہوں اور حق مانتا ہوں لیکن قبول نہیں کرتا۔ اگر پوچھیے کیوں؟ آپ کے چوتھے خلیفہ کے باپ کو اپنے جواب کے لئے پیش کرتا ہوں۔ ابوطالب نے آپ کے رسول کو کہا تھا کہ مجھے یقین ہے تم سچے ہو مگر میری غیرت مانع ہے کہ اپنے باپ دادا کے مذہب کو اپنے بھتیجے کی پیروی میں ترک کروں۔ جب نزع کی حالت میں رسول نے پھر ایمان لانے کی نصیحت کی تو جواب دیا کہ مکے کی عورتیں کیا کہیں گی کہ موت سے ڈر گیا۔ جب رسول ناامید ہو کر چلے گئے تو علی نے آ کر اطلاع دی کہ آپ کا چچا کافر مر گیا۔ میری خفت اور تلون پر بھی انگریز قوم لعن طعن کرے گی اس لئے مجھ سے تبدیل دین کی توقع نہ رکھئے۔ یہ بھی جان لیجئے کہ اکثر انگریز اسلام کو بہترین دین سمجھتے ہیں مگر جیسا میں مسلمان ہونا نہیں چاہتا وہ بھی نہیں چاہتے کیونکہ موروثی تعصب اور ملی تربیت نے ہمارے دلوں میں اتنا رسوخ پیدا

کر رکھا ہے کہ ہم کسی اور چیز کو اچھا کہہ ہی نہیں سکتے ۔

اکرم ۔ "مسٹر کرنیل صاحب! آپ اسلام سے انکار کا تکرار اظہار کرکے مجھے صدمہ نہیں پہنچا رہے ۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہم آپ کے مشرف باسلام ہونے کے محتاج نہیں ہیں اور خدا تعالیٰ تو غنی ہے لا تمنوا علیّ اسلامکم اپنے اسلام کی منت مت رکھو۔ اگر ایمان لاؤ گے تو تمھارا فائدہ ہوگا ۔ ہمیں ذرہ بھر بھی پروا نہیں ۔ ہم اپنے ہی بے شمار مسلمانوں کو مسلمان نہیں رکھ سکتے ۔ انگریزوں کی ہمیں نہ پروا ہے نہ انھیں مسلمان بنانے کی ہم کو فرصت ہے ۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ عیسائی نہیں ہیں ۔ وہ صرف وطن اور ملت کے معبودوں کو پوج رہے ہیں اور اپنی ہر چیز کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں اور اغیار کی مادی و معنوی اشیا کو ہر چند وہ اعلیٰ و بہتر ہوں قبیح و مذموم قرار دیتے ہیں ۔ یہ ایک مسلمہ فطرت ہے کہ انسان جس بات کا بھی عزم کرلے اگرچہ وہ باطل ہے چندے کامیابی حاصل کر لیتا ہے اور اگر وہی قصد انسانوں کا مجموعہ یعنی ایک قوم عمل میں لائے تو فائز المرامی زیادہ آشکار ہوتی ہے ۔ شیطان کو دنیا میں اسی قدر مہلت دی گئی ہے کہ امور کاذبہ میں بھی موفقیت عارضی طور پر حاصل ہو جاتی ہے ۔ عیسائی باوجودیکہ خود دل سے عیسویت کے معتقد نہیں ہیں مگر ملی نقطۂ نگاہ سے اس منسوخ مذہب کو مسلمانوں میں شائع کر رہے ہیں اور زور و زر کو تبلیغ کی ترازو میں ڈال کر بعض کو راہ راست سے بھٹکا لیتے ہیں ۔ لیکن حق چونکہ غلبہ جبلی کا مالک ہے ۔ کفار بغیر وعظ کے خود بخود اتنے مسلمان ہو رہے ہیں کہ اتنے گمراہ نہیں ہوتے ۔"

یوسف ۔ "مجھے معاف فرمائیے ۔ میں آپ کی مہربانیوں کا غلط مطلب سمجھا ۔ مجھے خیال تھا کہ آپ کی عنایات مجھ پر اس لئے مبذول ہو رہی ہیں کہ میں مسلمان ہو جاؤں مگر اب مجھے آپ کی بلند نظری کا علم ہوا ۔ آپ یہ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں کہ ہم انگریز اپنی قومی اشیا کو سب سے اچھا جانتے ہیں اگرچہ دوسروں کے مقابلہ میں وہ بری ہوں ۔ مثلاً آپ کی دستار پزار اور عام پوشاک کس قدر نفیس ہے ۔ حیا آسائش رعب اور زینت سب اس میں جمع ہیں لیکن کوئی انگریز اس کا اعتراف نہیں کرے گا ۔ اسی طرح پلاؤ قورمہ اور آپ کی خوراک کس قدر لذیذ ہے مگر ہم اپنی بے مزہ بخت و پز کو بہتر جانتے ہیں ۔ آپ کے میوے تو ہمارے پھلوں سے ملتے جلتے ہیں مگر ہم کہیں گے کہ افغانستان میں ویسی مٹھاس اور خوشبو نہیں آتی ۔ ہندوستان میں سینکڑوں قسم کے آم ہیں اور ہم ان کو مزے سے کھاتے ہیں مگر اہل ہند کے سامنے کہیں گے کہ اس میں تیل کی بدبو ہے ۔ طب کو لیجیے جس کی بنیاد یونانیوں نے رکھی ۔ ہارون رشید کے عہد سے مسلمانوں نے اس پر عالیشان عمارت قائم کی ۔ ناصر کے زمانے سے اندلس میں جداگانہ اس پر آرائش و اضافہ ہوئی ۔ غرض ایک ہزار سال میں یہ علم مسلمانوں نے مکمل کیا ۔ محمد فاتح نے استمبول لیا تو یونانی کتابیں یورپ میں منتشر ہو گئیں اور وہاں اس پر جا بجا ترقیاں ہوئیں ۔ مگر ہم مسلمانوں کی طب سے فائدہ نہیں اٹھاتے جو علیحدہ مرتب ہوئی بلکہ اسے غیر سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ ان کی کئی ادویہ تاثیر میں مجرب ثابت ہوئی ہیں بیشک

ہم نے ایجادات اور کشفیات سے نئی چیزیں دریافت کیں مگر جو کچھ اوروں کے پاس ہے ہم اسے باوجود اچھا ہونے کے برا جانتے ہیں۔ میں آپ کی صاف گوئی اور کرم فرمائی کی وجہ سے یہ باتیں علانیہ بے ملمع کر رہا ہوں "

اکرم۔ "اس کے اظہار کی حاجت نہیں۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دینی و قومی مغایرت کے سبب ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں ہیں مگر آپ کی ہمشیرہ کے لحاظ سے مجھ پر ایک حد تک عائد ہوتا تھا کہ آپ کی طرف خاص توجہ کروں۔ اسی سلسلے میں اب میں آپ کی خیر خواہی کے لحاظ سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگریزوں کے ساتھ ہمارا معاہدہ قرار پا گیا ہے جس کی رو سے وہ سب افغانستان کو چھوڑ جائینگے اور امیر دوست محمد خاں واپس آئیں گے۔ آپ اپنی فوج کے ساتھ رخصت ہو سکتے ہیں۔ مگر میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس وقت آپ کا جانا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ راستے غازیوں سے بھرے پڑے ہیں اور چونکہ لڑائی کافی نہیں ہوئی۔ اکثر جوان شوق میں پھر رہے ہیں کہ خواہ مخواہ جنگ آزمائی کریں ہر چند حسب العہد ہم نے آپ کی حفاظت اپنے ذمے لی ہے۔ مگر یہ بھی بتا دیا ہے کہ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں اور چونکہ تم نے افغانی بادشاہی کو زیر و زبر کیا اور ابھی بادشاہ بھی باہر ہے۔ اس لئے رعیت منضبط نہیں اور اس کے سب افراد کو قابو رکھنا دشوار ہے۔ افغان اپنی حکومت کا جوا تمہاری مداخلت کی وجہ سے پرے پھینک چکے ہیں اور اب جلدی کندھا نہیں دیں گے۔ ہم مشایعت کے طور پر آپ کے ساتھ جائیں گے اور کوشش کرینگے کہ کوئی ایذا آپ لوگوں کو نہ پہنچے مگر میں ڈرتا ہوں کہ تمھیں کوئی نہ کوئی ضرر پہنچ رہیگا۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ کچھ مدت اور قیام کریں۔ خواہ میرے مہمان کے طور پر یا بحیثیت یرغمال کے جن میں جرنیل وغیرہ چند افسر ہمارے پاس ٹھہریں گے۔ یوسف اپنے فرار کی کوشش کے ناکام رہنے سے شرمندہ اور خوفزدہ تھا اور اس کی طبیعت میں کھلم کھلا تعصب اور راستبازی ودیعت ہوئی تھی اس لئے وہ بھی باقی انگریزی فوج کے ساتھ باقاعدہ کرنیلی کے منصب پر مقرر ہو کر سفر پر روانہ ہو گیا۔

پہلی منزل پر پہنچتے ہی وزیر اکبر خاں اور دوسرے افغان سرداروں نے پہاڑوں کی طرف اشارہ کر کے انگریزوں کو کہا کہ یہ ٹڈی دل مسلح لوگ ہمارے ارادوں کی فصل کو اجاڑ کر رہیں گے۔ پھر بھی ہم حتی الوسع کوششوں سے دریغ نہیں کرینگے۔ چنانچہ قبائل کے گروہوں میں خوانین گھوڑے دوڑاتے سمجھاتے پھرتے تھے۔ مگر ہزاروں جوانوں کو باز رکھنا محال تھا۔ یہ افغان مال غنیمت کو ایسا ہی پسند کرتے تھے جیسا کسی اور قوم کے لوگ لیکن ایک فرق ان میں ہے۔ یہ بندوق کو جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں۔ ایک مالدار مسافر اگر نہتا ہو تو ممکن ہے ان کے بیچ سے صحیح و سلامت گذر جائے مگر اپنی حفاظت کے لئے اس نے اگر بندوق رکھی ہو تو وہی اس کا وبال جان ہو جاتی ہے۔ انگریزوں کی فوج میں اعلےٰ قسم کی بندوقیں دکھائی دیتی تھیں۔ جن کو ہر افغان لالچ کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور قبائل کے خانوں کی نظریں توپوں پر پڑتی تھیں جو اپنی بڑائی کی نسبت سے ان پر طمع جاتے تھے۔ یہ سب اپنے ناصحوں کی باتیں سنتے تھے اور ان کو اپنا شفیق اور مدبر بھی مانتے تھے۔ ان کے سمجھانے پر بکھر جاتے تھے مگر آگے چل کر افغانوں

کے ساتھ زیادہ تعداد میں مل کر پھر نمودار ہوتے تھے۔ انگریزی فوج نے کوچ کیا مگر یہ عجب حرکت تھی جیسا ہرنوں کے جھنڈ رم کھاتے جاتے ہوں اوپر سے عقاب اور باز ادر آس پاس سے تیندوے اور بھیڑیئے نہ ٹلیں۔ انگریزی فوج کا میمنہ اور میسرہ بلکہ مقدم اور موخر بھی افغانوں پر مشتمل تھا۔

اکبر خاں ”میرے بھائیو۔ تمھاری جمیعت اسلام کی تقویت ہے لیکن ہم نے ان فرنگیوں کے ساتھ عہد کیا ہے کہ تم ہمارے ملک سے نکل جاؤ اور ہمارے بادشاہ کو بھیج دو اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ان کو حفاظت کے ساتھ روانہ کریں“۔

ایک کرڑو خیل ”آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر مگر ان کافروں کے پاس بندوقوں کے علاوہ توپیں ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہانہ پا کر راستے میں ہم پر حملہ کر دیں۔ اگر اطمینان سے جانا چاہتے ہیں تو سب ہتھیار ہمارے حوالے کرتے جائیں“۔

ایک اُت خیل ”ورنہ رات کو ہم خود ان سے لے لینگے۔ چنانچہ گذشتہ شب کا نمونہ دیکھ لیجئے“۔

وزیر اکبر خاں نے دیکھا کہ اکثر اُت خیلوں کے پاس نہ صرف انگریزی بندوقیں تھیں بلکہ کہیں کہیں افسری تلواریں لباس اور گھوڑے بھی دکھائی دیتے تھے۔ جب وزیر کی نگاہ ان کے پیچھے ایک توپ پر پڑی تو ایک افغان نے کہا ”وزیر صاحب۔ ایک قزلباش توپچی آپ مرحمت کیجئے“۔

وزیر ”ورنہ تم خود چند اول سے چرا لاؤ گے“۔

ایک بوڑھا اُت خیل ”یہ ہمارا آبائی پیشہ ہے۔ جب درانیوں اور غلزئیوں میں لڑائی ہوئی تو بابا جبار نے ظالم فریق سے بیس لڑکیاں اکٹھی کیں تاکہ مظلوم گروہ کے جوانوں کے ساتھ بیاہ کر کے مصالحت کر دے۔ تو ہمارے جد امجد نے ایک لڑکی چرا لی۔ ہم ایسے ناخلف نہیں ہیں کہ بے ایمان نکلیں“ (افغان بے ایمان ڈرپوک کو کہتے ہیں)۔

یہ گفتگو دفعۃً قطع ہو گئی کیونکہ دوسری طرف بے تحاشا شور و غوغا برپا ہوا۔ گھوڑوں خچروں اور ٹٹوؤں پر دو دو تین تین آدمی چڑھ کر پہاڑ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ دوسرے اسباب لاد کر ان کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ برف بہت زیادہ پڑی ہوئی ہے اور اس کے بعد ہوا چلنے سے جو سردی ہوتی ہے وہ ہاتھوں کو حرکت کے قابل نہیں چھوڑتی۔ ہندی ملازم جو انگریزی فوج کے ساتھ تھے بات بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ دانت بج کر منہ بے حس ہو گیا ہے اس لئے خاموشی سے افغانوں کو سب زندہ اور بے جان مال و متاع لئے جاتے دیکھ رہے ہیں اور یہ افغان بلا کے انسان ہیں۔ ان کو حمیت اور حرص کی گرمی نے لپنے لوٹ مار کے کام میں سرگرم بنا رکھا ہے۔ وزیر اکبر خاں مع اپنے احباب کے ان کو منع کرتا ہے۔ مگر کس کس کو سمجھائے۔ بلند آوازے کس رہے ہیں افغانوں کے پیچھے جاتے ہیں اور ان کو واپس جانے کی تاکید کرتے ہیں کہ دوسری جانب پھر ہجوم ہوتا ہے۔ بندوقوں کے ساتھ اس حملے میں اب توپیں بھی لے جاتے ہیں اور ان کے چلانے کے لئے توپچیوں کو بھی ساتھ گھسیٹتے لئے جاتے ہیں۔ اکبر خاں کے متوجہ ہوتے وہ اپنے اموال غنیمت کو پہاڑ کی چوٹی پر

لے جاکر دوسری طرف غائب ہوجاتے ہیں۔

وزیر نے انگریز افسروں کو کہا کہ ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں مگر لوگ کسی طرح نہیں مانتے۔ ایک خان نے کہا کہ تمھاری نجات صرف اس میں ہے کہ بندوقوں اور توپوں کو ہمارے حوالے کر کے بے فکر اپنی راہ لو جیسے قافلے جاتے ہیں اور کوئی مزاحم نہیں ہوتا۔ پہلے تو انگریز اس بات پر رضامند نہ ہوئے۔ مگر جب دیکھا کہ افغان ویسے بھی بھاری اور ہلکے ہتھیار سب چھینے لئے جاتے ہیں تو کچھ بندوقیں دینے پر آمادہ ہوگئے۔ یہ کئی آفت کا باعث ہوا۔ جب افغان بندوقیں لے کر گھروں میں پہنچے تو افواہ نے تمام قبائل کو آگاہ کر دیا کہ فرنگی بندوقیں بانٹ رہا ہے۔ کابل میں ایک دفعہ اسی طرح خبر اڑ گئی کہ لاٹ شراب خدا کے راستے میں دے رہا ہے۔ چرسی اور بھنگی ٹوٹے سروں والی بوتلیں لے کر دوڑے اور اپنی مست آواز سے چلا کر پکارا کہ فی سبیل اللہ لائیے شراب! یہ سنکر کہ بندوقیں مفت تقسیم ہو رہی ہیں وہ بھی جو سردی کی وجہ سے گھروں میں بیٹھے تھے نکل پڑے اور پہلے سے بدرجہا زیادہ افغان آموجود ہوئے۔ ناچار ان کو بھی بندوقیں دی گئیں مگر یہ ایسی بدقسمتانہ تجویز نکلی کہ کسی طرح افغانوں کا تانتا رکتا ہی نہیں تھا اور بندوقیں مانگتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں شخص اور فلاں طائفہ زیادہ لے گیا۔ ہماری تو قوم میں ناک کٹ جائیگی اگر ہم ان سے کم لیں۔ ہزاروں کو بندوقیں دینا اور یہ بھی نامعلوم کہ ایک شخص کو کتنی دفعہ دی گئیں کیسے ممکن تھا۔ اگر چند ہزار ایک دفعہ لے گئے تو ان سے دس گنا پھر حاضر ہوتے تھے۔ جب ان کو بندوقیں دینے میں لیت و لعل ہوتی تو وہ خود حملہ آور ہو کر غصے میں بھرے سب کچھ جو ہاتھ لگتا لے بھاگتے۔

اس کے علاوہ کرنیل جوزف نے ایک اور بے تدبیری کی۔ حکم دیا کہ بندوقوں کے خالی فائر کئے جائیں۔ افغان پیچھے ہٹ گئے۔ مگر جلدی کینے اور انتقام سے تازہ حملہ کر کے پھر آپڑے اور ان کے نشانوں سے کئی انگریز اور ان کے ساتھی ہلاک ہوئے اگرچہ آگ کے سوا برف ہی کافی مہلک تھی جس سے بے شمار لشکری بے حس و حرکت ہو کر گرتے اور پیچھے رہ جاتے تھے۔ جب بندوقوں کا دونو طرف سے مقابلہ ہوا۔ تو اب توپ سے ڈرانا لازم ہوگیا۔ اس سے البتہ افغان دم دبا کر بھاگے کرنیل جوزف خوش نظر آتا تھا اور گولے برسانے کا حکم دئے جاتا تھا کہ ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ایک دو عورتیں دکھائی دیں جنھوں نے شکست یافتہ لوگوں کو تھامنے کی کوشش کی۔ یہ شعر اس نے جوشیلی آواز میں پڑھا جاتے سنا ؎

دبے ننگی احوال دمہ راسہ لہ مورچلہ　　　　به تور توپک دشتلے شہ سیلے

(سیاہ بندوق سے مارے گئے ہوتے یہ بہتر تھا۔ تمھاری بزدلی کی اطلاع آتی نہ میدان سے)۔ واللہ اگر ان شکست یافتہ افغانوں میں ایسا مرد ہوتا جس کے ساتھ میں بیاہی جاتی تو اس سے فرنگی کو بہتر جانتی۔ اگر مرد ہو تو فرنگی سے بہتر بنو۔

اس عورت نے ایک ایسا حملہ تیار کر دیا کہ وزیر اکبر خاں اور خوانین کی سب کوششیں اکارت گئیں۔ وہ بندوق چلاتی خود آگے بڑھی اور یہ کہتی تھی کلا تذر علی الارض من الکافرین دیّارًا ۔ زمین پر کافروں کا نام و نشان نہ چھوڑو۔ اگر وہ جیتے چلے گئے تو پھر بدلہ لینے لوٹیں گے۔ یا ان کی اولاد انتقام لے گی۔ جیسے بجلی گرنے سے پہلے قدرے سکوت ہو جاتا ہے۔ انگریزی توپوں کے بعد تھوڑی مدت آرام ہوا۔ اب غازی ٹوٹ پڑے اور توپخانے پر قابض ہو گئے بہت کشت و خون ہوا۔ غارتگری مچی۔ ایک انگریز عورت اپنا مردہ بچہ گود میں لئے ایک افغان کے آگے آگے جا رہی تھی اور کہتی تھی کہ اس معصوم نے کیا گناہ کیا تھا جو سردی سے ہلاک ہو گیا۔ افغان اسے جلدی چلنے کی تاکید کرتا ہے اور کہتا ہے: "شکر کر۔ اب یہ بچہ اعراف میں جائے گا جہاں کبھی بہشت کی ہوا بھی پہنچ رہے گی ورنہ بڑا ہو کر دوزخ میں جلتا۔ تو خود بھی کلمہ پڑھ اور مسلمان ہو جا۔"

انگریز عورت: "ذرا تمیز سے کام لو۔ مجھے ہوش آنے دو کہ کونسا مذہب بہتر ہے۔ ہم نے تمہارا گناہ کیا تھا مگر اس بچے کو کیوں مرنے دیا؟ افغان جواب دیتا ہے کہ قاتل قصاص میں مارا جاتا ہے۔ اس کے بال بچے ننگے بھوکے مرتے ہیں۔ افغان اسے پھر جلدی چلنے کا بندوق سے اشارہ کرتا ہے اور یہ واقعہ کرنیل یوسف دوربین سے دیکھ رہا ہے۔ اتنے میں افغان عورت جس نے افغانوں کو حملے پر ابھارا تھا انگریز عورت کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ یوسف بندوق اٹھاتا ہے کہ اس کو نشانہ بنائے مگر شولری کا خیال کہ نسواں پر سختی نہیں چاہئے اس کو تامل میں ڈالتا ہے۔ پھر اس عورت کا مردانہ مقابلہ جس میں کئی انگریزی جانیں تلف ہوئیں۔ اس کو بدلہ لینے پر اکساتا ہے۔ اس اثنا میں بڑی احتیاط سے وہ افغان عورت مردہ بچے کو انگریز عورت سے اپنی گود میں لے لیتی ہے۔ یوسف یہ ہمدردی دیکھ کر اٹھائی ہوئی بندوق تھام لیتا ہے مگر اس افغان پر جو ساتھ ہے فائر کر دیتا ہے جس سے اس کے پاؤں پر گولی لگتی ہے۔ ایک شخص انگریز عورت پر غصہ نکالنے کی غرض سے تلوار اٹھاتا ہے مگر افغان عورت اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے یہ کہہ کر کہ اب تو اس کی ضرورت زیادہ ہے زخم کی مرہم پٹی اس پر عائد ہو گی اور یہ ہمارے جراحوں سے بہتر علم رکھتی ہے۔ اس کو مع افغان مجروح کے اٹھا کر پتھروں کے پیچھے کر دیتے ہیں اور افغان عورت اس گولی کے بدلے پھر غازیوں کو اکٹھا کر کے ایک اور حملے کے لئے تیار کرتی ہے جس سے رہا سہا انگریزی لشکر بھی تباہ ہو جاتا ہے۔

جیسے دریا پہاڑوں سے نکل کر بہتا بہتا خشک و ختم ہو جاتا ہے۔ انگریزی فوج دروں کو خون سے سیراب کرتی گھٹتی گھٹتی تمام ہو جاتی ہے۔ صرف ایک قطرہ اخیر تک پہنچتا ہے۔ ڈاکٹر برائڈن بچ کر جلال آباد کی انگریزی فوج کو اس عمومی بربادی کی اطلاع دیتا ہے کابل میں یہ مشہور منظوم ہوا ع

اتچھل ہزار پلٹن یک کس نرفت لنڈن

مگر انگریزوں نے لکھا کہ پندرہ ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور مان لیا کہ ان کی ساری کتاب تاریخ میں اس سے زیادہ سیاہ ورق موجود نہیں ہے ۔ اس دھبے کو لہو سے دھونے کی کوشش کی مگر داغ بھلا خون سے بھی اترتے ہیں ۔

کرنیل جوزف اور وعظِ غزا

انگریزی فوج میں سے کئی آدمی موقع پا کر ادھر ادھر بھاگ گئے تھے ۔ بعض تو سردی میں اکڑ گئے اور کچھ آبادی تک پہنچ کر بچ رہے ۔ کرنیل جوزف اخیر تک ڈٹا رہا ۔ مگر آخر اس نے بھی یہی مصلحت دیکھی کہ اکیلا کیوں خودکشی کا مرتکب ہو ۔ کہیں بھاگ کر شاید جلال آباد پہنچ جائے تو انتقام لے سکے ۔ افغانی کپڑے اس کے پاس موجود تھے ۔ فوراً پہن کر غازیوں میں جا ملا اور ان کے ساتھ ہو کر تاخت و تاراج میں مشغول ہو گیا ۔ شال کمبل اور ایک چھوٹا خیمہ کندھے پر اٹھایا اور لوگوں کے ساتھ ایک طرف روانہ ہو گیا ۔ راستے میں دیکھتا کہ نئے غازی جھنڈے لئے جا رہے ہیں ۔ کچھ تو لوٹ مار کی نیت سے اور باقی اس لئے کہ اگر لڑائی ہوئی تو مقابلہ کریں گے ۔ انکو بعض لوگ جو مال غنیمت لئے گھروں کو جا رہے ہیں چھیڑتے ہیں ۔ ان میں سے ایک بوڑھا ملا ۔ جواب دیتا ہے کہ حضرت تمیمؓ صحابی کی قبر کابل میں ہے ۔ اس کی تاثیر افغانوں میں بھی سرایت کر گئی ۔ بنی تمیم کے گھوڑے مسافات بعیدہ سے چلکر اسوقت تازہ دم ہوتے ہیں ۔ جب دوسرے گھوڑے تھک جاتے ہیں ۔ اصحاب کرام میں سے اسی قبیلے کا ایک پیر ضعیف میدان جنگ میں نکلا ۔ اور اس کے چار بیٹے اس کے بازو پکڑے ہوئے اس کو گھوڑے پر سوار کرنے لگے مقابل صف میں سے ایک دشمن نے طعنہ آمیز نعرہ مارا کہ تمہارے درمیان کوئی جوان نہیں رہا جو بوڑھے کو بھیج رہے ہو اور وہ خود گھوڑے پر بھی نہیں چڑھ سکتا ۔ اس پیر نے جواب دیا کہ بے شک مجھے چار آدمی سوار کر رہے ہیں مگر چار سو مجھے اتار نہیں سکینگے چنانچہ ایسا ہی اس نے ثابت کر دکھایا ۔ افغانوں کا بھی یہی حال ہے ۔ جب دشمن تھک کر چور ہو جاتا ہے تو یہ سوتے اٹھتے ہیں اور آنکھیں ملتے گھر سے باہر نکلتے ہیں کہ لڑائی میں شریک ہوں ۔ چار بھلے مانس ان کو میدان جنگ کی راہ بتا دیں پھر یہ باز نہ آئیں گے ۔ اگرچہ فائدہ صلح و امن میں ہو اور ہزار ان کو منع کیا جائے ۔

جوزف اس منطقی ملا کی گفتگو میں محو سا ہو کر اسی کے پیچھے ہو لیا اور ساتھ دوسرے آدمی بھی تھے جو سب تھوڑی دیر کے بعد ایک درے میں داخل ہو گئے ۔ افغانستان میں شاہراہ پر جاتے سوائے پہاڑوں کے سلسلے کے اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ مگر ذرا سا ہٹ کر جب ایک درے میں جا گھسو تو وہ ایک وادی ہوتی ہے جس کے بیچ ایک چھوٹا دریا رواں اور آس پاس کناروں پر فصل باغیچے اور گھر ہوتے ہیں ۔ یہ ایک بہت سے گھروں کا مجموعہ تھا جہاں کثرت سے لوگ جمع تھے اور رتن ڈال رہے تھے یعنی ایک دو سو جوان آدمی گھیرا باندھ کر ایک خاص ضابطے سے گھومتے کودتے اور ناچتے تھے ۔ ان کے لمبے لمبے بال کبھی آگے کبھی پیچھے گرتے اور یہ سب حرکتیں ایک ہی وقت میں ڈھول اور سرنا کے ساتھ ادا ہوتی تھیں جو اس دائرے کے اندر بج رہا

تھا۔ اور ساتھ ایک شخص کھڑا جنگی شعر گاتا تھا۔ ہمارا اطراجس کے ساتھ جوزف یہاں آپہنچا تھا کچھ دیر یہ تماشا دیکھتا رہا پھر صف کو چیر کر حلقے کے اندر گیا۔ اس کو دیکھتے ہی رتن بند ہو گیا اور سب لوگ اونچی آوازوں سے السلام علیکم کہنے لگے اور وہ جواب دے کر یوں گویا ہوا:۔

"میرے بھائیو اور شاگردو۔ تم جانتے ہو کہ دشمن سب فنا ہو گیا مگر یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا بڑا لشکر جلال آباد میں ہے۔ وہ ہم سے بدلے لینے ضرور آئیگا۔ اس لئے چاہیئے کہ مقابلے کے لئے ہم بھی آمادہ ہو جائیں۔ تم جہاد کی تیاری سے واقف ہو تمھیں کچھ بتانا تحصیل حاصل ہے مگر اس لئے کہ خدا اور رسول کی کلام سے دلوں کو تسلی ہوتی ہے۔ میں چند آیات و احادیث کا مطلب تمھیں سناتا ہوں اِذَا لَقِیۡتُمۡ الخ۔ اے مسلمانوں جب تم کفار کے سامنے نکلو ایسی حالت میں کہ وہ بہت ہوں اور تمھاری تعداد تھوڑی ہو تو بھی پیٹھ مت دکھاؤ کیونکہ اگر تم بیس ہو گے تو دو سو پر غالب آؤ گے۔ لاا قل ہزار ہو گے تو دو ہزار پر فتح پاؤ گے۔ یہ تمھاری اپنی دیانت شجاعت اور جنگی مہارت پر منحصر ہے۔ بہر حال مقابلے میں صبر و ثبات سے کام لو اور اگر ان کی قوت و جمعیت بہت زیادہ ہو تو صرف اس نیت سے رجعت کر سکتے ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ متفق ہو کر حملہ کرو گے یا اس وقت پیچھے ہٹ کر پھر موقع پا کر لڑ و گے۔ لیکن صرف موت کے ڈر سے بھاگنا غضب خداوندی کا موجب ہوتا ہے۔ مرگ جس سے گریز کرتے ہو تم کو مل کر رہیگی اور وہ مرگ جو بزدل کے نصیب ہوتی ہے اس کی زندگی میں ہی شروع ہو جاتی ہے بلکہ اس کی اولاد میں بھی اس کا اثر باقی رہ کر ان کو بدنام رکھتا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نے ڈرپوک شکست کھانے والوں کے لئے دوزخ مقرر کیا ہے اور وہ بہت بُری قرار گاہ ہے۔

لوگو تم شہادت کی لذت سے بے خبر ہو ورنہ آرزو سے مرنے کی خواہش کرو۔ نیک نامی اور احترام کے علاوہ جو قوم میں ہمیشہ کے لئے کمائی کرو گے حدیث کے نحو اسے ایسا بہشت تم کو ملے گا جس میں نعمتوں کا حدو حساب نہ ہو گا۔ باوجود ہر روز نئے عطیوں کے خدا تعالےٰ اپنے جلال و جبروت کے باوجود پیغام بھیجے گا کہ اور چیز جو چاہو طلب کرو۔ شہید عرض کرینگے کہ تمام اشیا حاضر ہیں جو چاہتے ہیں مہیا ہو جاتی ہیں۔ پھر بارگاہ کبریائی سے دوبارہ سہ بارہ بھی مہربانی ہوگی کہ اگر کسی اور چیز کی تمنا ہو تو بتاؤ۔ آخر شہید حیران و فرحاں فکر کرینگے کہ کونسی چیز ہم کو یہاں میسر نہیں ہے۔ آخر یہ معلوم کرتے ہیں کہ جو مزہ جہاد میں قتل ہوتے وقت پایا تھا وہ بہشت میں بھی نہیں ہے۔ اس لئے دعا کرینگے کہ ہم کو پھر دنیا میں بھیجا جائے تاکہ لڑائی میں داخل ہو کر پھر شہادت حاصل کریں اے افغانو۔ تم اپنی فراست سے اس لذت کو پالو۔ اب موقع آنے کو ہے۔ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا الخ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور خدا کی طرف سے ان کی پرورش ہوتی ہے۔ اس کے ارزاق و انعامات سے وہ خوش و خورم ہیں اور اپنے پسماندگان کے بارے میں بھی وہ خوشی مناتے ہیں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے نہ غم اور اپنے پروردگار کے فضل و اکرام سے مسرور ہیں وہ ایمانداروں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شہدا کے عظیم اجر ارشاد فرمائے ہیں- للشہید عند اللہ ستۃ خصال۔ خدا تعالے کے نزدیک شہید کی چھ خصلتیں ہیں یعنی وہ خوبیاں اور فضیلتیں جو اسے آخرت میں حاصل ہونگی- اول پہلی ہی دفعہ اس کے گناہ سب معاف کئے جائینگے اور پھر اس سے کوئی پرسش نہ ہوگی جس کا فکر ہے- دوم- مرتے ہی اس کو بہشت میں اس کی جگہ بتا ئی جائیگی اور انتظار کی زحمت نہ جھیلنی پڑیگی کہ کونسا مقام اس کو ملے گا- سوم قبر کے عذاب میں وہ مبتلا نہ ہوگا اور اس کے بعد قیامت کی سخت گھبراہٹ سے امین رہ کر ہمیشہ آرام میں رہیگا- چہارم- ایسے وقار کا تاج اس کے سر پر رکھا جائیگا جس کے یاقوتوں کا ایک دانہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا- دونو جہانوں کی سرخروئی اور عزت امتیاز سے اسے میسر ہوگی- پنجم- ستر بڑی بڑی آنکھوں والی حسین وجمیل بیویاں اس کو دی جائینگی" وہ عورت جو گذشتہ لڑائی میں نمودار ہو چکی تھی یہاں بول اٹھی "ملا صاحب- اگر ایک عورت جو غزا میں شریک رہی ہو اور اس کا شوہر بھی غازی ہو یا نہ ہو تو اسکا کیا حال ہوگا؟"

ملا "مجھے حدیث پوری کر لینے دو- ششم شہید اپنے ستر اقربا کی شفاعت کر کے انھیں بخشوا سکیگا اگر عورت شہید ہو تو وہ اپنے شوہر کو اگرچہ وہ شہادت کے درجے کو نہ پہنچا ہو تو بخشوا کر اس کے ساتھ رہ سکتی ہے- اگر ایک نیک جورو اپنے خاوند کے ساتھ دنیا میں ایسا اچھا سلوک کرے کہ وہ اس کا گرویدہ ہو جائے تو وہ پھر دوسری عورت کی طرف کیوں آنکھ اٹھا کر دیکھنے لگا بہشت میں اس زوجہ کا حسن وجمال بھی ایسا ہو جائیگا کہ شوہر اس کے سوا اور کسی کو دھیان میں ہی نہیں لائیگا اسی طرح مرد کی صورت بھی اس کی دنیاوی سیرت کے اندازے سے بے نظیر ہو جائیگی- باقی رہیں ستر حوریں تو وہ مجلس آرائی کرینگی اور خدمات بجا لائیں گی- ایک بزرگ کو کسی نے پوچھا تھا کہ آپ حوروں کے ساتھ کیا برتاؤ کرینگے- جواب دیا کہ میں کہونگا- جاؤ- بیبیو قرآن پڑھو- خدا کی تعریف بیان کرو"

جوزف نے یہ زنانہ سوال سنا مگر پوچھنے والی کی شکل نہ دیکھ سکا- اتنا پہچان لیا کہ ہے وہی دلیر عورت جس نے اس کا خاص مقابلہ کیا تھا اور اس کے توپخانے کو تباہ کروایا تھا- ملا نے اپنی وعظ جاری رکھی "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ خدا تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور مال خرید کر ان کے عوض ان کو جنت دے دیا ہے- یہ لوگ خدا کے راستے میں لڑتے ہیں- مارتے ہیں اور مرتے ہیں- یہ وعدہ سچا ہے- تورات انجیل اور قرآن میں پس اس خرید و فروخت کے معاملے سے خوشیاں مناؤ- یہ بڑی بھاری کامیابی ہے- مسلمانو- اس تجارت سے فائدہ حاصل کرو مال وجان قربان کرو اور ہمیشہ بہشت میں نعمتوں سے مالامال جیتے رہو- اگر تم نے جہاد سے خوف کھا کر مال وجان کو عزیز رکھا تو یہ دونو پھر بھی ہلاک ہو کر رہینگے- اور آخرت میں خسارہ جدا ہوگا- جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا مَنْ لقی اللہ بغیر اثر من جہاد لقی اللہ وفیہ ثلمہ- جو شخص اس حالت میں خدا تعالے کی بارگاہ میں حاضر ہوگا کہ جہاد کا کوئی اثر اسمیں نہ ہو تو اس میں ایک دھبا پڑا ہوگا- یہ مقدس ملاقات اس دنیاوی غفلت سے داغدار ہو جائے گی اور شرم ورسوائی ہمیشہ باقی رہے گی- اس سے ڈر کر چاہیے

کہ جہاد پر کمر بستہ ہوجاؤ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ الخ۔ اے ایمان والو کیا تم کو اس تجارت کی طرف راہنمائی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے۔ یہ سوداگری کیا ہے؟ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاکر اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنا تمھارے لئے بہتر ہے اگر سمجھو۔ تمھارے گناہ بخش کر ایسے باغوں میں خدا تعالے تمھیں داخل کردیگا۔ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور تمھارے رہنے کے لئے پاکیزہ مکانات ہیں۔ یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری چیز بھی تمھیں مل رہیگی جسے پسند کرتے ہو۔ غنیمت سے بھی حصہ لوگے۔ خدا کی مدد ہو تو فتح نزدیک ہوتی ہے۔ ایمان والوں کو یہ بشارتیں ہیں۔ حضرت سید المرسلین ؐ نے فرمایا کہ تمام مسلمان جہاد کے ثواب میں شریک ہو سکتے ہیں۔ لیبعث من کل رجلین احدھما والاجر بینھما۔ دو مردوں سے ایک لڑائی کے لئے نکلے تو دونو کے درمیان اجر ہوگا۔ دوسرا گھربار کی حفاظت اور زراعت وغیرہ کے لئے گھر پر رہتا ہے اور حتی الوسع ہتھیاروں اور اسباب سے مجاہدین کی امداد کرتا ہے۔ خداوندکریم فرماتا ہے کہ دونو کو اچھا بدلہ ملے گا۔ اگرچہ فضیلت ہاتھ پاؤں مارنے والوں کی بیٹھے رہنے والوں پر ظاہر ہے۔ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً۔ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ الخ۔ کیا گمان کرلیا تم نے کہ جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی اس امر کا ثبوت نہیں ملا کہ تم میں سے کس نے جہاد کیا اور کس نے لڑائی میں صبر و ثبات سے کام لیا۔ چونکہ گنج بغیر رنج کے اور راحت بلا زحمت کے حاصل نہیں ہو سکتی اور عقبےٰ کی راحتیں اور نعمتیں بسا بلند ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ ان کے حصول میں محنت و مشقت بھی زیادہ ہو۔ فرمایا ہے کہ بہشت کو مصیبتوں میں لپیٹ رکھا ہے گذشتہ اقوام کی تاریخ سے ہم یہی سبق پڑھتے ہیں کہ وہ اونچے درجے اور غلبے کو نہ پہنچیں جب تک کہ سخت جاں جوکھوں میں نہ پڑیں۔ اور پھر آخر تک ثابت قدم رہیں مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ ہم پر وہی وقت طاری ہے۔ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے اور حکومت میں ابتری ہے۔ اب تھوڑی دیر اور سنبھلو۔ ہمت کرو اور سب کچھ تمھارا ہے۔

اے افغانو۔ تم کو چاہئے کہ اعلےٰ درجے کے مسلمان بنو۔ صرف اسلام کے غلبے کو اس لڑائی میں مد نظر رکھو۔ خدا ایک ہے اور اس نے اپنے رسول کے ذریعے سے ہم کو نیکی بدی اور ذلت و عزت میں فرق بتایا ہے۔ اس تعلیم کو اونچا دکھانے کے لئے ہم کو لڑنا چاہئے اور کسی قسم کی طمع و غرض دل میں نہیں لانی چاہئے کیونکہ جب اسلام غالب آیا تو وطن قوم خاندان اور وہ شخص جس نے اس غلبے میں مدد کی متمول و معزز ہوجائے گا۔ جَآءَ الرَّجُلُ الی النبی فقال الرجل یقاتل للمغنم الخ۔ ایک شخص نبی ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ ایک آدمی لوٹ کے لئے لڑتا ہے۔ دوسرا نام و شہرت کے لئے ان میں سے کون حق پر ہے؟ فرمایا کہ وہ جو صرف اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔ یہ خدا کی راہ ہے۔ اسلام خدا کا دین ہے اس میں صحیح اور سچے احکام موجود ہیں۔ انکا جاری ہونا اور بے روک ٹوک مانے جانا اس طرح کہ اور کسی کا حکم ان میں خلل نہ

ڈالے بلکہ یہ سب کے اوامر پر حاوی ہوں اور یہ سب سے اونچے ہیں۔ یہ ہے کلمۂ خدا کی بلندی۔ صرف اسی لئے لڑنا اصلی جہاد ہے وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ الخ۔ کافروں کو ہرگز یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ وہ سبقت لے گئے اور وہ مغلوب نہیں ہوں گے۔ نہیں وہ ہاریں گے مگر مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس قدر ہو سکے ان کے مقابلے کے لئے قوت اور گھوڑوں کے رسالے تیار کریں تاکہ ان کے وسیلے سے خدا کے دشمن کو اپنے دشمن کو اور اس کے سوا اوروں کو ڈرا سکو۔ خدا جانتا ہے کہ وہ کون ہیں ممکن ہے تمہارے اپنے آدمی باغی ہو جائیں اس لئے ان کے دفعیے کے لئے بھی قوت و فوج لازم ہے۔ اس بارے میں جو کچھ بھی خرچ کرو اس کا پورا اجر تم کو پہنچیگا اور کسی قسم کا نقص اور ظلم تمہارے حق میں روا نہ رکھا جائیگا۔ اے افغانو۔ قوت سے مراد بندوق اور توپ ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلعم نے منبر پر چڑھ کر تین دفعہ فرمایا۔ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْیُ۔ خبردار ہو جاؤ کہ قوت نشانہ لگانا ہے۔ اس فن میں مہارت غلبے کا موجب ہوتی ہے اور جب یہ سامان کاملاً مہیا ہو تو لڑائی کی حاجت ہی نہیں پڑتی بلکہ دشمن دبے اور ڈرے رہتے ہیں اور احیاناً جرأت بھی کرتے ہیں تو مقہور ہوتے ہیں۔ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ الخ۔ اگر کفار تمہارے ساتھ لڑائی بھی کریں تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائینگے۔ یہ فقط اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم ان سے بڑھ کر آمادہ جنگ ہو یعنی فوج منظم رکھنے کے سوا نشانہ لگانے میں بھی فوقیت رکھتے ہو۔

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يُقَاتِلَ اٰخِرُهُمُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ میری امت میں ہمیشہ ایک طائفہ رہیگا جو حق پر لڑتا رہیگا اور جس نے ان کے ساتھ لڑنے کا ارادہ کیا وہ اس پر غالب آئینگے۔ یہاں تک کہ ان کا آخری آدمی جھوٹے مسیح کے ساتھ لڑیگا۔ اے افغانو۔ وہ آخری قوم تم ہو۔ تم ہمیشہ حق کے لئے جہاد کرتے رہے ہو اور اب تمہاری نوبت اس محاربے پر آپہنچی ہے جس کا اشارہ حدیث میں ہوا ہے۔ میں آپکو ایک غلط فہمی سے نکالتا ہوں۔ ایک کم علم ملا نے لڑائی میں افغانوں کو انگریزوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور یہ پکارا کہ آج دیکھینگے حضرت محمدؐ قوی ثابت ہوتے ہیں یا حضرت مسیحؑ۔ یہ کہنا مناسب نہیں کیونکہ ہم سب رسولوں کو مانتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ البتہ ہم سچے مسیح کے پیرو ہیں جو خدا کا بندہ اور رسول تھا۔ اور موجودہ زمانے کے عیسائی اس کو نہیں مانتے بلکہ انھوں نے ایک اور مسیح تراشا ہے جو خدا کا بیٹا تھا یا خود خدا تھا۔ اس لئے ہم جھوٹے عیسائیوں سے لڑ رہے ہیں جو مکر و فریب سے دوسروں کے ملکوں میں گھستے ہیں اور حیلوں بہانوں سے ان پر قابض ہو جاتے ہیں۔ فَلْيُقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الخ۔ پس لازم ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرو جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض خریدتے ہیں جو خدا کی راہ میں لڑیگا مریگا یا غالب آئیگا تو تو اس کو آخر میں بڑا اجر ملے گا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الف یوم فیما سواہ من المنازل۔ خدا کی راہ میں ایک دن محاربے کے لئے یا بند رہنا اور سفر کرنا ہزار دن سے بہتر ہے جو اس کے سوا اور گھروں اور منزلوں

میں گذریں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ الخ۔ خدا تعالے کا ارشاد ہے کہ پیاس تھکان اور بھوک جو خدا کی راہ میں واقع ہو اور غازی جو منزل طے کریں اور اس میں کفار رنجیدہ ہوں اور دشمن سے کوئی غنیمت حاصل کریں تو یہ سب نیک کاموں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے لئے اجر مقرر ہے۔ جیسے خدا تعالے اچھے آدمیوں کو پہنچاتا ہے اور ان کی خوبیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد کے اثنا میں تم کوئی بھی حرکت کرو تم کو کوئی بھی تکلیف پہنچے یہ سب احسانات ہیں اور تمھارے لئے برکت کا موجب ہونگے۔

ایک مشہور حدیث ہے۔ مر رجل من اصحاب الرسول بشعب فيه عينية الخ رسول اللہؐ کے اصحاب میں سے ایک شخص ایسی وادی میں سے گذرا جس میں میٹھے پانی کا چھوٹا سا چشمہ تھا جو اسے پسند آیا اور کہنے لگا کاش لوگوں سے کنارہ کشی کر کے اس اونچی جگہ اقامت کر لیتا۔ اس خیال کو اس نے رسول اللہ کی خدمت میں ظاہر کیا فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ کیونکہ تمھارا خدا کی راہ میں مضبوطی سے اڑنا اور لڑنا بہتر ہے اس سے کہ گھر میں رہ کر ہزار سال نماز پڑھو۔ جس نے خدا کی راہ میں اتنی ہی لڑائی لڑی جتنی دیر میں اونٹ سانس لیتا ہے تو بہشت اس کا حق ہو جاتا ہے۔ اے افغانو۔ تم مزے اڑاؤ۔ تم کو اس وقت راہ درپیش ہے جس پر ایک قدم چلا ہوا بس جنت میں لے جائیگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ الخ۔ اے ایمان والو احتیاط سے اپنی حفاظت کا سامان کر لو۔ پھر محاربے کے لئے دستہ دستہ نکلو یا سارا لشکر اکٹھا مقابلہ کرے۔ تم میں ایسے آدمی بھی ہیں جو غازیوں سے علیحدہ رہ کر ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے اور اپنی جگہ ٹھہرا رہتے ہیں پھر اگر مصیبت پڑے تو شکر کرتے ہیں کہ ہم لڑائی میں نہیں تھے۔ اگر نعمت ملی تو کہتے کاش ہم بھی فائدہ اٹھاتے اور خوب کامیاب ہوتے۔ یہ علیحدہ رہنے والے لوگ ایسی وضع دکھاتے ہیں جیسے وہ غازیوں کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے تھے۔ اے افغانو۔ میں نے یہ آیت اس لئے پڑھی ہے کہ تم ایسے پست ہمت نہ ہو ورنہ حسرت اور پشیمانی تمھارے حصے آئیگی۔ تمھاری حمیت اور غیرت سے مجھے یقین ہے کہ بہر حال اتفاق سے رہ کر آفات کا سامنا کرو گے۔ حدیث ہے۔ لَيْسَ شَيْءٌ احب الى الله من قطرتين الخ۔ دو قطروں اور دو قدموں سے زیادہ کوئی اور چیز خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ ایک قطرہ آنسو کا جو خدا کے خوف سے ٹپکے اور دوسرا لہو کا جو خدا کی راہ میں گرے۔ اور دو قدموں میں سے ایک وہ جو خدا کی راہ میں اٹھے اور دوسرا خدا کے فرض کی ادائیگی میں۔ اے افغانو۔ اپنے ملک کے حال زار پر آٹھ آٹھ آنسو رو کر اس کو گلزار بنانے کے لئے خون گراؤ۔ اس کی ترقی کے لئے دوڑ دھوپ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ۔ اے ایمان دارو مقابلہ کرو ان کافروں کے ساتھ جو تمھارے نزدیک ہیں اور ایسا شدت سے مقابلہ کرو کہ وہ تمھاری مضبوطی اور قوت کا لوہا مان جائیں۔ اور تم جان

لوکہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کے عذاب سے ڈر کر صحیح کام کرتے ہیں۔ تقوےٰ کیا ہے؟ وہ قوا جو تم کو دئے گئے ہیں۔ ظاہری و باطنی جن کاموں کے لئے وہ موزوں ہیں اور جن اغراض کے لئے وہ بنائے گئے ہیں انھی میں صرف کرو ورنہ عذاب تم پر نازل ہوگا اس سے ڈرنا تقوےٰ ہے۔ اگر لڑائی ہو تو اپنے ہاتھ پاؤں دل و دماغ شجاعت و استقامت اور فراست و صداقت سے مصروف رکھو۔ اور اگر امن ہو تو اپنے آپ کی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی میں مشغول رہو۔ اس میں غزا سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر ۔ یہ اصلاح نفس بحیثیت منفرد و مجتمع جہاد اکبر ہے کیونکہ اس میں پھر لڑائی کی تیاری داخل ہے۔ انسان اور قوم کامل و مترقی نہیں ہو سکتے جب تک وہ آزاد نہ ہوں اور آزادی بغیر آراستہ و مسلح ہونے کے قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمان اگر قوی نہ ہوں تو زبردست لوگ ان پر مسلط ہو جائیں گے اور ان کے رعب و تمکن کو ضائع کرکے ذلت و محکومیت سے بدل دینگے۔ پس جہاد اکبر اگرچہ عین لڑائی کے مقابلے میں بڑا ہے یعنی جنگ جہاد اصغر ہے مگر اسی جنگ کی آمادگی پھر جہاد اکبر ہے۔

وَ رَدَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِغَیۡظِہِمۡ خدا تعالےٰ نے منکروں کو غم و غصے میں رد کر دیا اور نکال دیا۔ درحالیکہ انھوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا تھا۔ مومنوں کی امداد کے لئے لڑائی میں خدا ہی کافی ہے کیونکہ وہ قوی اور غالب ہے۔ رسول صلعم کا دعوےٰ ہے۔ الحق یعلو ولا یعلٰی۔ سچ بلند ہوتا ہے اس کے سامنے اور کوئی چیز اونچی نہیں ہو سکتی۔ ہم نے فی الحال اس اصول سے انکار کرنے والے دشمنوں پر غلبہ پا لیا ہے مگر اسکی بڑی فوج ابھی ہمارے ملک کے دوسرے مقامات میں موجود ہے ان کے مقابلے کے لئے ہمکو غافل نہیں رہنا چاہئے۔ میں اس دعا پر اپنی کلام کو اختتام دیتا ہوں۔ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ اے ہمارے پروردگار۔ ہماری خطاؤں سے اور زیادتیوں سے جو ہم نے حکومت میں اور کاروبار میں کی ہیں درگذر فرما۔ ہم کو دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رکھ اور انکار کرنے والوں کی قوم پر ہم کو مدد دیکر فاتح بنا۔"

سامعین نے بڑے زور سے آمین کے نعرے لگائے۔ کرنیل جوزف نے یہ محسوس کیا کہ ملا کی باتوں کو لوگ بڑے شوق سے سنتے تھے اور چاروں طرف عقیدت کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کو موازنے کا موقع ملا کہ وہ مسجد کا ملا تھا جو روپے کی طمع میں انگریزوں کی مدد پر تیار ہو کر مارا گیا اور ایک یہ ہے جو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کے ساتھ لڑنے کی ترغیب دے رہا ہے تھا تو پہلا بھی بڑا عالم مگر چونکہ عامل نہیں تھا۔ اس کی سیرت کا اثر عوام پر یہ پڑتا تھا کہ مطلق اس کی پروا نہیں کرتے تھے اور جوزف اس کو آتے جاتے دیکھتا تو لوگ اسکو سلام بھی نہیں دیتے تھے۔ یہ ملا اپنے اعلٰے اخلاق کی وجہ سے اتنا معزز ہے کہ اس کو دیکھتے ہی سب نے گانا اور ناچنا بند کر دیا اور اس کی وعظ بڑے شغف سے سنتے رہے۔ اس کی باتوں میں کیا عجیب حکمتیں بھری تھیں۔ خدا اور رسول دونو کے ارشادات سنا رہا تھا۔ دونو میں جنگ کے وہ قواعد و فوائد بتائے گئے

ہیں۔ جو بعض اہل یورپ اٹکل سے کبھی ایک آدھ کہ دیتے ہیں تو ان کو مدبر کہا جاتا ہے۔ جوزف نے اس وعظ سے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کا دین جب لڑائی کے دنیاوی اور اخروی منافع اس تفصیل سے تلقین کرے تو جن قوموں میں لڑائی ایک محض دنیا کی چیز ہو وہ اسلام کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہیں۔ دین تو جامع و کامل جبھی ہو سکتا ہے کہ صلح و جنگ دونو کی خوبیاں بیان کرے جوزف کو اب تنہائی اور بے کسی کے عالم میں ان امور پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

جوزف کی غیبی سرگزشت

آدھی رات ہے۔ سخت برف برس رہی ہے۔ ہوا نہ ہونے سے سردی زیادہ نہیں ہے۔ باوجود تاریکی کے برف کی سفیدی سے چاندنی کے لگ بھگ روشنی ہے۔ قدرت کا دھنیا روئی کے ٹکڑے اڑا رہا ہے۔ اور طبیعت کا جلاہہ اس سے بڑھ کر اتنا زیادہ کام کر رہا ہے گویا ہزاروں مشینیں سفید کپڑا بن کر بچھاتی جاتی ہوں کہ پہاڑ جنگل دریا اور میدان سب اس سے ڈھکے پڑے ہیں۔ آیا یہ زمین کا کفن نہیں ہے؟ اگرچہ چند مہینے بعد یہ زندہ ہو جائیگی وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ مگر فی الحال مردہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی لاش پرانی اور بوسیدہ بھی ہے۔ کیونکہ اس کی سطح پر کرم محسوس ہوتے ہیں۔ کچھ فاصلے پر ایک شخص ان کو ٹٹول کر نکالتا اور رکھتا جاتا ہے۔ کیا بھوکا ہے یا شوق سے یہ تنقل کر رہا ہے؟ آئیے تحقیق کریں اور یہ بھی دیکھیں کہ اس جگہ اور اس وقت یہاں کیا کر رہا ہے کیونکہ میلوں دور تک آبادی اور بنی آدم کی کوئی علامت نہیں ہے۔ کچھ آگے چل کر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک پہاڑی لمبے بالوں والی بلی اور ایک جنگلی لومڑی اس کو دیکھکر وہیں کی وہیں کودتی اور پھاندتی ہیں۔ کیونکہ پھندے میں پھنسی ہوئی ہیں۔ چھری نکال کر ان کو ذبح کرتا ہے اور ان کے گوشت کے دو ٹکڑے دونو پھندوں میں لگا دیتا ہے شاید اس خیال سے کہ بعض جانور ایک کا گوشت پسند کرینگے اور دوسرے دوسری کا لہذا شکار زیادہ آئیگا۔ اور آگے بڑھ کر ایک غار میں گھس جاتا ہے اور ایک بڑا پتھر اس کے منہ میں رکھ دیتا ہے۔ اس کی درزوں میں سے دھواں نکلتا دکھائی دیتا ہے جو البتہ آگ کی دلیل ہے۔ نزدیک سے روشنی بھی اندر دکھائی دیتی ہے۔ پتھر کے کنارے سے جھانکنے پر ایک ریچھ کی کھال اندر لٹکتی نظر آتی ہے۔ سو جائے تو اندر جا کر مزید حال دریافت کرینگے۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اونچے سانس لینے کی آواز آئی اور بیچ میں خراٹا بھی سنائی دینے لگا تو ہم نے پتھر سرکا کر اندر قدم رکھا۔ ریچھ کی کھال کے بعد ایک چیتے کی کھال لٹک رہی تھی۔ جس کے نیچے پنجرے میں چکور تھے۔ اس کی صید میں مہارت تو معلوم ہو گئی کیونکہ چیتا اور چکور ایک دوسرے کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ ایک کے ہونے سے دوسرا بھی وہاں آموجود ہوتا ہے۔ ایک پہاڑی بکری اپنے چھیلے کو چاٹ رہی ہے مگر ہم کو دیکھ کر اٹھتی نہیں۔ کیا یہ لوگوں کی آمد و رفت سے مانوس ہے؟ نہیں بلکہ اس کے کھروں میں ایک ایک یا دام رکھا ہے جس کی وجہ سے بیٹھی رہتی ہے اور مالک کو اچھل کود کر جو بکری کا خاصہ ہے نہیں

جگاتی۔ ذرا آگے پتھر کے کوئلوں کا ڈھیر لگا ہے یہ کیسے یہاں آگئے؟ تعجب سے ادھر ادھر دیکھنے پر اوپر ایک طاق میں دو ہیرے دکھائی دئیے جو کوئلوں کے درمیان پڑے تھے کیا اس لئے پاس پاس رکھے ہیں کہ سیاہی سے سفیدی مقابلہ کھا کر ہیروں کی چمک دمک زیادہ ہو یا اس لئے کہ دونوں کا اصلی مادہ مشترک ہوتا ہے؟ اور آگے ایک کونے میں سفید ڈھیر ہے چکھنے سے یقین ہو گیا کہ میگنیشیا ہے۔ اسے تو کبھی ڈاکٹر افغانستان میں اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اور یہاں اتنا بڑا ہے کہ ڈاکٹر اپنے ساتھ ملک سے باہر لے جا سکتے ہیں۔ ایک ڈھیر اور ہے جو پھٹکڑی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس میں کئی ایک فلز کے ٹکڑے بھی ہیں جن پر جلدی کے سبب ہم علم آوری نہ کر سکے۔ اسی طرح اور متعدد اشیا کو بھی ہم نے بغیر ملاحظے کے چھوڑ دیا اور آگے بڑھے۔

ایک چشمہ نظر پڑا جس سے پانی نکل کر بہ رہا ہے۔ ہمیں پیاس لگ رہی تھی جس لئے ہاتھ بڑھایا تو پانی ابلتا معلوم ہوا مگر ہمیں مایوسی زیادہ دیر نہ رہی کیونکہ پاس ہی ایک پتھر میں جو پیالے کی شکل کا تھا پانی رکھا تھا اور اس میں برف پڑی تھی جو گھل کر تھوڑی سی رہ گئی تھی۔ میزبان کا شکریہ ادا کرتے پانی پیا تو اس میں لوہے کا ذائقہ تھا جو البتہ اسے مفید بنا دیتا ہے مگر برف کی آمیزش نہ ہوتی تو بے مزہ ہونے کے علاوہ لوہے کی زیادتی سے مضر بھی ہو جاتا۔ فی الحال تو ہماری تھکان دور ہو گئی۔ پانی کے اس حصے میں جو جاری تھا لومڑی اور بلی کے قسم کے ایک دو جانور پڑے ہیں۔ جن کا گوشت بالکل پک گیا ہے بخارات نے جو اس پانی سے نکل رہا ہے تمام غار کو گرمابہ بنا رکھا ہے۔ یہاں تک تو ایک جنگلی سرکنڈے کا خوشہ جل رہا تھا لیکن آگے شمع روشن ہے جو ہمیں کی ساخت معلوم ہوتی ہے اور گل ہونے کو ہے۔ اس کی مدد سے صاحب خانہ کو دیکھا اور پہچانا ایک زیبا و توانا جواں جو تنہائی کی وجہ سے کپتان نیمو یا رابنسن کروسو کے ساتھ مشابہت پیدا کر رہا ہے۔ ہمیں اس کی ہٹ دھرمی بہادری اور قومی غیرت یاد آئی۔ اسکے تہور کا چرچہ نہ صرف انگریزوں میں بلکہ افغانوں میں بہت ہو رہا تھا۔ جو اسکی لڑائی دیکھنے کبھی تماشا کے لئے بھی آتے تھے اس صورت و سیرت کی دھاک ہر جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگ اسے مقتول خیال کر چکے تھے اور یہ زندہ اگرچہ بیکسی کے حال میں پڑا ہے مگر اپنی عقل و ہنر کے سبب یہاں بھی ایک طرح کی حکومت کے نشے میں سو رہا ہے۔ اس بیجا تعصب اور اسلام کی دیدہ و دانستہ مخالفت سے ہمیں غصہ آیا کہ اب اس کو مارنا اور بدلہ لینا کیسا آسان ہے۔ مگر فوراً ندامت ہوئی کہ بے بسی میں انتقام کمینگی ہے۔ شیطان نے تحریک کی کہ کم از کم ہیرے تو اس کے پاس نہیں رہنے چاہئے۔ لاکھوں روپوں کا مال ہے جو پھر مسلمانوں کے ضرر میں صرف ہو گا۔ معاً آیت یاد آئی۔ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا ۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے عدول کرنے پر برانگیختہ نہ کرے۔ عدل ہی کرو۔ ہیروں کے پاس پنسل کے ساتھ ایک نوٹ بک تھی۔ اسے ہم نے اٹھایا اور کھول کر دیکھا تو روزنامچہ تھا۔ ناظرین کو بھی اپنے مطالع میں شریک کرتے ہیں:۔

واعظ کی فصیح تقریر سننے کے بعد اور اگر سچ کہوں تو اس سے خوب متاثر ہو کر میں نے اسی گاؤں میں پچاس ساٹھ غازیوں کے ساتھ اقامت کو مناسب سمجھا۔ میں اپنی سیاہ آنکھوں اور بالوں کے سبب اپنے خالق کا شکر اور فارسی جاننے پر اپنے والد کا شکریہ ادا کرتا تھا جس نے مجھے بچپن میں اس کی تعلیم دلوائی تھی۔ گاؤں کے لوگوں نے مسافروں کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا اور میں چند آدمیوں کے ساتھ نمبردار کے حصے میں آیا۔ اس نے ہمارے لئے ایک دو بڑے دالان جن کے ساتھ کوٹھریاں تھیں اور سب میں پلنگ اور فرش بچھے ہوئے تھے الگ کر دئے اور حقے اور چائے کے لئے جدا جدا آدمی مقرر کئے جنھوں نے فوراً حقے اور چند منٹوں کے بعد چائے حاضر کر دی۔ ملک بہت میٹھی زبان سے ہماری خاطر داری کرتا ہے کہنے لگا کہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے معذور سمجھئے تا کہ زخمی مہمانوں کی ذرا خبر لے آؤں۔ میں اس کے پیچھے دیکھتا رہا یہاں تک سامنے ایک لمبے دالان میں چلا گیا۔ جہاں میری نظر ہماری پلٹن کے ایک صوبیدار پر پڑی جو چارپائی پر بیٹھا تھا اور ایک آدمی اس کے کندھوں کو آہستہ دبا رہا تھا۔ یہ ایک پنجابی مسلمان تھا اور پیٹ میں گولی کھا کر بیہوش ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ باتیں کر کے نمبردار دوسرے کمرے میں گیا جہاں ایک سکھ حوالدار لیٹا ہوا تھا اور اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ مجھے تعجب یہ ہوا کہ ایک ہندو اور اس کی تیمارداری میں مصروف ہے۔

نمبردار ان سے فارغ ہو کر پھر ہمارے پاس آن بیٹھا اور نوکروں کو بعض ہدایات دے کر کہنے لگا کہ ہم مسلمان لڑائی میں کافروں کو مردار کرتے ہیں لیکن جب وہ بیکس اور بے بس ہو کر ہمارے ہاتھ آجائیں تو ان کی خبر گیری البتہ لازم ہے جب دشمن سے ضرر کا احتمال نہ ہو اور وہ ہماری پناہ میں آجائے تو خواہ مخواہ اس کی مدد مناسب ہے۔ ایک انگریز افسر میری جگہ میں ہے۔ خوب سخت مجروح ہے اگرچہ ہمارا نائی قابل جراح ہے مگر انگریز چونکہ ہماری بات نہیں سمجھتا اس لئے دشواری پیش آرہی ہے۔ جب شدید درد کے سبب وہ فریاد کرتا ہے میرا دل جلتا ہے۔ میں تسلی و تشفی کی باتیں کرتا ہوں اور وہ نہیں سمجھتا تو مجھے بڑی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

نمبردار کا یہ ہمدردانہ کلام سن کر بارے مجھے خواہش ہوئی کہ اپنی اصلیت کو ظاہر کر دوں ایک تو اس اندیشے سے جھجکتا ہوگا کہ اگر میرا راز میری مرضی کے بغیر افشا ہو گیا تو البتہ مجھے جاسوس سمجھ کر سزا دینگے دوسرا اس زخمی انگریز کی معاونت کرسکونگا پھر یہ شبہ ہوا اگر میں صحیح سلامت ہوں کہیں قید میں نہ ڈال دیں۔ اس لئے سوچ ہی رہا تھا کہ افغانوں میں جب ایسے محسن اور بامروت اشخاص موجود ہیں تو ان سے بدگمانی شاید زیبا نہ ہو کہ باہر ایک شور و غوغا ہوا جس نے میرے حسن ظن کو متزلزل کر دیا۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ چھت پر چڑھا تا کہ دور سے جلدی اس ہنگامے کا سبب دریافت کروں۔

ایک انگریز کپتان کو باندھے لئے آتے ہیں۔ کوئی چھڑی سے مارتا ہے کوئی طعنے اور وہ کلمہ پڑھتا ہے۔ جس کے جواب میں سنتا ہے کہ واللہ اگر اونٹ بھی کلموں سے بھر لائے تو بھی قبول نہ کرینگے۔ پھر ایک طالب جو ایک نیم ملا لڑکا ہے یہ نعرہ لگاتا ہے کہ دیکھا کون زور آور نکلا؟ عیسیٰؑ یا مصطفےٰؐ! پھر ایک پورا ملا للکارتا ہے کہ یہ باتیں بیجا ہیں۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ جو تم پر سلام ڈالے اس کو مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ ہم انبیا میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ حضرت عیسٰے بھی ہمارے پیغمبر تھے البتہ یہ ان کے پیرو گمراہ ہیں۔ ان کو خدا مانتے ہیں۔ ایک اور جوان بولتا ہے کہ جب یہ گمراہ ہیں اور ہمارے ملک میں بھی فساد مچانے آئے تو ان کو وہی سزا ملنی چاہئے جو پہلے کافروں کو مل چکی ہے یعنی خدا نے ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا۔ اس کو بھی بندر کی طرح نچانا چاہئے۔ اس پر دیر نہ ہوئی فوراً آوازے کسے گئے کہ ناچو۔ بیچارے کو مجبور کر کے نچایا۔

مجھ سے یہ بدحالی دیکھی نہ گئی نزدیک تھا کہ غش کھا جاؤں۔ پھر سنبھل کر ارادہ کیا کہ نمبردار کو اس فضیحت سے آگاہ کر کے مظلوم کی داد چاہوں لیکن پھر خوف آیا کہ مبادا بھید کھل ایک بندر کی بجائے دو کا تماشا برپا ہو جائے۔ اتنے میں میرا اندیشہ تقریباً صحیح نکلا۔ آواز آئی کہ اسے لو ایک اور گورا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پوربی سائیس کو لاتے ہیں جو توے کی طرح سیاہ تھا۔ البتہ افغان جو دیہات میں رہتے ہیں انگریزوں اور ان کے کالے نوکروں سبھی کو گورا کہتے ہیں۔ جیسا ہر چیز کو جو اُڑے چڑیا ہی کہہ دیتے ہیں ایک نے تجویز کی کہ ان پر "اتن ابلق" یعنی دو رنگہ ناچ ڈالو۔ میں نے آنکھیں میچ لیں کہ اس فاجعہ کو نہ دیکھوں۔ اتنے میں ایک اور صدا اٹھی کہ ہٹ جاؤ کہ غازی اماں آئی۔ ایک بوڑھی مگر قوی عورت کندھے پر بندوق ہاتھ میں تلوار مع ایک نوجوان لڑکی کے نمودار ہوئی جو سر سے پاؤں تک لپٹی ہوئی تھی۔ مگر اس کی بندوق نظر آتی تھی اور بجائے تلوار کے اس کے ہاتھ میں سیلادہ تھا جو بھاری ہونے کی وجہ سے اس کی قوت پر دلالت کرتا تھا۔ بڑھیا نے لوگوں کے ساتھ مردانہ وار خوشی سے راضی بازی پوچھا مگر جب اس کی نظر انگریز اور سائیس پر پڑی تو اس کا بشاش چہرہ غصے سے بھر گیا اور اس نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا کہ اے جوانمردو تم وہی گروہ نہیں ہو کہ خالی توپ کی آواز سے عورتوں کی طرح بھاگ نکلے تھے اور میں نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کی ہمت سے کافروں کو شکست دی۔ اس لڑکی نے اسی انگریز کے ہاتھ سے زخم بھی کھایا۔ لا بیٹی اپنا سر دکھا کہ یہ مقابلہ کریں۔ وہ میدان جنگ تھا اور اب صلح و اطاعت ہے۔ ہم دونوں نے اس انگریز کے ساتھیوں کو مار ڈالا تو اکیلے کو تم پکڑ لائے۔ بندی قابل رحم ہوتا ہے اور مسلمانی نام ہی دل رحم کا ہے۔ اے ملا۔ تو بھی تماشابین ہے حالانکہ وعظ کیا کرتا تھا کہ اسیروں کو کھانا دینا ثواب ہے۔ اب نعمانی بچوں کی طرح تو بھی شیطانوں کے ساتھ ہو لیا ہے۔ بیٹی! روٹیاں نکالو کہ ان بیچاروں کو کھلائیں۔ میرے بچو ان ظالموں کو معاف کرو اور ان کے لئے بددعا مت کرو۔

غازی اماں کے قربان جاؤں جس نے میری جان میں جان ڈالی۔ اپنی بغل سے ایک چھوٹی سی دری نکال کر اس پر انگریز اور سائیس کو بٹھایا۔ گرد و غبار بلکہ لہو کو بھی اپنی چادر سے ان کے منہ اور جسم کو پونچھا اور گھی میں پکی ہوئی روٹیاں نکال کر ان کے سامنے رکھیں۔ لڑکی نے جھٹ پانی لا کر دیا۔ کپتان یہ شفقت دیکھ کر زار زار رونے لگا۔ غازی اماں نے تسلی دی کہ آئندہ تم ذرا مت ڈرو تمھیں ہر طرح کا آرام پہنچایا جائیگا۔ کپتان کے ہوش ٹھکانے تھے یا نہیں تھے اس نے کہا کہ اے اماں بہت مہربانی

مشفق اماں۔ میں آپ کے شکریے کے عہدے سے باہر نہیں آسکتا۔ آپ کی عنایت نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ میں اس روش کا گرویدہ ہوگیا۔ جس پر آپ چل کر اتنی رحمدل ہوگئی ہیں۔ پہلے تو میں زبان سے کلمہ پڑھتا تھا۔ اب دل سے کہتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ۔ بڑھیا نے بلند آواز سے کہا مبارکباد۔ تمام حاضرین نے بے اختیار مبارکبادوی اور مجھ سے بھی بے محابا یہی آواز نکلی۔ اس لڑکی نے میری طرف اونچی نگاہ کی اور اگرچہ پہلے بھی میں نے اسے دیکھا تھا مگر اس وقت اس کے سر سے نکلا ہوا خون اس کے منہ پر جما ہوا میری ہمدردی کا باعث ہوا تھا مگر اب آنکھیں چار ہوئیں تو میں نے محسوس کیا کہ اس سے تیز زخم میرے دل پر لگا ہے جب غازی اماں اور وہ لڑکی اسیروں کو بڑی محبت سے اپنے ساتھ لے گئیں تو اس لڑکی نے لوٹ کر پھر میری طرف نظر کی اور جان اور ایمان دونو لوٹ کر لے گئی۔

میں بیدل ہو کر وہیں بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔ چاہئیے تھا کہ میرے خیالات افغانوں کے نشیب و فراز سے پریشان ہوتے کہ ایک گھائل کرتا ہے دوسرا تمک چھڑکتا ہے تیسرا مرہم رکھتا ہے چوتھا تیمارداری کرتا ہے۔ مگر یہ انسانی امزجہ کی معجونِ مرکب اور اس کا تجزیہ میرے مذاق سے خارج ہوگیا تھا۔ صرف کسی کا دو دفعہ میری طرف دیکھنا اور اسکی تاثیر ایک مسئلہ بن گیا تھا جس کو حل کرنے کی فکر پڑگئی۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ ایک انگریز کے ہاتھ سے مجروح ہو کر اگر اس نے مجھے پہچان لیا ہے تو میرے آزار کے یا گرفتاری کے درپے ہوگی بلکہ اس خدشے کو یہ امید مٹاتی تھی کہ اس نے محبت کی نگاہ مجھ پر ڈالی ہے۔ میرے عقیدے میں کلی انقلاب واقع ہوگیا اگر وہ کہے کہ مسلمان ہو جا ہو جاؤنگا۔ اگر مسلمان ہو جاؤں اور وہ پھر کہے عیسائی ہو جا تو سنگساری منظور ہے

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر — میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

یہ خام طمع ہے۔ میری خاطر رنجی کے لئے اس نے دوبارہ دیکھا ہوگا۔ وکرادف ویکفیلڈ کی نظم یاد آئی۔ ایک سردار کی لڑکی انجلینا نے ایک غریب ایڈون کو اسی ترچھی اور نفرت کی نظر سے دیکھا تھا۔ بیچارے نے مایوس ہو کر بیابان کی راہ لی اور تنہائی میں عمر بسر کر رہا تھا کہ وہ لڑکی پشیمان ہو کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی کہ اکیلی ہی مر کھپ جائے۔ دونو آخر دوچار ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں۔

اس کہانی نے میری رہنمائی کی۔ علی الصباح میں نے ویرانہ کا رخ کیا تاکہ آبادی سے دور نکل جاؤں۔ اونچے پہاڑوں پر پہنچ گیا۔ اب ایڈون کے امتثال سے انحراف کرنا پڑا۔ کیونکہ مجھے کسی جانور کی جستجو کرنی پڑی تاکہ اس کا طعمہ بناؤں اور وہ فرطِ رحم سے سوائے نباتات کے اور کچھ نہیں چکھتا تھا۔ یہاں برف زار ہے اور سبزی کا نام و نشان نہیں۔ نیز اس کے زمانے میں یہ علم نہیں تھا کہ نباتات میں بھی کرم ہوتے ہیں جو فقط خوردبین سے دکھائی دیتے ہیں اور بعض حکما کا خیال ہے کہ خود نباتات میں بھی جان ہے جس سے نشوونما پاتی اور شعور کے ساتھ بڑھتی ہیں اس لئے سبزی خوری کا مسلک گوشت کھانے سے علیحدہ نہ ہوا بندوق بھر کر میں ایک غار میں گھسا لیکن میں نے قصد کر لیا کہ جب تک شکار یقینی نہ ہو بارود خرچ نہیں کرونگا کیونکہ اس کا ذخیرہ کثیر

پاس بہت کم تھا۔ بارے خوش نصیبی نے مجھ پر قہقہہ لگایا۔ ایک ریچھ ہاتھی کے بچے کے برابر اونگھ رہا ہے۔ سردی میں بحس ہوتا ہے تلوار سے ہی ذبح کر کے درختوں سے خشک لکڑیاں توڑ کر اسے بھونا اور مزے سے کھایا۔

ریچھ کو میں نے غار سے باہر بھونا تاکہ دوسرا جو اس کے نزدیک چھ مہینے کی نیند سو رہا تھا گرمی سے جاگ کر مجھے مقابلے اور دیگر خوراک کی تلاش میں سرگرداں نہ کرے۔ کئی دن بے نمک گوشت کھا کر تنگ آگیا اور اس کی جستجو میں لگا۔ دن کو ادھر ادھر گھومتا اور رات کو ریچھ کی کھال پر میٹھی نیند سوتا۔ انجلینا کا انتظار فراق کی تلخی کو دور کرتا تھا۔ گشت و گذار میں نمک دکھائی دیا لیکن چکھنے پر کڑوا تھا۔ میگنیشیا احتیاطاً کچھ اٹھالیا۔ افغانستان میں یہ مسہل کی دوائی موجود ہے الحمد ہم ہسپم کے کنوئیں یہاں خالی کرنے کو ہیں۔ کچھ دن بعد دوسرے پھر نمک سا دکھائی دیا۔ نزدیک سے پھٹکڑی کی ایسی آمیزش معلوم ہوئی کہ دنیا میں عدیم المثال ہے۔ اس سے ایلومینیم تیار ہو سکتا ہے۔ اس کے برتن بھی ہم اپنے ممالک سے لا کر یہاں بیچیں گے اگرچہ ان میں کھانا پینا مضر ہی کیوں نہ ہو۔ عجیب مخفی خزانے افغانوں کے پہاڑوں میں دبے ہیں۔

نمک کے بارے میں ایک عزم تھا ورنہ خواب و خور میرے لئے ایک بے مزہ عادت تھی جسے کسی کی جدائی میں پوری کرتا تھا۔ آخر ایک پہاڑ کے دامن میں نمک کی پہاڑی پائی جو دور تک اندر جا کر باہر برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس سے نہ صرف ملک بھر کو بلکہ دنیا کو نمک بہم پہنچایا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اس سے سوڈا نکال کر بڑی سوداگری کی جا سکتی ہے۔ جس سے ہماری مشرقی ہند کمپنی مات کھا جائے۔ اب ناچار نمک کی دریافت نے منتظم شکار کا حوصلہ دلایا۔ ریچھ کی آنتوں سے ایک پھندا تیار کیا۔ ہر قسم کے شکار سے اب اوقات بسر کرنے لگا۔ اناج اور ترکاری کی اشتہا محسوس ہوتی تھی مگر نہ اتنی کہ کسی کے تصور پر غالب آجائے اور یہی تخیل تھا جس نے میری خوراک کی قساوتِ قلبی کی تاثیر کو کم کر رکھا تھا ورنہ سر سے لیکر پیر تک درندہ بن گیا ہوتا۔

ایک لمبی چوڑی غار کو میں نے اپنا مسکن قرار دیا۔ اس میں جاری پانی کا چشمہ تھا جو گندھک کے طبقے سے گذر کر آتا تھا مگر اس کے ساتھ ملتا نہیں تھا بلکہ لوہے کے نیچے سے عبور کر کے مقوی بن جاتا تھا جس سے یہ استنباط ہوا کہ آتش خیز مادہ اور لوہے کی کان بھی نزدیک ہے۔ ایک دن ہرن پھندے میں آپھنسا جو اتفاقیہ حسب معمول پتھر کے ساتھ باندھا نہیں گیا تھا۔ اس لئے پھندے کو لے کر ہرن ہو گیا اور ایک غار میں جا گھسا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا۔ کچھ دور اندر جا کر روشنی دیکھی جو اوپر سے آتی تھی کیونکہ چاروں طرف پہاڑ اور سر پر سے کھلا تھا۔ ایک گھنا جنگل دیکھا جہاں ہرن غائب ہو گیا اور میں بھی اسے بھول گیا۔ کیونکہ جنگل سیاہ اور خشک تھا۔ یعنی پتھر کے کوئلوں کا درخت زار تھا اگر مانچسٹر میں ہوتا کیا دولت محسوب ہوتی۔ اپنے تئیں اس کا مالک شمار کر کے میں غریب ایڈون نہ رہا کروڑپتی ہو گیا۔

در موسم خیال بہار است چار فصل ۔ بلبل بچشمِ گل ندہد زیر بال را

جلدی حقیقت کی طرف رجوع کر کے اس کان کی ندرت پر غور کرنے لگا۔ عظیم الجثہ اور قوی ہیکل مردہ درخت ایک دوسرے کے ساتھ

پھنسے کھڑے تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی یہی دکھائی دیتے تھے

اس نظارے میں محو تھا کہ ایک طرف ذراسی جھلک پڑی جو ایک ہیرے سے آتی تھی۔ میرے محبوب کے لئے کیا بے بہا تحفہ ہے؟ بندوق کی نالی اور تلوار کی نوک سے اس کو اکھاڑ نہ سکا۔ ناامید ہونے کو تھا کہ ایک اس سے بڑا اور چمکیلا صرف ہاتھ لگنے سے میری ہتھیلی پر آپڑا۔

بے گل بکوہ وبیاباں شگفتہ — بے در و گوہر بدریا نہ سفتہ

ازیں رنگ و بویش وزاں آب و تابش — کسے حظ یزدہ نہ در سلک سفتہ

طالوت کو گھوڑے کی تلاش میں بادشاہی اور موسے کو آگ کی جستجو میں پیغمبری مل گئی تھی۔ میں نے ہرن کے پیچھے یہ ہیرا پایا اور اس کے ذریعے شاید گوہر مقصود پالوں۔ واپس ہوتے ہوئے ایک اور زمین پر پڑا پایا جو پہلے دو سے بھی زیادہ نفیس اور آبدار تھا۔ اس کے بعد تو جمے ہوئے پانی کے ٹکڑے بھی میری نگاہ میں ہیرے ہی آتے تھے۔ اپنی موجودہ حیثیت پہچان کر میں نے کوئلوں کی ایک گٹھڑی باندھ سر پر اٹھائی اور وہیں سے پنسل کے ٹکڑے بھی لئے جو ہیرے کے مادے ہی سے مشتق ہوتی ہے اور اس سے اپنی سرگذشت تحریر کی۔

ایک رات جس کی خواب یا بیداری خیالِ رفیق سے خالی نہ تھی چند منٹ ہی سویا ہونگا کہ ایک مہیب شور سے جاگ اٹھا دیکھتا ہوں کہ جنگلی بکری باوجودیکہ اس کے کھروں میں بادام تھے مع اپنے چھیلوں کے اچھلتی کودتی ہے۔ ان کو فاقے کی حالت میں میں نے پکڑا تھا اور درختوں کے چھلکوں اور برف کے نیچے سے سوکھے پتوں کی خوراک دے کر ان کو پالتا تھا اور اس کے بدلے کچھ دودھ میسر ہو جاتا تھا۔ چونکہ اہلی نہیں تھی ہر وقت چھلانگیں مارتی اس لئے اس کے سموں میں بادام دے کر لٹا دیتا پھر نہ اٹھتی۔ چشموں کے ڈھونڈھنے میں بہت مدد دیتی تھی۔ کیونکہ برف سے ڈھنپے ہونے پر بھی ان پر پاؤں نہیں دھرتی تھی۔ اس قسم کے غیبی شعور میں بعض حیوانات انسانوں پر بھی سبقت لے گئے ہیں اب میں بکری اور چھیلے کو محبت سے ملتا ہوں مگر ان کی وحشت بڑھتی جاتی ہے اور ان کے جسم کانپ رہے ہیں۔ ناگہاں میری آنکھ غار کی چھت پر پڑتی ہے۔ سیاہ سانپ سر نکالے بل رہے ہیں۔ سردی سے بےحس ہو کر چھپے ہوئے تھے۔ البتہ گرمی زیادہ پہنچی جو نکلنے کو ہیں۔ چشمے کی طرف دیکھتا ہوں کہ اس کا پانی ابل کر ایک ایک فٹ اونچا اٹھتا ہے اور گندھک کی بو اور دھواں دماغ کو حبس کر رہا ہے۔ سانپوں سے ڈر کر غار کے منہ کی طرف لپکتا ہوں مگر دروازہ ندارد۔ ایک بڑا پتھر اوپر سے کھسکا اور اس نے راہ بند کر دی۔ سانپوں کے ڈسنے سے یا آتش فشاں میں جلنے سے یا بھوک سے مرنا بدیہی تھا اور بےکسی میں تنہا اور بے مونس و غمخوار!

اس تہلکے میں خدا یاد آیا اور میں مسیح کو وسیلہ قرار دیتا۔ مگر خیالِ یار کے ساتھ اس کا مذہب ذہن میں آیا۔ اسلام سچا ہے یا مسیحیت؟ یہ ہٹ دھرمی کا وقت نہیں۔ میں دلائل سے جانتا تھا کہ حق کس طرف ہے مگر قومی تعصب پر اڑا تھا۔ موت کیوقت

یہ ضدعیث ہے۔ اس کے نہ قوم کام آسکتی ہے نہ وطن نہ بادشاہ۔ اب سچ کی گھڑی ہے۔ اسلام ایک مذہب ہے مظہر و ناسخ کل دین۔ محمدؐ خاتم النبین پس میں نے کلمہ پڑھا۔ خدایا میں مسلمان ہوں۔ مجھکو مسلمان کے عقیدے میں اٹھا۔ بکری چھیلا اور چکور وغیرہ جو بیشتر شدت سے تڑپ رہے تھے اب خاموش ہوگئے ہیں گویا میرے اقرار کو سن رہے ہیں۔ بے اختیار بول اٹھا کہ تم گواہ رہو میں کس مذہب پر ہوں۔ ایک لمحہ گذر گیا کہ زلزلے نے پھر عود کیا۔ ہر چیز کانپنے لگی۔ خدایا اسلام اگر تیرا دین ہے جسے میں نے قبول کیا۔ مجھے یہاں سے زندہ نکال تاکہ تیرے دین کی خدمت بجالاؤں اور تیرے راستے میں جاں نثاری دکھا کر تلافی مافات کروں۔ بھونچال شدید ہوگیا اور مجھے شک پڑا کہ میری دعا مستجاب نہ ہوئی۔ ایک سخت جھٹکا واقع ہوا جیسا کہ پہاڑ کی کمر ٹوٹی۔ دنیا بھر کا توپخانہ گولے برسانے لگا۔ بھاری پتھر ہولناک آوازوں سے لڑھکنے لگے۔ ان میں سے ایک نے اس پتھر کو جو غار کا سد راہ تھا زور سے دھکا دے کر ہٹایا اور اپنے ساتھ لے کر چل دیا۔ میں جھٹ الحمدللہ کہتا باہر جا کھڑا ہوا۔

وضو اور نماز کی فکر ہوئی۔ قیاس سے ایک رکوع ایک سجدہ اور اول و آخر کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر خدا کی تعریف کرتا اور دعا مانگتا ایک بہشتی لذت محسوس کرتا جو میرے محبوب کے خیال سے بھی بڑھ کر تھی۔ میں نے عزم کرلیا کہ اگر وہ کافر ہو جائے تو میں مسلمان ہی رہونگا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی مومن ہے اور اسی کی وساطت سے میں مشرف باسلام ہوا ہوں اس لئے اس کا بھی شکر گذار ہوں۔ ایک مدت اسی طرح گذری۔ اب دیہات کی طرف رخ کرتا ہوں۔ مگر یہ اندیشہ کہ کلموں سے لدا اونٹ بھی قبول نہ ہوا تھا مجھے پیچھے ہٹاتا ہے۔ پہاڑ پر سے نظر دوڑاتا ہوں کہ دور کچھ کپڑے دکھائی دئے۔ بندوق بھر کر گیا اور دیکھا کہ مختلف قسم کا لباس ہے جو میرے کام آسکیگا۔ اس کے پاس کچھ روپے بکھرے پڑے تھے ایک پر یہ سجع تھا ؎

سیم و طلا بشمس و قمر مید ہد نوید ۔ وقت رواجِ سکۂ پائندہ خاں رسید

یہ سکہ وزیر پائندہ خاں نے چلایا ہوگا مگر اس کی بادشاہی کب ہوئی تھی؟ اتنا سنا تھا کہ ایک شیخ کے حجرے میں سردار اور خان جمع ہوئے تھے اور انھوں نے پائندہ خاں کو صدر مجلس قرار دیا تھا۔ اسی امر کی اطلاع شاہ کو ہوئی جس نے وزیر کو تباہ کیا۔ شاید اس وقت یہ سکہ ضرب ہوا ہو اور اس کے رواج کی نوبت نہ پہنچی ہو مگر اب یہ کیسے رواج پا گیا یا اب اس کے نام پر اس کے کسی عزیز نے جاری کر دیا ہو۔ اس ادھیڑبن میں ایک اور روپیہ کو میں نے پڑھا جس پر یہ بیت کندہ تھی ؎

بزد بفضل و عنایاتِ خالقِ اکبر ۔ امیر دوست محمد دوبارہ سکہ بزر

ذو معنی اضافت سے اقتباس کیا کہ اکبر خاں نے آخر اپنے باپ کو بادشاہ بنا کر چھوڑا۔ البتہ کابل سے انگریزوں کو ہاتھ دھونے پڑے۔ مجھے غم لاحق ہوا مگر جلدی استغفار پڑھی اور اسلام اور دوست کو یاد میں لاکر شکر کیا۔ اگرچہ کپڑے مسروقہ ہوں گے مگر غنیمت سمجھکر میں نے لباس تبدیل کیا۔

ایک وقت جس کی کوئی آن خدا اور رسول اور ایک اور کی یاد سے دور نہیں تھی جس نے ان دونوں تک مجھے پہنچایا تھا آندھی

چل رہی تھی اور گرد وغبار یعنی برف کے ذرات نزدیک کی چیزوں کے دیکھنے میں بھی مانع تھے میں راہ بھول گیا یا میرے راستے کو برف کوش حے نے مسدود کر دیا جو ایک ٹیلے کی مانند ایک جگہ سے پھسل کر نیچے کی طرف آجایا کرتا ہے۔ اس پر سے گذر کر اوپر پہنچا تو وہاں کا ایک حصہ ننگا ہو گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے جانور کا پنجر آدھا برف کے نیچے اور باقی باہر پڑا ہے۔ برف کے کیڑے تو دیکھے تھے یہ وہیل نہ سنی تھی۔ مگر یہ اس سے بدرجہا بڑا تھا۔ اس کے منہ سے داخل ہو کر میں اس کی آنکھ سے باہر نکل گیا۔ اسکے ارد گرد پھر کر دیکھا کہ کچھ پتھروں کے نیچے بھی سمایا ہوا ہے۔ یعنی پتھروں نے اس پر نشوونما پائی ہے جس سے یہ قیاس کیا کہ طوفان نوحؑ کا بقیہ نہیں بلکہ علم طبقات الارض کے رو سے ازمنۂ قبل التاریخ کا آثار ہے جبکہ افغانستان سمندر کے نیچے تھا اور ابھی وہ زلزلۂ عظیمہ پیش نہیں آیا تھا جس نے بحر روم میں ایک ملک کو غرق اور اسطرف کی زمین کو اوپر خشکی میں پھینک دیا۔ میں نے کہا کہ خواہ کتنا مصرف ہو اس نادرۂ عتیقہ کو لنڈن کے میوزیم میں پہنچاؤنگا مگر پھر توبہ کی کہ کابل میں عجائب خانہ بنا کر یہ عبارت اس پر لکھونگا "تہدیۂ یوسف بزلیخا"۔

ثمینہ کی خدمات

اکرم نے صرف اپنی زوجۂ محبوبہ ثمینہ کو ہندوستان جانے کی اجازت دی اور اپنی عزیزہ بہن تسنیم کو اس طرح اس کی معاونت پر مامور کیا کہ گھر بیٹھی رسل رسائل سے طرفین کا احوال معلوم کرتی رہے۔ ان کے خاندان کا رشتہ ناطہ عرصۂ دراز سے متفرقہ علاقوں میں قائم تھا۔ خوگیانی تیراہ اور نوشہرہ وغیرہ میں ان کے اقربا عزت و منزلت رکھتے تدین و تعصب میں معروف تھے۔ بعض مالدار کوچی یعنی رموں کو ملک بملک چرانے والے اور دوسرے تجار پوئنڈے تھے۔ جو مختلف ممالک میں اموالِ سوداگری لے جاتے تھے جو کام اکرم نے بخارا میں اپنے مطلب کا ملمع گردانا تھا وہی ہندوستان میں اختیار کیا گیا۔ وہ اشیا جن کی خارجی تجارت میں غرا کے سبب کساد بازاری نمودار ہو گئی تھی۔ ثمینہ اور تسنیم کی تجاویز سے ان میں رونق ظاہر ہوئی۔

پھلوں میں بگرام کے انگور۔ وہ سبز کے سردے۔ تگاب۔ کجہ۔ قندھار اور تاشقرغان کے انار۔ چاردہی اور چکنی کے سیب اور بہی کوہدامن کی کشمش۔ ارغنداب کے آبجوش۔ کلان کی تاکھ۔ غوربند کے بادام۔ غور اور غوری کا پستہ۔ چرخ۔ وہ خوجہ اور خم ساباغ کی خرمائیاں۔ غزنی کا آلو بخارا۔ ذرغون شہر کی سنجد۔ خودی کا توت بیدانہ۔ بلخ اور میمنہ کے خربوزے۔ ہرات کے لعل اور دوسری قسموں کے انگور مع دوسری چیزوں کے جیسے چاریکار کا شیرہ۔ ہزارہ کا برک اور گرک۔ کاکڑی دنبوں کی اون۔ ترکمنی قالینیں اور کابل کے پٹو اور قناویز۔ شنوار کا کچا ریشم۔ بدخشاں اور چترال کے چغے۔ شلگر کی پوستینیں۔ کافری اور باجوری بکریاں۔ قفقنی اور وزیری گھوڑے ہندوستان کی طرف تگ و پو میں تھے۔ ان کے حمل و نقل کے لئے سبک رفتار اونٹ اور خچریں اور ٹٹو معین تھے جو رات دن لگاتار منزلیں طے کر سکتے۔ ان کے ذریعے وہ خبریں جو بخارا کے مال و متاع کے ساتھ پہنچی تھیں۔ دیگر اخبار و اسباب کے ہمراہ

ہندوستان بھیجی جاتی تھیں۔

انبالہ چھاؤنی کے سٹیشن پر ایک کوتوالی سپاہی کسی انگریز مسافر کو ٹھہرا کر پوچھتا ہے کہ آپ کہاں سے آئے اور کہاں جاتے ہو۔ وہ غصے اور جوش میں جھنجھلا کر جواب دیتا ہے کہ بدبخت حبشی تجھے صاحبوں سے کیا واسطہ؟ اسی طرح کے سوالات پہلے بھی اس سے پوچھے گئے تھے اور اسی طرح کے جوابات پا کر پولیس والوں کو مزید جرأت نہ ہوتی تھی مگر ایک دلیر سپاہی نے اس کی راہ روک کر کہا کہ جب تک جواب نہ دو گے آگے بڑھنے نہ دونگا۔ بوڑھے مسافر نے مجبور ہو کر نفرت سے جواب دیا کہ لنڈن سے سیر و سیاحت کے لئے نکلا ہوں تا کہ تمہارے جیسی عجائب المخلوقات کا تماشا دیکھوں۔ چھاؤنی میں ایک میم صاحب سے ملاقات کرنے جاتا ہوں تا کہ اس کے شیر بچے کو جو تمہارے جیسے ہزاروں گیدڑوں کے لئے کافی ہے افغانستان سے واپس منگوانے کا بندوبست کروں۔ یہی اطلاع ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے تک پولیس نے پہنچا دی۔

آخر بوڑھا ایک بوڑھی کے گھر میں داخل ہوا جو بیوہ تھی اور اپنے لڑکے اور لڑکی کی مسافرت کے سبب قدرے غمگین معلوم ہوتی تھی۔

مرد۔ کرنیل جوزف اور اس کی بہن کی خبر آپ کی خوشنودی کے لئے لایا ہوں۔

عورت بڑے اشتیاق سے اس کے سننے کے لئے منتظر ہوئی۔

مرد۔ آپ کے بیٹے کی کرنیلی پر تبریک دیتا ہوں لیکن آپ کی بیٹی ۔ ۔ ۔

عورت۔ مر تو نہیں گئی؟

مرد۔ اس سے بدتر۔

عورت۔ آپ اس کے مسلمان ہونے کی اطلاع دیتے ہیں۔ میں آگاہ ہوں اور خوش کہ اس نے سیدھا راستہ پکڑ لیا۔ علاوہ دینی نجات کے افغانستان جیسے ملک میں اس سے دنیوی کامیابی بھی حاصل کریگی۔

مرد۔ کیا آپ اسلام کو صراط مستقیم سمجھتی ہیں؟

عورت۔ شاید آپ کو کسی کے عقیدے سے مطلب نہ ہو۔ مہربانی کر کے اور خبر بتائیے۔

مرد۔ اکرم نامی ایک جوانمرد افغان کے ساتھ بیاہ رچا کر اس کے ساتھ اسلام کی کمر باندھی ہے۔

عورت۔ اکرم کو پہچانتی ہوں جو شہباز خاں کا بیٹا ہے اور اس کا باپ ایک مشہور شخص ہے۔

مرد۔ اکرم بخارا کی طرف گیا ہے اور اس کی بہن ہمراہ نہیں ہے اور کابل میں بھی نہیں تھی۔

عورت۔ اس کی طرف سے خاطر جمع ہوں جوزف کا کیا حال تھا۔

مرد۔ اپنی خدمات میں سرگرم۔ سر ولیم کا منظور نظر اور لشکر میں ہر دلعزیز۔

عورت۔ کیا وہ اسلام کی طرف مائل نہیں تھا۔

مرد۔ بلکہ پہلے سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن اور انتقام پر آمادہ۔

عورت۔ میں اس بچے کو ابتدا ہی سے جاہل و متعصب پاتی تھی۔ اگرچہ ہمارا خاندان مدت سے وحدانیت کا قائل چلا آیا ہے مگر یہ ضد سے کیتھولک مذہب کی طرف رخ کرتا۔ اگرچہ فنی و حربی تعلیم میں مکتب و عسکر دونوں جگہوں میں یکتا تھا۔ مگر تعصب میں زمانۂ وسطے کا پادری کہا جا سکتا تھا جو ہر وقت محاربۂ صلیبی کے لئے تیار ہو حالانکہ انھی لڑائیوں میں مسلمان مہذب متمدن عالم و فاضل تھے اور نصرانی وحشی ظالم اور جاہل۔

مرد۔ آپ کی بیٹی کی طرف سے ایک خط لایا ہوں۔ مگر چونکہ افغانستان حربستان سے گذر کر آیا ہوں۔ اور ان دنوں نامہ بری فوری قتل کا موجب ہو سکتی تھی اس لئے تحریر مختصر ہے اور اسکے مضمون سے بھی خبردار ہوں کیونکہ بغیر اطلاع کے پیغام نہیں پہنچا سکتا تھا۔ (ٹوپی کے اندر سے ایک باریک کاغذ نکال کر دینے لگا)

عورت۔ مجھے معاف کیجئے۔ آپ بڑھاپے میں بھی موت سے خائف ہو حالانکہ میں اور آپ خود بخود اس کے نزدیک پہنچ رہے ہیں۔ جرأت و جسارت اعلےٰ اوصاف ہیں اور میری بیٹی میں یہ ہیں۔ اب کیا ترنم کرتی ہے:۔

بہت عزیز اماں۔ سابق خطاب عزیز ترین اس لئے نہیں کرتی کہ پہلے اسلام کو عزیز جانتی ہوں۔ پھر اپنے مسلمان شوہر کو۔ اگر آپ میری بھی ایک قدم اور بڑھ کر وحدانیت خدا کے علاوہ جس کی معتقد ہو خاتم النبیین پر بھی ایمان لاؤ تو میری پہلی عزت و محبت آپ کے حق میں عود کر آئے گی اور شاید آپ کے ذریعے سے جوزف بھی نجات پائے ورنہ ہلاکت دارین کا اندیشہ ہے۔ لاسمح اللہ۔ آپکی ناصحہ ثمینہ

صرف میری بیٹی ہے۔ وہی بہادرانہ لہجہ وہی صادقانہ محاورہ۔ اب اسے کیسے مطلع کروں کہ میں شاید اس سے قبل مسلمان ہوں اور اس کا اظہار بھی کر چکی ہوں۔

مرد۔ اس کی اطلاع میں پہنچا دونگا۔ کیونکہ افواہ ہے کہ آپکی بیٹی ہندوستان میں ہے اور سیاحت کے دوران میں آخر اس کو پالونگا۔

عورت۔ جھوٹی خبر نہ ہو۔

مرد۔ مجھے یقین ہی ہے لیکن اس نے خود مجھے منع کیا تھا۔ کیونکہ اس راز میں بعض اہم امور داخل ہیں۔

عورت۔ مجھ سے اخفا اس لئے تھا کہ وہ میرے اسلام سے بے خبر تھی۔ چونکہ آپ میری وضع سے واقف ہو گئے ہو۔ میرے قول پر اعتماد کر کے اس کی معاونت کا موقع مجھے دے سکتے ہو۔

مرد۔ سیاسی بھید ہیں۔ اور آپ کی ملت کے صریحاً مخالف۔

عورت۔ اسلام میری ملت ہے اور میں جغرافی و قومی حدود سے مافوق ہوں۔ میں قرآن پڑھتی ہوں اور اس میں یہ

آیت ہے :۔ اگر تمھارے نزدیک باپ، بیٹے، بیویاں، خاندان، قبیلہ، حب وطن اور کسادِ تجارت خدا رسول اور راہِ حق میں جہاد سے زیادہ محبوب و مرغوب ہوں تو ذرا ٹھہر و یہاں تک کہ امرِ خدا تمھیں آن لے۔

مرد۔ آپ کی بیٹی خفیہ طریقے سے نظر بند امیر کو اور نیز وائسرائے کو ملے گی۔

عورت۔ خفیہ! یہ مردانہ حرکت نہیں ہے۔ نہیں نہیں۔ بہت مردانہ و مدبرانہ ہے ورنہ ایک لمحظے میں جان کے لالے پڑ جائیں گے میں اس بارے میں ہر قسم کی امداد کرنے کو حاضر ہوں اور مفتخر ہوں گی۔

مرد۔ جب یہ طے ہو گیا تو میں آپ کی بیٹی کو ابھی لائے دیتا ہوں۔ عفو فرمایئے میں نے آپکو انتظار میں رکھا۔ دو منٹ مجھے باہر جانے کی اجازت دیجئے۔

یہ کہ کر مرد دوسرے کمرے میں چلا گیا اور دو منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ پھر دروازہ کھلا اور ثمینہ ایک گھٹنا ٹیک کر ماں کا ہاتھ چومتی دکھائی دی :۔ اماں۔ اماں بشادمانی اور شکرانہ ہماری اسلامی ملاقات پر۔

ماں۔ بیشک خدا کا شکر ہے۔ شاباش میری جوانمرد لڑکی۔ میں اس بوڑھے میں شباب ہمت محسوس کرتی تھی جیسا آپ تمھاری جوانی میں پیرانہ عقل کے آثار پاتی ہوں۔

اس اختلاط میں ماں بیٹی کے درمیان جو ہنسی خوشی اور زنانہ گریہ وزاری کے ساتھ باتیں ہوئیں اسکا ناظرین خود تصور فرما لیں اور ہمیں قصہ جاری رکھنے کی رخصت دیں۔ دونوں نے آخر یہ فیصلہ کیا کہ بیٹی اسی سیاحت کی تکمیل میں ماں کی طرف سے ایک خطِ سفارش لے جائے جس میں وائسرائے کو درخواست سے آگاہ کیا جائے کہ بوڑھے سیاح کی مدد سے بیٹی کو براہ لانے کی امید کے سوا اس کے تجارت و مشاہدات سے افغانستان کی سیاسیات میں بھی فوائد متوقع ہوں گے۔

انگریزی اخبارات میں مارگرٹ کے مسلمان ہونے کی خبر بالکل شائع نہیں ہوئی تھی کیونکہ لڑائی کے نازک موقعے پر نصرانیت سے انحراف سیاست پر برا اثر ڈال سکتا تھا۔ اردو اخباروں میں تو جنگ کے متعلق خبریں اس وقت تک چھپ ہی نہیں سکتی تھیں۔ جب تک کہ حاکم شہر کی نظر سے نہ گذریں۔ یہ خبر کہ مارگرٹ ایک اسیر حرب کے ساتھ فرار ہو گئی صرف دائرۂ خفیہ کو معلوم تھی اور باقی دنیا کو اس کا کوئی علم نہیں تھا۔

مارگرٹ نے اپنی ماں کے ہاں اس کے ایک مسلمان نوکر کو غنیمت سمجھا جو بڑا دلاور اور دیانت دار اس درجہ تھا کہ اس کی ہر روز مثال نے اس کی ماں کو متاثر کیا اور اس کی عبادت و معاملتِ صالحانہ نے اس کو جلدی اسلام پر مبادرت دلائی بلکہ اس سے دینی معلومات حاصل کر کے بیوہ کو تعجب ہوا کہ جب اَن پڑھ مسلمانوں کے راسخ العقیدہ ہونے کی یہ کیفیت ہے تو علماء کی بلندی کہاں تک ہوگی۔ ثمینہ نے اُسے مقرر کیا کہ جو لوگ تجارت کے بہانے سے اس کو افغانستان سے آ کر ملیں تو ان سے خبریں لے کر پہنچائے۔ اور ضرورت پڑے تو خود بھی کلکتہ پہنچے۔

ثمینہ اپنی ریش سفیدی کی مطابقت میں ذرا کبڑی ہو کر چلتی تھی تاکہ سینہ جو اس کے مردانہ قد و قامت میں ایک ہی زنانہ علامت تھی چھپی رہے۔ آواز کو اس نے ہر ہندوستانی کے ساتھ قہر و جبر استعمال کر کے موٹا بنا رکھا تھا۔ کلکتہ پہنچکر اس کا پہلا قدم گورنر جنرل کے محل میں پڑا۔ افغانستان کا سیاح جو ضرور دشوار گذار اور نامعلوم راہوں سے پہنچا تھا لاٹ صاحب کی جلب نظر کا باعث ہوا اور وہ اس کی تنوع گفتگو سے محظوظ اور اس کی جانفشانی کے ارادوں سے ممنون ہوا۔ اپنی ہمہ وقتہ ملاقات کے علاوہ اس کو امیر صاحب کے پاس آمد و رفت کی اجازت بھی عنایت کر دی۔

کبڑا اور بوڑھا سیاح پولٹیکل ایجنٹ کی معیت میں امیر کی بارگاہ کو پہلی دفعہ دیکھکر ششدر رہ گیا۔ باوجود حسرت کے وہی بادشاہی کے ٹھاٹھ قائم تھے۔ خدام دست بستہ کھڑے اور مصاحب ادب سے بیٹھے وہی آداب دکھا رہے تھے جو صرف تخت کے مالک کے سامنے بجا لائے جاتے ہیں۔ اس سے محروم ہو کر وقار کو ہاتھ سے نہ دینا اور وفادار جمعیت فراہم رکھنا اقبال کے آثار تھے جن کو سیاح نے بشارت کے ساتھ محسوس کیا۔ ایجنٹ نے اس کو اپنے سے زیادہ گورنر جنرل کا مقرب جانکر اس میں مضائقہ نہ دیکھا کہ خود دوسروں کے ساتھ مشغول کلام ہو کر اس کو تنہا امیر کے قریب چھوڑا جائے۔ جب پھل وغیرہ لائے گئے اور امیر نے شاہانہ الطاف کے پیرایے میں خود کچھ میوہ مہمان کے سامنے پیش کیا تو اس نے موقع پا کر ایک کاغذ پوشیدہ طریقے سے امیر کے ہاتھ میں دے دیا۔ خلوت میں پڑھا تو اکثر سرداروں اور خوانین کے دستخطوں سے ضروری اطلاعات و عقیدت کے علاوہ قاصد پر زبانی بیانات کو چھوڑا تھا۔ دوسری باریابی پر اس نے عرض کیا کہ معاہدے کے وقت صلح جوئی کی حاجت نہیں کیونکہ خود انگریز مراجعت کی خواہش کریں گے۔

ایک افغان انگور فروش صرف حکام اور رؤسا کی کوٹھیوں میں پھر کر صاحبی حبشی اور لعل انگور بڑی قیمت پر بیچتا ہے سیاح کے پاس جا کر ایک رقعہ دیتا ہے جس میں اکبر خاں کی معاودت مرقوم ہے۔ ہم نے تو گذشتہ فصل میں انگریزوں کے قتل عام کا حال بلکہ امیر دوست محمد خاں کے دوبارہ تخت کابل پر متمکن ہونے کا ایما بھی کر دیا تھا مگر اس کی تمہید اس وقت بیان کی جاتی ہے تاکہ ایک کلی کے کھلنے کی مہک سے بھی حظ اٹھایا جا سکے۔ ثمینہ کو اکبر خاں کی بخارا سے کابل آنے کی خبر تو معلوم ہوئی مگر اکرم کا سراغ نہ چلا۔ کاغذ پھٹا پا گلا اور گندہ تھا۔ حامل سے مضطرب ہو کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے گولی لگی تھی جس کا زخم بند نہیں ہوا تھا اس میں رکھکر پرزہ لایا تھا۔ اس سے زبانی اکرم کا حال پوچھا جس سے اندیشہ ہوا کہ اکرم کی خیر نہیں ہے۔ ثمینہ ابتلا میں ڈوب گئی۔ اس کے امتحان کا وقت آگیا۔ اگر اکرم دریائے فنا میں غرق ہو گیا تو وہ افغانستان میں کس کے پاس جائیگی اور اس وطن کی خدمت کس لئے کریگی۔ اگر وہ مسلمان ہے تو افغان نہیں ہے اور مسلمان تو ہندوستان میں بھی بہت ہیں۔ ایک دن رات اسی اندرونی مباحثے اور بیقراری میں گذرے۔

صبح ہی گورنر جنرل کی طرف سے پیغام دعوت آیا۔ مشرق وسطے کے سیاح کی عجیب و غریب داستانوں سے کلکتہ کے ارکان

حکومت اس کے بہت مشتاق ہو گئے تھے۔ جب انھوں نے اکبر خاں کے کابل میں ورود کا ذکر کیا تو اس سے سیاح کا رنج و غم تازہ ہو گیا۔ جب اہل مجلس نے اس کے حسرتناک اور افسردہ چہرے کی طرف نظر کی تو ان کو گمان ہوا کہ اس نوخیز واقعے سے ان کی شامت کا احتمال ہے۔ سیاح نے اس غیبی اتفاق سے استفادہ کر کے اکرم کے وطن کی خدمت اس طرح بجا لانے کا ارادہ کیا کہ افسوسناک آواز سے بہر عنوان انگریزوں کے کابل سے نکل آنے کی صلاح دی کیونکہ اکبر خاں شجاعت اور تدبر کا آتش فشاں پہاڑ ہے اور اور تمام طائفے اور قبیلے اس کی دامنگیر ہیں۔ دھماکے سے پھٹنے اور لاوہ اور موادِ ناریہ کے انتشار سے پہلے کابل کا تخلیہ ضروری ہے ورنہ کوئی زندہ نہیں بچیگا۔ سیاح کی کلام دلی رقت اور درد کے سبب اثر کئے بغیر نہ رہی۔

اکرم کے دریا میں گم ہو جانے کی خبر سے افغانستان کے سب خیر خواہ مغموم تھے لیکن نہ ثمینہ اور تسنیم کے درجے پر جن کا عالم اسباب میں اس کے سوا اور کوئی سہارا نہیں تھا۔ جاں نثار پر دل نے جو اس کیفیت سے واقف تھا۔ بہت سے مصارف کی پروا نہ کر کے تسنیم کو اس کے بھائی کی خیریت کی خوشخبری پہنچائی اور اس نے بھی تاخیر کو روا نہ رکھکر ثمینہ کو مطلع کیا۔ ابھی مجلس استقلال منعقد بھی نہیں ہوئی تھی کہ افغان احرار کی تجویز پر ثمینہ نے کلکتے میں عملدرامد شروع کر دیا۔ پیشتر اس کے غم کو جو ایک ذاتی حادثے کا نتیجہ تھا۔ قومی اندیشے پر محمول کیا گیا تھا۔ اب اس کی مسرت کو جو خاندانی خوش بختی پر مبنی تھی یوں تعبیر کیا کہ افغانستان میں انگریزوں کے لئے البتہ خدشہ نہیں رہا۔ ایک اختیار دار اور باوقار شخص اگر تاریخی سوانح یا ادبی مقالے تحریر کرے دعاوی کے فتاوے پر یا عمومی امور پر تقریر کرے اس حالت کا اثر جو جسمانی یا دماغی اعتبار سے اس پر طاری ہوگا اسکی تحریر و تقریر میں بھی سرایت کر جائیگا۔ سیاح کو چونکہ افغانستان کے معاملات میں انہماک تھا اور اسی وجہ سے اس نے حکومت میں رسوخ و نفوذ پیدا کر لیا تھا۔ جب اس نے طمانیت سے افغانی امور کا ذکر کیا تو سب مطمئن ہو گئے۔ پس اس نے مشورہ دیا کہ ہندوستان کی طرح افغانستان بھی انگریزوں کی امداد کا محتاج ہے۔ دونو ملکوں کے باشندے اولی الامر کی الفت و مواسات کے پیاسے ہیں۔ اگر ان سے تنفر و کنارہ کشی اختیار کی جائے تو اس کی مداومت سے خوف ہے کہ سرکشی و بغاوت سر نکالے۔ لہٰذا کابل میں لازم ہے کہ انگریز افغانوں کے ساتھ خلط ملط ہو کر راہ و رسم پیدا کریں اور حاکم کو چاہئے کہ سرداروں کے ساتھ مل جل کر اتحاد کا نمونہ پیش کرے تاکہ دو ملتوں کے درمیان روابط استحکام پا کر ہمارے قبضے کی تقویت کا باعث ہوں جو اجسام سے گذر کر دلوں پر حکم کر کے ہماری سلطنت کے دوام کا موجب ہوگا۔

ثمینہ تفکر کرتی تھی کہ اس کی رائے صائب ہے اور ظاہرہ راغب کرنے والی ہے۔ کیونکہ حاکم و محکوم اختلاط و ارتباط ہی سے امن و امان سے رہ سکتے ہیں لیکن افغانستان میں اس باہمی نشست و برخاست کا کیا انجام ہوا۔ اور جب اس سے رم کھا کر انگریزوں نے اہل ہند سے پرہیز کی تو پندرہ سال بعد ہندوستان میں کیا نتیجہ ہوا۔ ایک جگہ موافقت سے اور دوسری جگہ مغائرت سے ہزاروں انگریز تہ تیغ ہو گئے۔ انتقام دونوں ملکوں سے لیا گیا لیکن ایک میں رعایا کی حاکمیت اور دوسرے

میں پھر محکومیت منجر ہوئی ؂

تفاوت گر نبودے مقتضائے ساز فطرت ہا ۔ چرا شکل دو پیکر چشم احول چار مے بیند
ہماں آبے کہ مے بینی طراوت مایۂ گلہا ۔ چو بر آئینہ پاشی کلفت زنگار مے بیند

یہ فرق افراد میں ہے لیکن مجموعات پر اگر جامع نظر ڈالی جائے تو کلیہ قاعدہ سے انحراف نہیں ہوگا۔ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ایک شخص اندھا دوسرا بینا۔ البتہ دونوں میں فرق ہے مگر قانون یہ ہوا کہ اندھے کوئی چیز نہیں دیکھ سکتے۔ ایک قوم حاکم ہے دوسری محکوم۔ صریحاً اختلاف ہے۔ مگر حکم یہ ہوا کہ تمام اقوام جو علم فن سلاح وتدبیر سے عاری ہیں اہل کمال ملت کے ماتحت ہو جاتی ہیں۔ افغانوں میں سلاح وتدبیر اور اقلاً علم دین اور محلی فنِ حرب کی مہارت تھی اور اس کے ساتھ جبلی مواقع اور جبلی شہامت کی بھی تائید ہوئی۔

فی الجملہ گورنر جنرل نے کابل میں ہدایات بھیج دیں کہ انگریز سابق روش کو تبدیل کر کے افغانوں کے ساتھ مواخات ومرافقت کی محفل گرم کریں۔ سرمنڈلاتے ہی اولے پڑے۔ سیاح کو اپنے قاصدوں اور اعیان حکومت سے اطلاع پہنچی کہ کابل میں کہرام مچ رہا ہے اور انگریزوں کی حالت ابتر ہے۔ مگر جوزف صحیح وسالم اکرم کے ہاں موجود ہے۔ پھر خبر آئی کہ تمام انگریزی لشکر راستے میں تباہ ہو گیا سوائے ایک شخص کے۔ یہ استثنا سیاح اور اس کی ماں کے لئے ایک تنکا تھا۔ جس پر غریق ہاتھ ڈالتا ہے۔ منارہ نیچے چوڑا اور اوپر نوکدار ہوتا جاتا ہے۔ لیکن امید ایک نقطے پر گنبد کھڑا کر دیتی ہے اور اسی نقطۂ امید پر دنیا اور اس کی زندگی بیشتر قائم ہے۔ سیاح اور اس کی ماں رجا رکھتے اور دعا کرتے تھے کہ وہ ایک زندہ شخص جوزف ہی ہو۔

اس وقت سیاح بہت متفکر اور سرگرداں تھا کیونکہ بعض انگریز میگناٹن کے قتل اور فوج کی ہلاکت سے متاثر اور اتنے غضبناک ہو گئے تھے کہ امیر دوست محمد خاں سے طبعاً بدلہ لینے کی رائے دیتے تھے۔ سیاح بھی ان کے ساتھ متفق ہو کر اپنے ہاتھ سے امیر کو مارنے کی آرزو ظاہر کرتا مگر ان کی دور اندیشی اور عقل وحزم کی طرف التجا کر کے کہتا کہ خون لہو سے نہیں دھلتا بلکہ تدبیر کا پانی درکار ہے۔ نیز امیر دوست محمد نے تو خود اپنے تئیں ہمارے حوالے کیا تھا اور اس سے استدلال ہوتا ہے کہ وہ ہمارا دوست ہے۔ اگر اکبر خاں کو اکیلا چھوڑا جائے تو دشمن تو وہ ہے۔ اشد دشمنی کا اسے موقع ملے گا اور اس کے بھائی جو سب کے سب زبردست اشخاص ہیں وہ بھی سخت دشمن ہو جائیں گے ؂

پدر کشتی وتخم کیں کاشتی ۔ پدر کشتہ را کے بود آشتی

دوسری جانب سیاح نے امیر کو ان کی اپنی مرضی کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے یہ رائے دی کہ اپنے وقار کو ملحوظ رکھ کر انگریزوں کے ساتھ اتحاد پر مائل ہوں اور یہ خیال ظاہر کریں کہ اگر میں اپنے وطن میں ہوں تو افغانی کینے کو جو طرفین کے اضرار میں روز بروز تیز ہوتا جاتا ہے سیاسی نصائح سے کند کر سکتا ہوں اور مجھے حسرت ہے کہ یہ حوادث نامرضیہ پیش آئے جو میری موجودگی

میں واقع ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ امیر کے لئے بھی آزمائش کا وقت تھا۔ کیونکہ انگریزی حکومت کے عمائد محاربے کے دشمنوں سے دور اپنے غصے کی زہریلی نظر بند پر ٹپکاتے تھے اور سیاح سب سے زیادہ غضبناک تھا مگر اپنے شعلہ ور کلمات کے آخیر میں ایک لیکن لگا دیتا تھا۔ ایک شخص کا مارنا کیا سب افغانوں کا قتل ہم پر واجب ہو گیا ہے لیکن تدبیر اور مصلحت شرط ہے۔ جیسا روسی کہتے ہیں کہ فاختہ کی طرح امن پسند ہو اور سانپ کی مانند مہلک۔ اس وقت افغان ہر طرف سے جمع ہو کر بے شمار لشکر فراہم کر رہے ہیں اور ان کے بڑھتے ہوئے حوصلوں سے اندیشہ ہے کہ ان کے تعصب دینوں کا سیلاً کہیں جلال آباد کی فوج کو بھی غرقاب نہ کر دے۔ اب جرنیل پولک عازم کابل ہے اور لوگ امیر کا انتظار کر رہے ہیں اگر دونو پہنچ کر معاہدہ کر لیں جس میں برطانیہ کے احترام و احتشام کی شرائط مندرج ہوں تو غازیوں کے بکھر جانے کے بعد انتقام آسانی سے لیا جاسکتا ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند - ہر چہ استاد ازل گفتہ بگو میگویم

دفتر خارجہ میں تجویزیں پیش ہوتی ہیں۔ جن کی تعمیل سے ہزاروں جانیں تلف ہوتی ہیں۔ عسکری ہنر ظاہر ہوتے ہیں اور عوام سپاہ کی بہادریوں کے گیت گاتے ہیں۔ اس کے اسباب ان کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ سیاح کی خدمات تو مورخوں سے بھی قلم انداز ہو گئی ہیں جس کی قومی مساعی کارگر ہوئیں اور باقی ارادے قوہ سے فعل میں نہ آسکے کیونکہ امیر کو منظور نہیں تھے سرنگ کے ذریعے بھاگنا یا تبدیل لباس کر کے نکل جانا اور دیہات میں سے ہوتے ہوئے افغان سوداگروں کے ساتھ سرحد پار ہو جانا جب بتایا گیا تو جواب دیا کہ انگریز اپنے دوست کو ایذا نہیں پہنچائیں گے اور خود خدا تعالےٰ دوست محمد کا نگہبان ہے۔

جب سیاح کی ترغیبیں موثر ہوئیں اور امیر کو کابل بھیجنے کی صلاح ٹھہر گئی تو سیاح کو بھی ساتھ روانہ کرنا مناسب معلوم ہوا اور جوزف کی ماں کو بھی تاکہ اپنی اولاد کو مل سکے۔ سفر کی تیاری میں تھے کہ ان کے نوکر کریم نامی کی اطلاع پہنچی کہ وہ ایک ناگہانی اور دینی واقع میں گرفتار ہو گیا ہے۔ مروت کے شیوے سے دور تھا کہ اس کی رہائی کا انتظام نہ ہو اور نیز وہ ان کا خیر خواہ اور محرم اسرار اور کابل جانے کے لئے بھی تیار تھا۔ سیاح فی الفور اس کی مدد کو پہنچا۔ آگرے کے سٹیشن سے معلوم ہوا کہ کریم پلیٹ فارم پر گذر رہا تھا کہ ایک ریل کے افسر نے کسی ترکی ٹوپی پہنے مسافر کو یورپین خانے میں بیٹھے دیکھ کر جابرانہ لہجے سے کہا کہ یہ جگہ دیکھتے نہیں کہ کن لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔ فی الفور یہاں سے باہر ہو۔ مسافر نے کہا کہ میں ترک ہوں اور استمبول کا باشندہ اور استمبول خود یورپ میں واقع ہے۔ ریلوے افسر نے جو دیسی عیسائی تھا حقارت سے جواب دیا کہ طویلے کا گدھا اگر گھوڑوں کے اصطبل میں باندھ دیا جائے تو گھوڑا نہیں بن سکتا اسلئے تمہیں نکل جانا ہوگا۔ ترک غصے میں تھر تھرانے لگا کریم نے ان الفاظ سے تسلی دی کہ آپ خلیفۃ المسلمین کی قوم میں سے ہونے کے سبب عالی مرتبہ

شخص ہو اور یہ ایک کمینہ عیسائی ہے۔ یہ لوگ اپنے خدا کے بیٹے کے حق میں بے ادبی کے کلمے بکتے ہیں کہ وہ صلیب پر چڑھایا گیا۔ اگر خدا کے بندوں کے ساتھ گستاخی کریں تو معذور ہیں۔ جنکا معبود ہی مقتول ہو گیا ہو البتہ وہ معذور ہیں کہ بیہودہ باتیں پاگلوں کی طرح بولیں"۔

عیسائی۔ کم بخت غلام احمق نمک حرام۔ تو بھی دخل در معقولات دیتا ہے۔ تو سن لو۔ اگر تمھارا پیغمبر سچا ہوتا تو لوگ اس کے نواسوں کو ترسا ترسا کر نہ مار ڈالتے۔

کریم۔ انھوں نے خدا تعالےٰ کی درگاہ میں عرض کی مگر یہ جواب ملا کہ لوگ بہت ظالم ہیں جنھوں نے میرے اکلوتے بیٹے کو نہ چھوڑا۔

اس اثنا میں بہت سے مسافر جمع ہو گئے تھے جو کریم کے جواب سے قہقہ لگا کر ہنس پڑے۔ اس پر عیسائی جوش میں آکر کریم کو گالیاں دینے لگا۔ ترک نے جیب سے پستول نکالا مگر کریم نے اس کے ہاتھ سے یہ کہ کر لے لیا کہ آپ معزز مہمان ہیں یہ کام میرے سپرد کیجئے اور پستول کو عیسائی کی چھاتی پر خالی کر دیا۔ تماشا بینوں میں ایک وکیل حاضر تھا۔ جو مشہور خیر خواہ مسلمانان سمجھا جاتا تھا۔ اس نے کریم کو بھاگ جانے کی صلاح دی اس دلیل پر کہ تمھاری خلاصی یوں ہو سکتی ہے اور ترک چونکہ غیر ملک سے ہے وہ اور طریقے سے بچ سکتا ہے۔ کریم نے پہلے تو اصرار کیا مگر کہنے سننے پر رفو چکر ہو گیا۔ پولیس آموجود ہوئی جس کو مقتول نے نزع کی حالت میں صرف اتنا کہا "ہند۔۔۔۔ ترک"۔ ترک تو پکڑا گیا مگر ہندوستانی غائب تھا۔ مگر اس کے پاؤں کا ایک جوتا ہاتھ لگا۔ ایک ہفتے کے بعد کریم بھی مل گیا مگر دو معتبر اور نامدار شخصوں نے گواہی دی کہ قتل کے وقت وہ ان کے گھر میں تھا۔ جج نے یہ کہا کہ ایک آدمی کا جوتا لاکھوں میں سے کسی اور کے برابر نہیں ہو سکتا اس لئے یہ شہادت سب سے بڑھ کر ہے اس لئے پھانسی کے سوا اس کی اور سزا نہیں ہو سکتی۔ ترک کو وکیل کی بحث پر اس طرح بری قرار دیا کہ وہ ایک آزاد شخص سلطان معظم کا ہم قوم اور قسطنطنیہ کا باشندہ ہو کر جب بے وجہ یہ اہانت کا طعنہ سنے کہ وہ گدھا ہے اور اس کی ملت بھی تو البتہ اشتعال پا کر حملے پر اتر سکتا ہے۔ کریم کے لئے گورنر جنرل سے استرحام کیا گیا تو اس نے مسلمانوں کے جوش وخروش اور سیاح اور جوزف کی ماں کی وساطت سے اسے بھی معاف کر دیا۔

؎ بدبخت دُر دمے و محتسب در دیر گذشت ۔ رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

انسان بظاہر مختار و مطمئن دکھائی دیتا ہے۔ مگر علاوہ زمینی یا آسمانی حوادث کے خود اس کے اندر ایسے جذبات بھرے ہیں کہ ان کے امنڈنے سے آفت آجاتی ہے۔ آفاق و انفس میں قدرتِ قہار کی علامات پائی جاتی ہیں۔ ایک غیور شخص تو جان ہتھیلی پر لئے پھرتا ہے۔ جہاں کسی نے اس کی کسی اس کے دوست یا اس کے مذہب کی توہین کی وہ مرنے مارنے پر اتر آتا ہے اور یہی اس کی زندگی کا دہرا سبب بن جاتا ہے۔ ایک تو عزت کی حیات اس کے نصیب ہوتی ہے۔ اور دوسرا اس

سے ڈر کر کوئی مدعی جرأت بھی نہیں کر سکتا کہ اس کے خلاف کوئی ہتک حرمت کا لفظ کہے۔ کریم اسی قبیل کا جوانمرد تھا مگر چونکہ ریل کا عیسائی افسر اس کے تہور سے بے خبر تھا اس لئے اپنی جان کھو بیٹھا اور قاتل کی پھر غیر تمندی کام آئی شیکسپیر تقدیر کو حاکم گردانتا ہے۔ جو واقعات کو ہر چند ہم ان کو اپنے مطلب کے لئے برے بھلے چھیل تراش لیں وہ اپنے ڈھب پر لاکر ہمارے مقاصد کے حقیقی انجام کے لئے سیدھا کر دیتی ہے۔ کریم کے احسان جو خدمت اور تبلیغ کے لحاظ سے ثمینہ اور اس کی ماں پر تھے مورد جزا ہوئے۔ ان کے وسیلے سے وہ جانبر ہوا اور ان کی خدمات بیش از بیش خلوص سے ادا کرنے کو آمادہ ہو گیا۔ ثمینہ کے لئے آزمائش کا وقت تھا۔ اس نے امیر کی معیت میں جانے کی سہولت اور آرام قربان کیا۔ اور اپنے عقیدت شعار نوکر کا حق ادا کر کے بعد ازاں اپنی ماں کے ساتھ مع اس خادم کے کابل کو روانہ ہوئی۔

دربار امیر کبیر

مدتوں کے بعد افغانستان میں امن وامان قائم ہوا ہے۔ بادشاہ رعایا حاکم ومحکوم مسلمان ہیں یا افغانوں کے جزیہ دہ ہیں۔ خیر خواہوں کی مراد کے پھول کھل رہے ہیں مگر برگ وبار کے نیچے ایک کانٹا اکرم کے دل میں کھٹک رہا ہے۔ اس کی خلش سے گھبرا کر ایک گھڑی دربار سے اٹھ کر باغ میں ٹہلتا ہے۔ درختوں کی اوٹ میں پھرتا چند مزدوروں کے پاس پہنچ جاتا ہے جو کھیت میں کام کر رہے ہیں اور دور سے اس کو دیکھتے تھے نزدیک سے وہ اوجھل ہے۔

ایک مزدور۔ یہ غازی جوان کس قدر خوش بخت ہے۔ عزت منزلت مال متاع میسر دنیا میں اسے کوئی غم نہیں اور ہم بیچارے ظلم اور بیگار سے تنگ آرہے ہیں۔ تمام روز کام کر کے جب شام کو مزدوری نہ ملے جس سے اہل وعیال کی کی قوت مالا یموت بنائیں تو کیوں موت نہ مانگیں۔ اکرم کا دل جلتا ہے۔ وہ اپنی مسافرتوں اور جان جوکھوں پر نظر ڈالتا ہے کہ کتنے برس لڑائیوں مصیبتوں میں گذارے اور آخر جب اجر ملا تو وہ بھی بے زحمت نہیں ؎

عسر ویسر وشور وساز و ماچرا توام شدند ۔ درجواب آں زباں فلسفہ در لکنت است
یا الم ہر در دخویشاں درجہاں پارنج خویش ۔ ہست گر آرام کامل بہرکس در جنت است
گر ندارد فکر فردا یا غم ہمسائیگاں برچنیں حیوان مطلق آشکارا لعنت است

اکرم نے آخری شعر اتنا بلند پڑھا کہ مزدوروں نے بھی سنا۔ جب وہ ذرا خوف کھا کر متوجہ ہوئے تو کہا کہ بھائیو۔ میں شکر کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں اور افغان اگر تمہاری بہبودی کے فکر میں نہوں تو بے ایمان ہوں لیکن ہر کام وقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ بادشاہی نئی ہے اور حکام نئے۔ حکومت کی طرف سے یہ جبر نہیں کہ تمھیں اجرت نہ ملے اور اگر کسی کی خیانت سے ایسا غبن ہو رہا ہے تو میں فوراً اسکا انسداد کرونگا۔ اگر میرے علم کی بات نہ ہو تو تمھیں معلوم ہو گا کہ مجھ سے بڑھ کر

کوئی غم زدہ نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی اپنے رنج کا میرے درد سے مبادلہ کرنا چاہے تو بسم اللہ میں ابھی تمھارے ساتھ آ بیٹھتا ہوں۔ اپنے سے نیچے کی طرف دیکھ کر شکر کرنا چاہئے اور اپنے سے اوپر نظر اٹھاؤ تو جو لوگ تمھیں خوش و خورم دکھائی دیتے ہیں مسرت سے نہیں بلکہ دکھ سے ان کا جام بھرا ہوا بلکہ لبریز پاؤ گے اگرچہ وہ صبر و ہمت سے سکھ جھوگتے معلوم ہوں۔ میرا ایک دوست جس کو جان سے زیادہ میں عزیز جانتا تھا بیمار ہے اور جانکنی میں ہے۔ میں یہاں ہوں اور اس کی خبر گیری نہیں کر سکتا کیونکہ بادشاہی حکم یہی ہے کہ وہ قید میں مر جائے اور کوئی اسکو مل نہ سکے اور بادشاہی حکم بھی سیاسی مجبوری کی وجہ سے ہے۔ اَمْ لِلْاِنسانِ مَا تَمَنّٰی وزیر اکبر خاں کا خسر ہو۔ محمد امین خاں بر کی لوگر کا سردار ہو پھر زنداں میں مر جائے۔ مزدور کچھ سمجھے کچھ نہ سمجھے مگر اکرم اپنے دل کا بخار نکال کر اپنے کاروبار پر چلا گیا۔

بالا حصار کتنے شاہان سلف کی تخت گاہ بن کر اب امیر دوست محمد خاں کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہے۔ قالین پر نہالین اور اسپر تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ تمام لباس اہل دربار سے مشابہ ہے۔ مساوات ہر چیز سے ظاہر ہوتی ہے مگر ارادے اور لہجے سے بادشاہی شان عیاں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ سلطنت مالیات کے ساتھ وابستہ ہے۔ مامورین اور عساکر در کنار اگر خزانے میں پیسہ نہ ہو تو بھی میرا لڑکا جس نے حکومت کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا رکھا ہے اس سے سبکدوش ہو جائیگا۔ مالیات اور محصولات کما حقہا جمع نہیں ہوتے اور حکام سالتمام پر روپے سے یا خدمت سے جواب دیتے ہیں

وزیر اکبر خاں کو غصہ آتا ہے مگر باپ کی متابعت کے سبب ضبط سے کام لے کر کہتا ہے کہ خسروانہ مرحمت ہر شخص کے شامل حال ہے۔ سورج ہر چیز پر چمکتا ہے۔ باغ سے لالہ اگتا ہے اور شورہ زار میں کانٹے۔ مگر ان میں کبھی خود رو پھول بھی ہوتے ہیں اور چمن میں خار و خس بھی نکل آتے ہیں۔ ہمیشہ نیک طبائع بڑے گھرانوں میں ہی نہیں ہوتیں اور شرارت اکثر عوام ہی سے سرزد ہوتی ہے۔ اگر باغباں مستعد قوی اور ہوشیار ہو تو پھول اور پھل بڑھتے ہیں ورنہ گھاس ہی ان کو پامال کر ڈالتا ہے کہتے ہیں کہ میوہ و گل والے درخت زمین کے سوتیلے بیٹے ہیں ان کو وہ دودھ نہیں دیتی اور اپنے سگوں کو جن سے مراد فضول جھاڑیاں ہیں سارا پلا دیتی ہے۔ اسی طرح دنیائے دوں مفسدوں اور کمینوں کو پھولنے پھلنے میں مدد دیتی ہے۔ جیسا لائق باغبان بیابان سے بھی مفید نباتات لاکر اس کو نشو و نما دیتا ہے قابل حکام جہاں کہیں سے بھی صالح اشخاص ملیں ان کی تربیت و قدر دانی کرتے ہیں۔ پہلے گلشن کی مثال سنئے پھر شورہ بوم کی۔

ہمارے اقارب میں سے ایک حاکم مقرر ہوا۔ اپنے جلیل منصب کی آراستگی کے لئے چند ہزار روپیہ ہندوؤں سے اور یہودی منش مسلمانوں سے سود پر قرض لیا۔ مسند پر بیٹھتے ہی نمبرداروں چودھریوں اور خانوں کو طلب کر کے یہ بیان کیا کہ زمین سرکار کی ملکیت ہے اس لئے تم سے مالیہ لیا جاتا ہے مگر ہو تمھاری ملکیت ہے جسے تم سے خریدنا چاہتا ہوں۔ اس کی قیمت معین کر دو۔ انھوں نے خیال کیا عجب سخی حاکم ہے مفت بخشش کرنے کی بجائے ایک چیز کا نام رکھ کر عطا کرنا چاہتا ہے تاکہ احسان نہ ہو۔ ایک

رقم ٹھہرا کر جو البتہ زیادہ نہیں تھی ہوا خرید لی گئی اور زمیندار خوش تھے کہ فصلیں کاٹی گئیں خرمن لگ گئے اور ان کے اڑانے کا وقت آپہنچا۔ سرکاری ملازم ہر جگہ آن دھمکے کہ دانے ڈھیروں میں پڑے رہنے دو کیونکہ ہوا سرکار کی ملکیت ہے۔ اس سے رائیگاں فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔ حاکم صاحب کا یہی تحمل اور عنایت بہت ہے کہ تم کو بے قیمت تنفس کی اجازت ہے اسی جان بخشی کو غنیمت سمجھ کر غلے کو بھوسے سے جدا کرنے کی لاگت ادا کرو۔ الغرض ہوا کی خرید سے علت غائی اس کی فروخت ہوئی اور ہزاروں کی بجائے چند لاکھ روپے حاکم کے ہاتھ لگے مگر دار السلطنت کے خزانۂ عامرہ میں کوئی زیادتی نہ ہوئی بلکہ پہلے سے زیادہ خالی رہا کیونکہ زمین کے مالیات میں ادائیگی کی کمی ہوئی۔

کوہستان کے حاکم کی بابت اطلاع آئی کہ ایک کھیتی میں کسی کے گدھے کو دیکھکر وہیں پھانسی گڑوا کر اسے لٹکا دیا۔ لوگ البتہ سہم کھا کر تمام مالیہ ادا کرنے کو تیار ہو گئے مگر پھر بھی اس کی تنخواہ کے برابر بھی وصول نہ ہوا۔ اس کو تو چھوڑئیے اس کے منشی نے کابل میں ایک گھر بنایا ہے جو اندر سے نہ باہر سے قصر شاہی کو شرماتا ہے۔ اسی علاقے کے متصل نجراب اور تگاب سے جہاں اراضی زیادہ حاصل خیز نہیں ہے اس قدر مالیہ اور محصول وصول ہوا ہے جس سے زیادہ سرسبز اضلاع کی قلعی کھلتی ہے۔ نجراب و تگاب کے باشندوں نے اپنی مرضی سے ایک شخص کو انتخاب کر کے اس کی حاکمی کی منظوری حکومت سے حاصل کر لی تھی اور وہ حاکم خود اس قدر نقد و جنس لے کر حاضر ہوا ہے کہ سخت تعجب اور طمانیت کا مقام ہے۔ اس کو ملک کہوں یا خان یہ نہایت متدین اور ہنرمند شخص ہے۔ اس نے بعض کافرستان کے رہنے والوں کو بھی برضا و رغبت مسلمان بنایا ہے۔ اور ان سے جدا اور سنجق لولغین ڈرنامہ گیا وہ وغیرہ کے خونخوار لوگوں سے علیحدہ ایک مختصر فوج منظم کی ہے جس کی تعریف اس واقعے سے ہوتی ہے کہ جب کافرستان کے تین ہزار مسلح آدمیوں نے ان پر حملہ کیا تو ان میں سے ایک تہائی کو مار کر باقی کو شکست دی۔ حالانکہ فاتح تو صرف تین سو تھے اور ان میں سے صرف بیس مقتول و مجروح ہوئے۔ ان کا افسر جس کے ملکی کمالات بھی عجیب و غریب ہیں۔ دربار کی رکنیت کے شایاں ہے۔ اگرچہ اس کے والدین اور عزیز پسند نہیں کرتے مگر ان کو بھی رضامند کر کے کابل میں بسانا مناسب ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کی بجائے نعم البدل نہیں ملے گا۔ حاکم رشوت ستاں۔ قاضی حرام خور۔ سوار خون آشام۔ پیادہ پوست کن۔ کاتب گوشت خایا تو اہ۔ باقی کیا رہا ہڈیاں سے

تا نخوت سعادت بیروں رود ز مغزش   با سگ شریک روزی کردند زاں ہمارا

امیر صاحب اپنے فرزند اکبر کی باتیں سنکر کبھی خوش ہوتے کبھی رنجیدہ۔ مگر آخری کلمات سے بے صبر و بے طاقت ہو کر فرمانے لگے کہ بے شک انسان کے کردار درست ہونے چاہئیں مگر گفتار میں بھی اسقدر تندی و تیزی زیبا نہیں ع بندہ باید کہ حد خود داند۔ میں جانتا ہوں کہ رعیت اور عاملوں میں فریب و خیانت حکم فرما ہیں۔ لیکن فرشتے کہاں سے اتریں جو صدق و عدل سے معاملت کریں سے

باہمیں مردماں بباید ساخت + چہ تواں کرد مردماں اینند

امیر کی برافروختگی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ کہ منشی نے شاید موقع تاڑ کر جلال آباد کے حاکم کا کام پیش کیا اور ساتھ چھ ملزموں کو پابزنجیر جنھوں نے مالیہ ادا نہ کرنے کے علاوہ فتنہ و فساد بھی برپا کر رکھا تھا۔

امیر:۔ ان کی بابت حاکم نے پہلے بھی لکھا تھا کہ اپنے علاقے میں سرکشی کر رہے ہیں۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ بیت المال کا حق بھی ادا نہیں کرتے۔

ایک ملزم:۔ صاحب الزام سراسر جھوٹ ہے۔ تحصیلدار نے مرغ بکرا روپیہ جو کچھ مانگا ہم نے پہنچایا مگر ہم بے ناموس نہیں ہو سکتے۔ اپنی عورتیں اور لڑکیاں غیروں کے حوالے نہیں کر سکتے۔ امیر صاحب خود عقل عالم ہیں اختیار دار ہیں۔

ایک کاتب:۔ قاتل یا چور کب اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہیں۔ بلکہ بے گناہوں پر تہمت لگایا کرتے ہیں۔

اسی اثنا میں ایک خط کسی سردار کا لکھا ہوا جلال آباد سے آیا جسے دبیر پڑھ کر سناتا ہے۔

شاہانہ شان کے شایاں تعظیم تکریم و تسلیم کے بعد معروض ہے کہ فلاں فلاں چھ شخص مسجد میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا مگر میرا کان انھی کی طرف تھا۔ خدا کی طرف دھیان رکھتے ہوئے میں نے سنا جس کو قلم لکھنے کی جسارت نہیں کر سکتی امیر وزیر اور سرداروں کو کوستے تھے۔ اگر یہ کلی ابھی سے نوچی نہ گئی تو رفتہ رفتہ بغاوت کا گل کھل کر رہے گا۔ خاکم بدہن۔ گل بروئے صاحب۔ اطلاع کو واجب جان کر موجب تصدیعہ ہوا۔

امیر:۔ ہر طرف سے ان کی شکایات پہنچتی ہیں۔ نہ صرف انکار مالیہ بلکہ یہ طوفان تو دوسری!

ایک پیش خدمت:۔ خدا بادشاہ کا حامی ہے۔ اس قسم کے لوگ اپنے لئے برزے بچاتے ہیں۔ بادشاہ یا اس کے خاندان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ ایک کاغذ جو بہسود کے ملا کی طرف سے مجھے آیا تھا پہلے تو میں نے اس کی پرواہ نہ کی مگر اب مناسب سمجھ کر تقدیم کرتا ہوں اگر بے ادبی نہ ہو۔

دبیر پڑھ کر سناتا ہے۔

شاگرد رشید و سعید مہربان و قدردان استاد۔ خدائے رحمان کی حفاظت میں رہو!

امیر المسلمین کی دعا گوئی کے بعد واضح ہو کہ یہاں سب خیریت ہے اور تمھاری عافیت کا طالب ہوں۔ مدت سے تمھاری سلامتی کا احوال نہیں پہنچا۔ بہت فکر مند ہوں۔ دوسری پریشانی یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے نکل پڑے ہیں جو ہم خیر خواہان بادشاہ اسلام کو آخر موت کے منہ میں دیکر رہینگے۔ ان کے ہاں غیر علاقے کے لوگ آکر قیام کرتے ہیں۔ ان میں ایک کے ساتھ میں نے باتیں کیں گو وہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا دل اس کے منہ کی طرح سیاہ تھا۔ جو چیز برتن میں ہو وہی ٹپکتی ہے۔ ان کی زبان سے ہمیشہ فسق و فجور کی باتیں جھڑتی ہیں۔ ایک دن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قصد سے میں نے ان کے سامنے پڑھا۔ ہر جا جمع آید قوم سادات فسادات و فسادات خدائے

جبار وقہاران کو ظلِ اللہ کے غضب میں گرفتار کرے اور ہم مخلصوں جان نثاروں کو معرضِ خوشنودی میں رکھے۔ تاکید ہے کہ ایک پوستین غزنی سے بھجوائیے کیونکہ یہاں بھی سردی ہے۔ والسلام۔

وزیر اکبر خاں:۔ گورنر جنرل کے مراسلات میں ایک فقرہ تھا جس میں ملزموں کی سفارش کی گئی تھی۔ جب تک وہ انگریزوں کے بہی خواہ نہ ہوں ان کی شفاعت کے مستحق کیسے ہو سکتے تھے؟

امیر صاحب:۔ یہ ضرور نہیں۔ مکر اس سے گہرا وار کرتا ہے۔ دشمن اپنے دشمن کی تعریف کر کے دھوکا دیتا ہے۔

ایک خان:۔ وزیر صاحب بیج فرماتے ہیں۔ اس سال جاڑے میں جو میں جلال آباد گیا تو ان اشخاص کے بارے میں کچھ سنا۔ ہمارے کوہ دامن کے لوگ اولی الامر کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور کسی کی جرأت نہیں کہ بادشاہ کے خلاف ایک حرف بھی زبان پر لا سکے مگر یہ لوگ جیسا میں نے سنا حاکم کو حاکمی نہیں کرنے دیتے اہلکاروں کو مارتے ہیں۔ ڈاکوؤں کو پناہ دیتے ہیں کوئی بری بات نہیں تھی جو ان کی بابت سنی نہ گئی ہو۔

وزیر:۔ اگر میرا حافظہ غلط نہ ہو تو صرف ایک مہینے کے اندر چار خط ان کے متعلق میرے پاس پہنچے ہیں جن میں سے دو تو صرف انھی کے بارے میں تھے اور باقی دوسری باتوں کے ضمن میں ان کی شکایت کرتے تھے۔ اگر دسواں حصہ الزامات کا بھی صحیح ہو تو یہ کشتنی گردن زدنی ہیں۔

ملزم:۔ صاحب ہم بے گناہ ہیں۔ سب لوگ مدعا دعناد سے باتیں بنا رہے ہیں۔ ہمارے علاقے سے دریافت کیجئے۔ اگر ایک نے بھی ہمارے خلاف گواہی دی تو ہمارے سر اہل تاج کے صدقے۔

ایک سپاہی ان کے علاقے سے:۔ یہ لو ایک شخص تمھارے علاقے سے شاہدی دیتا ہے خدا کو حاضر و ناظر جان کر میں بخشا نہ جاؤں۔ رسول میری شفاعت نہ کرے۔ کافروں کے ساتھ روسیاہ قبر سے اٹھوں۔ اگر یہ باتیں تمھاری بابت سچی نہ ہوں واللہ باللہ ثم تاللہ سب صحیح ہیں۔

وزیر:۔ خاموش رہو زیادہ زبان درازی نہ کرو۔

امیر:۔ ان کو لے جاؤ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔

وزیر:۔ ہاتھیوں کے نیچے کچلے جائیں تا کہ ایک جہان کو عبرت ہو۔

اکرم خاں بدکی کے فکر میں گھر بیٹھا تھا کہ سردار کاکہ دربار کے واقعہ سے آگاہ اور خوشحال کہ مجرموں کو سزا ملی اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ خس کم جہاں پاک۔ اکرم نے نہایت غور سے تمام کیفیت سن کر کہا:۔

ظالموں نے ایسا وقت تاکا جب واقفانِ حقیقت میں سے ایک بھی دربار میں حاضر نہ تھا اور ہم کو اس شیطانی طوفان کی خبر بھی نہ تھی ورنہ کوئی نہ کوئی ضرور ہشیار رہتا۔ ایسی منضبط سازش سے ہر شخص دھوکے میں آ سکتا تھا۔ امیر اور وزیر کو کیا ملامت کی جائے

اگر فرشتہ بھی ہوتا فریب کھا جاتا۔ ہائے بیچارے شرفا۔ نیک نیت۔ خیر اندیشِ دولت۔ بہادر غازی۔ جب جلال آباد میں انگریز حاکم تھے تو یہی اشخاص ان کے مطیع نہیں ہوئے تھے۔ ان کا گناہ یہ تھا کہ مالیہ پورا دیتے مگر ایک حبہ زیادہ ادا نہ کرتے۔ اگرچہ مالیہ تحصیل کرنے والوں کی خاطر و مدارات کرتے کیونکہ مہمان نوازی ان کے خاندان کا خاصہ ہے۔ بہسود کے ملا کو جو بدفعل شخص تھا نفرت سے دیکھتے اور ایک دفعہ اسے سزا بھی دے چکے تھے۔ حاکم کے دربان کو جو اوروں کی طرح ان سے بھی انعام مانگا کرتا حقارت سے دھتکارتے۔ خان کوہ دامن انکا مہمان تھا۔ چند ہزار روپیہ ان سے قرض لے کر انھی کے بیش بہا ساز والے گھوڑے پر جو رخصت ہو۔ تو واپس دینے کا نام نہیں لیتا تھا۔ سردار نے ان کی ایک لڑکی کا حال سنکر کہ بہت با جمال ہے خواستگاری کی تھی چونکہ اس کے ہاں پہلے پانچ عورتیں تھیں۔ اسلئے انھوں نے انکار کیا۔ سپاہی کے بھائی نے قتل کیا تھا اور انھوں نے اسے قصاص میں مروایا تھا۔ کاتب جلال آباد کے تحصیلدار کا خالہ زاد تھا۔ حاکم کو دوسرے زمینداروں کی طرح گھی غلے گھوڑے اور ان کے چارے سے کبھی ممنون نہیں کرتے تھے اور وہ منشی کو تحفہ بھیجتا تو اس کی کمی کے عذر میں یہ پیش کرتا کہ فلانے کچھ نہیں دیتے۔ اس لئے میں نے اسکا عریضہ اس وقت تقدیم حضور کیا جب موقع نہیں تھا بلکہ امیر صاحب آشفتہ خاطر تھے۔

سردار کا کہ:۔ واہ واہ افغانستان! کچھ مدت پہلے کافر مسلمانوں کو مارتے تھے اب ہم نے آپس میں کشت و خون کا بازار گرم کیا ہے۔ کیا زبردست غازی تھا وہ مرد جس نے ان مقتولوں کے دشمنوں کو ایک ایک کر کے جمع کیا اور پھر مورچے لگا کر ایسا دھاوا بولا کہ خود سلامت اور مخالف سب برباد ہو گئے۔

اکرم:۔ اس شیخوں کی علامات تھوڑا تھوڑا میں محسوس کرتا تھا۔ اس سیاہ روسیاہ کا سالار عثمان علی ہے جو اس صف آرائی میں اتنا مشغول تھا کہ مدت سے اس نے اپنے خواب و خور حرام کر رکھی تھی بلکہ ہمارے لئے بھی اس نے آدمی تیار کئے تھے کہ اگر ہم زبان کھولیں تو ہم کو بھی اس تہمت میں لپیٹ لیں۔ کاش یہ تدبیریں وطن کی ترقی میں صرف ہوتیں۔ اب ضرور ہے کہ ہم بھی اپنی محافظت میں بیفکر نہ بیٹھیں اگرچہ ہماری کوشش خلیفۂ اول کی پیروی میں ہمیشہ یہی رہی ہے کہ نہ کسی کو دھوکا دیں اور نہ کسی سے فریب کھائیں مگر افسوس یہ ہے کہ وہ توجہ اور مصروفیت جو خارجی دشمنوں کے مقابلے میں خرچ کرتے اب اپنے داخلی دوستوں کے دفع کرنے میں لگیگی۔ شاید اس میں بھی مصلحت ہو کہ بیدار رہ کر ہشیاری کی مشق سے اور تدابیر سیکھ لیں۔

سردار:۔ خدا ہمارا حافظ و ناصر ہو۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ عثمان علی ان سیدوں کے خلاف کیوں ہو گیا تھا؟

اکرم:۔ حسد کے سوا اور کوئی محرک نظر نہیں آیا اور یہ حسد ہی پہلے بنی آدم کے قتل کا باعث ہوا تھا۔ جلال آباد میں یہ سید جا رہے تھے گھوڑوں پر سوار اور ساتھ شاطر دوڑ رہے تھے۔ روبرو عثمان علی آیا گدھے پر سوار۔ کیونکہ فطری کمزوری کے سبب پیادہ چل نہیں سکتا تھا۔ اور حکومت نئی تھی اس لئے ابھی گھوڑا بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک سید نے کہا کہ مرزا صاحب آپ کے لئے گھوڑا بھیجو نگا مگر یہ گمان نہ کرنا کہ منشیٔ حضور سمجھ کر رشوت دیتا ہوں۔ وہ البتہ یہ توقع رکھتا تھا کہ سید ہونے کے باوجود وہ گھوڑے سے تعظیماً اتریگے

اور اسی وقت ایک گھوڑا اس کی نذر کرینگے مگر چونکہ وہ موقر اشخاص تھے۔ انھوں نے درباری منشی کی اتنی ہی مراعات کی کہ گھوڑے کا وعدہ دیا اور جب اسے پورا کیا تو رد کیا گیا۔

سردار:۔ قطع نظر اس سے کہ اولاد رسول تھے اور صالح مسلمان اور غازی بیچارے ناحق مارے گئے۔ واللہ قاتلوں کو ایک ایک کر کے ہلاک کرونگا۔ عورت مجھ پر طلاق اگر ان کو زندہ چھوڑوں۔

اکرم:۔ نہیں نہیں سردار یہ حمیت وغیرت البتہ ہم میں ہے لیکن خودسری سے سلطنت میں فتور پڑیگا۔ ان کی حمیت بھی بہت ہے۔ خانہ جنگی برپا ہوجائے گی بلکہ ہمارا فرض یہ ہے کہ سادات کے پسماندوں کو انتقام سے باز رکھیں۔ ان اللہ عزیز ذو انتقام۔ ہم البتہ غافل نہیں رہیں گے۔ مظلوم کی اعانت اور ظالم کی بیخکنی ہم پر واجب ہے لیکن تدبیر و ہوشمندی سے۔

جزا و سزا

کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا۔ جب انجام نظر آتا ہے تو گذشتہ زمانہ ہر چند دراز ہو دن یا رات کے تھوڑے سے حصے کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ ہماری دو فصلوں کے درمیان بھی کئی کئی سال گذرتے ہیں مگر قارئین کے نزدیک چند گھڑیاں ہیں۔ مثلاً مذکورہ دربار آفت بار کو برسیں ہوگئی ہیں۔ اب بھی حکام مقرر ہوتے ہیں۔ مخلصانہ خدمت گذاری کے بعد پہلے صبر و ابتلا برداشت کر کے آخر ممتاز و سرفراز ہوتے ہیں یا غفلت ستمگاری سے اول چندے معزز و مفتخر ہو کر آخر معزول یا محبوس ہوتے ہیں۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون۔ مجرم ابتدا میں پھلتے پھولتے ہیں۔ انجام کار ان کی جڑ کاٹی جاتی ہے۔ قطع دابر القوم الذین ظلموا۔ برعکس اس کے صالح لوگ آغاز میں مصیبتیں جھیلتے ہیں اور بعد میں نشوونمائے جاودانی پاتے ہیں۔ ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصٰبرین ونبلوا اخبارکم۔ چور اور ڈاکو بہتوں کو مفلس اور دربدر کر کے آخر گرفتار و مقتول ہوتے ہیں۔ مگر جن کو لوٹتے ہیں وہ پھر آباد و مالامال ہوجاتے ہیں۔ یہ تو خدائی امور ہیں مگر انسانی کوششیں رہزنوں کے قلع و قمع میں جلد مبذول ہیں۔ اس بارے میں شحنہ نے ایک دن اکرم کو کہا:۔

ایک فرانسیسی حکیم کہتا ہے کہ سزا کی شدت گناہ کو کم نہیں کرتی بلکہ جرائم کے جدول سے ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ سزاؤں سے جنایت بڑھ رہی ہے۔ مجرموں کی کثرت کا الزام خود سرکار پر عائد ہے کہ اس نے رعایا کو علم و ادب کے ذریعے سے متنور کر کے بری عادتوں سے متنفر نہ کیا۔

اکرم:۔ درست ہے مگر وہ بچے جو حکومت کی ابتری اور اختلال کے وقت پیدا ہوئے البتہ ان کے لئے تعلیم و تربیت کا موقع مفقود تھا۔ شاہ شجاع کے عہد سے ابتک کس کو فرصت اصلاح تھی۔ البتہ اب اگر داخلی یا خارجی فتنہ و فساد مزاحم نہ ہوا تو طلب

العلم کا فریضہ بجالایا جائیگا۔

ثمینہ:۔ یورپ میں اسلام کے بارے میں اس قدر لاعلمی ہے کہ مسلمانوں کو عورتوں کی ارواح کا قائل ہی نہیں جانتے حالانکہ قرآن مجید میں نیک و بد کی مکافات کو تعلیم دینے کے لئے مرد و زن کے الفاظ علیحدہ علیحدہ استعمال ہوئے ہیں۔ معاملت و میراث میں جو حقوق عورتوں کو حاصل ہیں۔ وہ دوسرے ادیان میں ان کے لئے عشر عشیر بھی نہیں لیکن مسلمان عورتیں خود بے علم رہ کر اپنی حیثیت سے آگاہ نہیں ہیں اور علاوہ بریں جہالت کے سبب اوہام کو آئینہ باطلہ قرار دیتی ہیں اور اپنے فضول خیالات کو حق کے ساتھ شریک گردانتی ہیں۔ کل فلاں نے سردار کی بیوی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ تمھارے ساتھ میرا ایک ضروری کام ہے مگر یہ تاکید کرتی ہوں کہ اپنے شوہر کو مت بتانا۔ اول یہ نادانی دیکھئے کہ مجھے اپنے ساتھ زیادہ وابستہ گمان کر کے آپ سے مجھے بیگانہ جانا البتہ اپنے شوہر پر مجھے قیاس کیا۔ اس اندیشے سے کہ سیاسی جال ان دنوں درباری آدمیوں کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ میں نے انکار نہ کیا مبادا کوئی مصلحت فوت ہو جائے اور ایسے میں نے سنا تھا کہ سردار آپکا مخالف ہے اس کی زوجہ نے کہا:۔

سردار ایک سال سے مریض بستری ہے۔ سب حکیموں نے معالجہ کیا مگر بیماری بجائے گھٹنے کے بڑھتی جاتی ہے۔ عرق النسا سے فالج ہوگیا۔ ایک طرف درد شدید دوسری جانب بے حس۔ نالہ و فغاں سے اس کی آواز بیٹھ گئی ہے لونڈی غلام تیمارداری سے عاجز آگئے ہیں۔ مجھ کو کہنے لگا کہ اکرم کی بیوی ڈاکٹروں کے ملک سے ہے شاید اس کو کوئی نسخہ معلوم ہو اس کے پاس جا کر پوچھو مگر وہ اپنے خاوند کو نہ بتائے۔ اس مطلب کے لئے میں آئی ہوں مگر میں جانتی ہوں کہ اس کی دوا تمھارے پاس نہیں بلکہ ایک ملنگ کے پاس ہے سردار کے پاس ایک دن وہ آیا اور چرس کے لئے پیسہ طلب کیا۔ سردار نے جیب میں ہاتھ ڈالا کچھ نہ نکلا تو جواب دیا کہ میرے پاؤں میں نقرس ہے جو سرداروں کو ہوا ہی کرتی ہے ورنہ اٹھ کر لا دیتا۔ پھر لے جاتا۔ چرسی نے کہا اگر دیتے ہو ابھی دو۔ جھوٹے وعدے کیوں دیتے ہو۔ سردار کو غصہ آیا اور گالیاں دے کر اسے نکال دیا۔ وہ بددعا کرتا چلا گیا۔ اور ادھر مرض بڑھتا گیا۔ اب ملنگ گم ہے ورنہ روپیہ اسے دیتی اور دعائے خیر لیتی اور خود شفا حاصل ہو جاتی۔

یہ سن کر میں حیران ہوئی۔ سردار نے اچھا کیا یا سردار سے مجبوراً اچھا کام ہوا کیونکہ اس کے پاس پیسہ ہوتا تو حرام چیز کے استعمال کے لئے اس نے مدد دی ہوتی اور اس کی عورت تو اسی تلاش میں ہے اور یہ تو خیال میں بھی نہیں کہ ایک چنگا بھلا آدمی گدائی کیوں کرے اور دوسرے اسے بھیک دے کر اور بے غیرت کیوں بنائیں۔ اور بجائے خیرات کے گناہ کیوں مول لیں۔ میں نے اس کی تسلی کے لئے ایک نسخہ تو لکھ دیا اور پرہیز بھی بتادی۔ خدا کرے تندرست ہو جائے۔

اکرم:۔ آمین۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ تندرست نہیں ہوگا کیونکہ اس کی بیماری اسی قبیل کی ہے کہ تخم روغن بادام خشکی مے نمود۔ اسکی عورت کو یہ خبر نہیں تھی یا اس کی سمجھ اتنی نہیں کہ اس غیر معمولی بیماری کو ناحق قتل کی تہمت میں شرکت کا اثر جانے قاتل کے لئے جہنم۔ غضب خدا لعنت اور بڑا عذاب مقرر ہے ؎

کے نکو کردی و کے کردی تو شر | کہ ندیدی لائقش در پلے اثر
گر مراقب باشی و گیری رسن | عاقبت ناید بعقبےٰ آمدن

اگرچہ دنیا میں اکثر اعمال کی جزا و سزا مل رہتی ہے مگر بعض کام فقط آخرت کے لئے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ سو آدمیوں کا قاتل سواں حصہ سزا کا یہاں پاتا ہے اور عدلِ حق سے یہی ایک دلیل ہے یوم الدین کی۔ افلاطون نے بھی اسی طرح استدلال کیا ہے۔ مظلوم لازم ہے کہ ظالم کو رسوا و خوار دیکھے۔ اگر کسی کی اچھی امیدیں موت سے قطع ہو جائیں تو ضرور ہے کہ وہ ان کا ابقا و اجرا بعد میں پائے۔ مقتول ناحق لاجرم حیات ابدی میں اجر کو پہنچے۔

اکرم نے اتنا بیان کیا تھا کہ ایک عورت روتی پیٹتی اندر آئی اور ایک مرد دروازے پر گالیاں دیتا سنائی دیا۔

عورت:۔ آغا جان۔ خدا اور رسول کے لئے مجھے دیکھئے کہ لات اور مکے سے میری پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ابھی پیش قبض سے میرا کام ہی تمام ہو گیا تھا اگر بھاگ کر آپ کے ہاں پناہ نہ لیتی۔

گلجان:۔ (باہر سے) اس فاحشہ عورت کو نکالئے۔ سردار کے ساتھ اس کی کیا راہ و رسم تھی۔

عورت:۔ سردار کی لونڈی مدت سے میری سہیلی تھی۔ کہنے لگی کہ سردار نے کابل کے تمام کبوتر کھا کر ختم کر دئے اور اب کہیں سے دستیاب نہیں ہوتے کیونکہ لوگوں کو خبر ہو گئی اور وہ کبوتر کو مارنا گناہ سمجھتے ہیں کیونکہ ان کو پری جانتے ہیں۔ میں نے آپ کی زبانی اسی سے سنا تھا کہ یہ خیال غلط ہیں بلکہ ان کا کھانا جائز ہے اور بیماری کے لئے لازم ہے۔ میں نے ثواب سمجھ کر دو جوڑے اسکے حوالے کئے اور یہ خام طمعی کی کہ سو سوا سو کبوتروں میں سے اگر دو چار کم ہو گئے تو کیا مضائقہ ہے اور کون خبر پائیگا۔

گلجان:۔ میں اس بکواس کو نہیں مانتا۔ خدا کے واسطے انصاف کرو۔ سرخ و زرد چپ۔ سیاہ زاغ دم اور بھویں دونو سفید اور چاروں کلغی والے۔ تیین اور گولوں کا کال نہیں تھا جو چن کر اعلےٰ کبوتر دے دئے۔ نہیں صاحب یہ قحبہ ہمارے دشمن کے ساتھ معلوم نہیں کیا تعلق رکھتی ہے۔

اکرم سمجھ گیا کہ فالج کے لئے کبوتر رکھتے بھی ہیں اور کھاتے بھی ہیں۔ سردار نے انھی دو نو مطلبوں کے لئے منگوائے ہونگے۔ اسلئے گلجان کو باہر جا کر سمجھایا مگر اس کا غصہ کم نہیں ہوتا تھا۔

گلجان:۔ صاحب۔ ہر ایک کبوتری اس جیسی دس عورتوں کے برابر تھی۔

اکرم:۔ بقرار شرع ہر ایک کبوتر تمھارے جیسے پانچ مردوں کے برابر تھا۔

گلجان:۔ بے شک۔

اکرم:۔ اس سے غلطی ہو گئی۔ کیا تم نے اپنے کبوتر واپس طلب نہ کئے؟

گلجان:۔ میں خود گیا اور ساتھ دس جوڑے اور لے گیا کہ یہ لے لو لیکن ان کے سردار کا نوکر کسی اور سے پچاس کبوتر اور

لے آیا ہے۔ اور اس کے ساتھ میری صید ہے۔ میرے کبوتر اس کو دئے اور سو روپے بھی اس سے لئے۔ مجھے غصہ اسی لئے آتا ہے۔ ورنہ معمولی کبوتروں کی میں کب پروا کرتا۔

چند روز گلجان کی بیوی اکرم کے ہاں پناہ گزین رہی یہاں تک کہ اس کے خاوند کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس کا سبب یہ ہوا کہ سردار تین دن کی بیہوشی کے بعد پھر ہوش میں نہ آیا اور اپنوں بیگانوں کو دنیا کی بے ثباتی یاد دلا کر ملائمت پر مائل کر گیا۔ اسکے جنازے پر بہت لوگ موجود تھے۔ مگر خان کو ہدامن قدیم آشنائی کے باعث اپنی غیر حاضری سے ظاہر تھا تیسرے دن بھی نہ آیا تو معلوم ہوا کہ اپنے رفیق کی مرگ کی خبر سنکر عین رات کو روانہ ہوا تھا۔ اس کے چچا زاد دشمن پیچھے ہولئے جن کو آسمان کے ابر آلود ہونے سے اور تقویت مل گئی کہ دہری تاریکی میں اپنا مدعا حاصل کریں؂

نبود ابن عم چرخ پیر آخر کہ در پئے آزارِ من ہمے گردد

کوتل خرس خانہ میں اس کے نوکروں کو قتل کیا اور اس کو بھی مگر صبح کو اس کا زندہ جسم پایا گیا جو مردے سے بدتر تھا۔ زبان ناک اور کان کٹے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے۔ جراح اور طبیب آتے اور اپنا حق لے کر چلے جاتے۔ جس سے سب نقد و جنس ختم ہو گیا۔ دو سال کے بعد صحت ہوئی جو علالت سے بری تھی۔ ہل جل سکتا نہیں حتیٰ کہ روٹی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ کچھ مدت کے بعد درد پھر شروع ہوتا ہے۔ اس کے رونے چلانے سے سارا گھر تنگ آگیا اور نزدیک نہیں پھٹکتا۔ آخر ایک دل جلے ہمسائے نے جرأت کی اور اس کے پاس جاکر کہنے لگا کہ اس قدر آفت ابھی تجھ پر کہاں نازل ہوئی ہے جو ہاتھی کے پاؤں تلے ان اشخاص کو سہنی پڑی تھی جن کی بابت رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ان کا گوشت پوست اور خون میرا ہے مگر ان کی مصیبت عارضی تھی اور تیری دائمی۔ خان نادم اور تائب ہو کر روتا ہے۔ اکرم بھی اس کی عیادت کو جاتا ہے۔ ابھی اس کے قلعے میں داخل نہیں ہوا تھا کہ بندوقوں کی آواز سنائی دی اکرم نے پہنچ کر خان کے ایک بیٹے کی تعزیت بھی ادا کی جس کو اس کے بھائی نے قتل کر ڈالا تھا۔ باپ کو ہر چند وہ گنہگار تھا ان دونوں نے بالکل چھوڑ رکھا تھا اور اسکی مطلق خبرگیری نہ کرتے تھے۔ جس سیاہ دلی کے سبب ان کی شقاوت بڑھتی بڑھتی یہ دن لائی کہ ایک کو دوسرے نے مار ڈالا اور قاتل سرکاری طور پر پھانسی پر چڑھا۔ باپ کا حال ناگفتہ بہ پہلے ہی تھا دو بیٹے تھے ان کے جانے سے زندہ درگور تو تھا ہی اب مر کر قبر میں جا لیٹا ع آخرت کی خبر خدا جانے؂

مردہ ہم فکر قیامت دارد آرمیدن چقدر دشوار است

جلال آباد کے گاؤں بہسود میں چوری ہوئی۔ سونے چاندی کے زیور گم تھے۔ تلاشیوں سے کوئی پتہ نہ چلا۔ مسجد کا ملا لڑکوں کو سبق دیتا تھا۔ ایک نیا شاگرد تیراہ سے آیا۔ الف کو الپ۔ ضاد کو غداد۔ ظا کو زغا۔ صاد کو سخاد۔ طا کو تخا تلفظ کرتا تھا کیونکہ وہاں کے معلم نے حسب معمول اسی طرح پڑھایا تھا۔ دیگاں لڑکے یعنی وہ جو نسباً افغان نہیں تھے ہنستے اور ملا انھیں منع کرتا کہ اس کا قصور نہیں۔ جب لڑکے رخصت ہوئے تو تیراہی بچے نے ملا کی تعریف شروع کی۔ دوسرے لڑکے قہقہہ لگا کر ہنسے۔ اگرچہ اکرم نے فرمان کے

ذریعے تمام ملاؤں کو غنیمت کی مثنوی کے قسم کے اشعار پڑھانے سے روک دیا تھا۔ مگر یہ بیہودی ملا نہیں ٹلا تھا۔ چنانچہ ایک لڑکے نے پڑھا۔

شد اول از سر بیتابئ دل   بیک بسم اللہ اش استاد بسمل

الف با تا چو خواندن کرد آغاز   بہر حرفے اثر گردید دم ساز

تیراہی طفل آخر مطلب سمجھ کر ملا کو برا بھلا کہنے لگتا ہے اور اپنی زبان میں اس قدر گالیاں دیتا ہے کہ ایک لڑکے نے غنیمت کے اور اشعار بھی پڑھ دیئے۔

کلامے در دہن پیچیدہ آماس   صدائے کاہ خشک راندن داس

کلامے دبۂ بر سنگ ریزہ   بشورش ماندہ در دست ستیزہ

کلامے بانگ حلق ارہ و چوب   نصیب گوش ہا بانگ لکد کوب

کلامے بانگ حلق پیل بسمل   فغان اشتروا ماندہ در گل

مہمان لڑکے نے فارسی کی ان مہملات کو جو اس کی پشتو کی ہجو کر رہی تھیں۔ سمجھنے کی کوشش نہ کی کیونکہ وہ اپنے فکر میں منہمک تھا۔ جس کے اظہار سے باقی لڑکے بھی اس کے ساتھ خوشی سے متفق ہو گئے۔ جمعہ آپہنچا اور لڑکے کھیلنے کو نکلے ع فکر شنبہ تلخ سازد جمعۂ اطفال را۔ اس کو دور کرنے کے لئے سب لڑکے مسجد کے حجرے میں ایک گڑھا کھود کر اس میں بارود بھر دیتے ہیں اور وہاں سے ایک تنگ نالی بنا کر اس میں بھی بارود رکھ کر مسجد سے باہر لے آتے ہیں اور سب جگہ پر چٹائی بچھا دیتے ہیں۔ ہفتے کی صبح کو جب ملا اپنی مسند پر بیٹھ جاتا ہے تو تیراہی بچہ کام شروع کر دیتا ہے مگر ملا کے ساتھ ایک اور شخص بیٹھا دکھائی دیا جو اس کے نزدیک بیگناہ تھا۔ جب دوسرے لڑکے بھی آپہنچے اور اس کے اٹھنے کا انتظار کرتے تنگ آگئے تو اس کو بھی ملا کا معاون اور دوست سمجھ کر شریک کر لیا۔ تیراہی بچے نے ایک دو تین کہہ کر باہر بارود پر آگ رکھ دی۔ توپ کی آواز نے جس کے سننے سے مدتوں کان محروم تھے، سب گاؤں والوں کو چوکنا کر دیا جو مسجد کی طرف لپکے۔ دھواں کچھ دیر پردہ داری کرتا رہا جب کچھ ہٹا تو دو آدمی بیہوش پائے گئے۔ ان کی روسیاہی زمین کے پھٹنے سے دگنی ہوئی جب وہاں سے مسروقہ زیورات بھی دکھائی دیئے۔

ایک:۔ چوری کا مال تو نکلا مگر ملا کی خبر لو۔

دوسرا:۔ کوشش کیجئے کہ اچھا ہو جائے تا کہ اس کے ہاتھ کاٹے جا سکیں۔

تیسرا:۔ اسکے ہاتھ کہاں ہیں؟ خود ہی کاٹے گئے۔

ایک گھڑی بعد ملا کو ہوش آیا مگر کیا ہوش کہ زخموں اور پھپھولوں کی درد و سوزش سے سو بیہوشی کی تمنا کرتا تھا۔ اسی واویلا کے ساتھ کئی دن تڑپ تڑپ کر رہا حالانکہ صرف کروٹ لینے سے اس کی جان نکلتی تھی۔ آخر ہمیشہ کے لئے نکل گئی و لعذاب

الآخرۃ اکبر۔ چونکہ جنازہ پڑھانے والا خود ہی تھا۔ کسی نے اس پر نماز بھی نہ پڑھائی اور لوگ بھی کہتے تھے کہ ایسے فاسق و فاجر کا کسی پر دعا کا حق بھی نہیں تھا۔

ملا کا مہمان وہی سپاہی تھا۔ جس نے بجالہ قسموں سے جھوٹی گواہی دی تھی۔ اس حادثے میں اس کی زبان جبڑا اور تالو جلگیا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔ اس ادنے عذاب سے بات کرنے اور کھانے پینے کے قابل نہ رہا۔ زخم دماغ تک سرایت کرگیا جس سے کسی وقت اس کی عقل بھی زائل ہوجاتی۔ جس سے مدتوں اہل وعیال کے لئے موجب ملال رہ کر آخر سنا گیا کہ تندرست ہو گیا۔ چونکہ معمولی آدمی تھا اس لئے باوجود جستجو کے اس کا مزید حال معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ تیراہی لڑکے کی بابت یہ اطلاع ملی کہ وہ بھاگ کر سرحد میں چلا گیا۔ جب اس کے والدین کو اصل واقعے کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس کے لئے نئے کپڑے سلوائے اور ہمسایوں کو ضیافت پر بلا کر تبریک لی کہ اس کے بچے کا پہلا وار کارگر ہوا۔

اس فاجعۂ مضحکہ کی کیفیت امیر صاحب کو اس وقت بتائی گئی جب آپ نسوار کر رہے تھے۔ یہ قاعدۂ نظیفہ تھا کہ نسوار کے بعد فوراً چلمچی منگوا کر ناک دھوڈالتے۔ اکرم اور اس کے رفقا نے وزیر وامیر کو بتدریج سادات کے قتل کی حقیقت سے آگاہ کردیا تھا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ یہی چارہ ہوسکا تھا کہ مقتولین کے وارثوں کو عزت سے تنخواہ اور وظیفہ مل رہا تھا اور مجرم جو غیبی طریق سے کیفر کردار کو نہیں پہنچے تھے عتابِ شاہی میں گرفتار ہونے لگے تھے۔ چنانچہ پیش خدمت زنجیروں سے جکڑا ہوا قید میں مقفل ہے اور اس کی بجائے ایک مقتول کا لڑکا چلمچی لایا ہے۔ مرزا عثمان علی بلایا گیا کہ اپنا کام پیش کرے۔ امیر صاحب نے پیش خدمت کو مخاطب بنکر کہا کہ مرزا کو دیکھتے ہو دونو نتھنے نسوار سے بھرے ہیں۔ خود تو حس شامہ سے عاری ہے دوسروں کے دماغ کو بھی مکدر کر رہا ہے۔ لوگ تو اس سے کراہت کرکے سب نسواریوں کو میلا کچیلا قیاس کرینگے۔ ایسے بے تمیز اپنے بادشاہ کو بدنام اور اس کی رعایا کے نزدیک بے وقعت بناتے ہیں۔ اس کو لے جاؤ کہ خانہ نشین رہے۔ اور دروازے سے باہر اور چھت پر بھی نہ دکھائی دے تاکہ ہمسایوں کو اس کی عفونت سے اذیت نہ پہنچے۔ اس حکم کے ساتھ ایک اور مرزا کو مع نئے پیش خدمت کے مقرر کیا۔ کہ اس کا حساب لیں اور شدت سے بقایا وصول کریں۔

یہ حساب گیر وہی مرزا تھا جس نے سادات کے خلاف پہلا کلمۂ مخالفت کہا تھا لیکن بعد ازاں حج جاکر ایسی توبۂ نصوح کی کہ اس کے دل میں آئندہ کے لئے گذشتہ ندامت کے ساتھ کوئی خطا کا قصد نہ رہا۔ واپسی پر مقتولین کے دروازے پر حاضر ہوا اور وارثوں سے عفو پاکر نوکروں کی طرح ان کی خدمت بجالانے لگا۔ اگرچہ امیر کو معلوم نہیں کہ وہ متہمین کی جماعت سے علیحدہ ہوگیا ہے مگر اس کی پہلی بات بھی یاد نہیں رہی بلکہ اس کی صادقانہ خدمات سے متاثر ہ کر محاسبے کا کامل اختیار اس کو دیا۔ عثمان علی نے بغیر وجہ معقول کے ایک بے قصور خاندان کو خفیہ مکروں سے برباد کیا اور آخر نسوار کے بہانے سے خود تباہ ہوا۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن

قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ یہی انجام مکاروں کا ہمیشہ ہوا ہے کہ ان کی بنیاد جڑ سے اکھڑ کر اوپر سے چھت گر کر وہاں سے عذاب ان پر اترا ہے۔ جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ معتوب نے ہرچند عذرداری سے حسب معمول رشوت کا وعدہ کیا لیکن ماموراتِ نائب تھا۔ حساب وہی میں اس کا اسباب نصف قیمت پر بقرار قاعدہ نیلام ہوا مع گھر کے جس کے خریدار نے دوسرا مکان ملنے تک رعایت سے وہیں اسے رہنے دیا۔

عثمان علی کی چار عورتیں اور چار لونڈیاں تھیں۔ ایک سیاہ بخت بیوی نے مدتوں انتظار کر کے انتقام کا فور دینے سے لیا تھا۔ اب خانہ نشینی کی حالت میں سب عورتوں نے مل کر حملہ کیا کہ کپڑوں سے ہم گذریں پلاؤ نہیں مانگتیں صرف روٹی اور آگ طلب کرتی ہیں۔ ورنہ سردی سے جل جائیں گی۔ خاوند نے حق بجانب گالیاں دینی شروع کیں تو انھوں نے پھٹی پرانی جوتیوں سے جواب دیا کہ ان عطاؤں بخششوں اور انعاموں پر سخت کلامی کرتے ہو۔ اتفاق میں البتہ قوت ہے۔ ہاتھوں سے اور ٹانگوں سے پکڑ کر مرد کو دروازے سے باہر پھینک دیا ؎

ہر کرا پادشاہ برآندازد ۔ کس از خیل خانہ ننوازد

محلے والوں نے اس کے ہاتھوں ہمیشہ ایذا پائی تھی اب جو کنوئیں میں گرا تو اس پر پتھر پھینکے۔ گھر کے مالک کو کہ اسکو دربدر کروا دیا۔ بادشاہی عتاب سے ڈر کر کسی نے پناہ نہ دی۔ عورتیں میکے وغیرہ میں بکھر گئیں۔ وہ مقبروں اور تکیوں میں پھرنے لگا سوائے کاتبی کے اور کام یاد نہیں تھا۔ سرکاری نوکری سے محروم و مطرود اگر کوئی کاغذ لکھواتا تو لکھ نہ سکتا۔ کیونکہ کافور نے رعشہ پیدا کر دیا تھا۔

لَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ مجرموں پر وبال آتا ہے اور کبھی عذاب ان سے نہیں ٹلتا لیکن ابتدا میں ان کے سرور و غرور کو دیکھ کر کوتاہ بین لوگ ان کے زشت اعمال کو ترقی و ثروت کا باعث سمجھتے ہیں اور فریب کھا کر ان کی بری پیروی کرنے لگتے ہیں۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ۔ اس قسم کے مجرم جب ظاہرہ سامان سے آراستہ ہو کر باہر نکلتے ہیں تو دوسرے نظر امعان سے کام نہ لے کر صرف سطح پر نگاہ ڈالتے کہتے ہیں کہ کاش ایسا مال و متاع اور عزت ہمارے نصیب بھی ہوتا۔ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ ان آسودہ حال اشخاص کو البتہ بہت حصہ ملا ہے اور یہی بڑے نصیبے والے ہیں۔ درحقیقت یہ عیش و عشرت مہلت کا زمانہ ہے جو ظالموں اور غافلوں کو دی جاتی ہے اور کبھی یہ مدتِ تنعم بہت طول بھی کھینچ جاتی ہے۔ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ انسان کو صبر لازم ہے اگرچہ دنیا میں مجرموں کو دولت و منزلت میں دیکھیں۔ آخر ذلت و زحمت آکر رہے گی اور اگر زندگی میں بھی نہ آئے تو عاقبت جاودانی میں دیکھیں گے۔ جس کی ابدیت میں ہر قسم کی جزا و سزا کی گنجائش ہے۔ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ۔ تدبیر ایزدی ایسی متین ہے کہ عرصۂ عصیاں کے بعد ایسے شکنجے میں کستی ہے جو بہتوں

کی نظر سے چھپا ہوتا ہے۔ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ الخ ۔ خدا تعالٰی کو ظالموں کے اعمال سے غافل مت جانو وہ ایک دن تک تاخیر کرتا ہے۔ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ اور ان کو ماخوذ کرتا ہے اگرچہ ان کے مکر سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔ انھی کے فریب آخران کے زوال و اضمحلال کا موجب بنتے ہیں اور یہ ایسی سنت الٰہی ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ جو دوسرے کے لئے کنواں کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے۔

یہ آیات اکرم پڑھ کر سنا رہا تھا کہ عثمان علی کا دردناک انجام معلوم ہوا۔ ایک دن چرسیوں نے اسے کہا کہ آرام سے لیٹے رہتے ہو جس وقت روٹی آتی ہے یا چلم بھری جاتی ہے تو شرم کو ایک طرف رکھ کر اٹھ بیٹھتے ہو۔ خدا نے چلنے کو ٹانگیں دی ہیں پھیلانے کو ہاتھ اور مانگنے کو زبان اتنے بے غیرت کیوں ہو رہے ہو کہ ہماری طرح ہمت و محنت کر کے کماؤ خود کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ ناچار غیور بن کر اٹھا اور اجل اسے بندیخانے کی طرف لے گئی کیونکہ اس کے خیال میں قیدیوں کو مفت اور بلا زحمت اس کی مانند رزق مل جاتا تھا جس میں سے شاید اسے بھی دے سکیں ؎

میرسد در خانۂ دربستہ روزی چوں اجل ـ حرص دارد ایں چنیں آشفتہ خاطر خلق را

محبوس پیش خدمت اپنے کوٹھے کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا جیسے کسی نرم دل پہرہ دار نے گھڑی بھر کھلا رکھا تھا۔ چند سال کی قید میں بقول حضرت یوسف صدیق علیہ السلام دوستوں کو آزما چکا تھا۔ السجن قبر الاحیاء منزلۃ البلاء تجربۃ الاصدقاء وشماتۃ الاعداء ۔ وہ دوست جو نفسانی غرض سے پہلے لحاظ کرتے تھے اس کو زندہ در گور دیکھ کر دشمن بن گئے تھے اور اس کی شامت اعمال پر برا بھلا کہتے تھے۔ رشتہ دار بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے بھوکا بھیڑیئے کی طرح بیٹھا تھا کہ عثمان علی نے بے محابا سوال کیا۔ اس نے تو نہیں پیش خدمت نے پہچان لیا۔ اپنے تمام مصائب کے مجسم باعث کو سامنے دیکھ کر بے اختیار وہ زنجیر جو تین گز کی لمبائی میں زنار کی طرح لپیٹے تھا۔ اس کے سر پر ماری جس سے اس کی جان نکل گئی۔

امیر صاحب کو نئے پیش خدمت نے اس حادثے سے آگاہ کیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ رگ رحمانی جو افعال شیطانی کی سزا کے لئے جنبش میں آتی ہے بھڑکی اور یہ واقع ہوا۔ ایک ہم نشین نے تائید کی کہ مقتول اپنے بدکردار کے سبب مریض و ضعیف تھا تھوڑی سی ضرب بھی نہ سہ سکا ورنہ بندی کا مطلب قتل نہیں تھا۔ ایک اور نیک محضر مصاحب نے کہا کہ جب اپنی بدبختی کے واقعی ذریعے کو دیکھا تو آپے سے باہر ہو کر انتقام لے لیا جس کا وہ مستحق تھا۔ ان باتوں سے متاثر کر کے اس کی خلاصی کا فرمان حاصل کر لیا جس کو لے کر نیا پیش خدمت پہلے کے پاس پہنچا جو قصاص کا منتظر بیٹھا تھا۔ البتہ وہ عمر بھر اپنے محسنوں کا ممنون رہا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ الخ ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا ۔ اگر مردی احسن الی ما أسا

اکرم اس آیت کی تفسیر کر رہا تھا کہ یہ عفو اور درگزر کی عادت بڑے حوصلے سے حاصل ہوتی ہے۔ پہلا پیش خدمت مستوجب قتل تھا۔ بلند نظری سے معاف کیا گیا اور اس کے لئے موقع و محل کے مطابق گفتگو لازم ہوئی جو آب حیات کی مانند ہے یا غذائے روح افزا کی طرح جو ضرورت کے موافق استعمال کی جائے۔ مثلاً گیہوں بہترین اغذیہ ہیں اور اکثر غذاؤں سے سستے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ آب و ہوا کی طرح اشیائے لابدی مفت یا ارزاں ہاتھ آتی ہیں۔ یہی گیہوں اگر کچے کھائے جائیں تو علاوہ درد کے کرم معدہ پیدا کرتے ہیں اور اگر جلے ہوئے ہوں تو ماسوائے حرام ہونے کے اور حرمت بھی روحانی یا جسمانی ضرر پر مبنی ہوتی ہے وجع شدید لاتے ہیں معتدل پکے ہوئے کھانے جو صحیح اشتہا سے مناسب اوقات پر تناول کئے جائیں۔ بدن کی تقویت کے مورث ہوتے ہیں۔ یہی حال کلام کا ہے اگر اچھی رحم آور باتوں کی تمہید کے بغیر قاتل کی اطلاع امیر کو پہنچتی تو باوجود برسوں کی قید کے اس کی آخری حرکت اسے خاک میں ملا دیتی ایک بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سب دانت گر گئے ہیں۔ معبّر نے کہا کہ اس کے سب رشتہ دار مر جائیں گے۔ شاہانہ غضب اس کے قتل کا موجب ہوا۔ ایک اور نے تاویل کی کہ بادشاہ کی عمر تمام اقربا سے زیادہ دراز ہے وہ مورد انعام ہوا۔ حالانکہ دونو کا مقصد ایک ہی تھا۔ علیٰ ہذالقیاس طبع انسانی جس کو سلطانِ بدن کہتے ہیں۔ مضر اور بے وقت کھانوں سے ناساز ہو کر جسم کے تلف کا باعث ہوتی ہے۔ لوگ لذیذ کھانے پیٹ بھر کر پہلے طعام کے ہضم سے قبل کھائے جاتے ہیں۔ سلطان بدن چندے آں بیجا مداخلون کا تحمل کر کے بلکہ ان مادی دشناموں کا صلہ صحت و قوت کی صورت میں دے کر آخر سلام پر رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی تھوڑی سی لطیف غذا کا بہانہ پا کر مرض الموت میں پھنسا دیتا ہے حالانکہ مزاج پہلی بدپرہیزیوں سے اتنا بگڑ چکا تھا کہ ضرور ہلاکت واقع ہوتی جو عوام کے نزدیک آخری نازک طعام کے سبب ہوئی۔

اسی طرح قوائے روحانی کا ناجائز استعمال عذاب وارد کرتا ہے جیسا جسمانی طاقت کا بیجا خرچ درد و الم لاتا ہے اور کبھی یہ دونو مختلط ہو جاتے ہیں۔ ایک چور مدتوں اموالِ مسروقہ پر گذارہ کرتا اور سزا کو نہیں پہنچتا ہے۔ جرائم کے اقدام کے زمانے میں طعام و اخلاق میں بھی غفلت اور افراط و تفریط برتتا ہے جس سے فالج استسقا آتشک وغیرہ میں مبتلا ہو کر دکھ پاتا ہے۔ مجموعی حالت میں اسی طرح ایک قوم یا شہر کے لوگ فسق و فجور میں پھنس جاتے ہیں۔ اگر اخلاقی خرابیوں کے ساتھ فنی ترقیوں سے قحط وبا یا جنگ کو روک لیتے ہیں تو خلاقِ حکیم پہاڑوں پر یا زمین کے نیچے آتشی یا آبی مواد کو جوش میں لاتا ہے۔ جوں جوں خلائق کی غفلتیں اور سرکشیاں زیادہ ہوتی جاتی ہیں ان کی نظروں سے اوجھل اسباب عذاب بھی پکتا اور ابلتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ادھر پیمانۂ عدوان و عصیاں لبریز ہوتا ہے۔ ادھر گندھک اور لاوا یا پانیوں کا طوفان امڈ آتا ہے اور بلاد و قرے کو تہ و بالا یا فنا کر دیتا ہے۔ وَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا الخ حدیث نبوی ہے۔ الحمیٰ نوع من نار جھنم۔ تپ دوزخ کی آگ کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ ظاہری موجودگی کے بغیر انسان کا وجود جلتا ہے۔ جیسا کہ شرعی حدود سے تجاوز عقاب کا مورد بنتا ہے۔ بے اندازہ کھانا پینا بھی لیفِ جسمانی کا مورث

ہوتا ہے اور بدن جب رنجور ہوا تو دینی و دنیاوی فرائض دو نو رہ جاتے ہیں اور اسلام میں دین و دنیا کچھ ایسے مخلوط ہیں کہ نقطِ نیت سے توارد و ترادف ہو جاتا ہے۔ نیک اور بے نفس ارادے سے مسلمان کی تمام حرکات و سکنات عبادت میں داخل ہو جاتی ہیں ؂

عبادت بجز خدمت خلق نیست - بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

خدمت خلق کے لئے تندرستی کی ضرورت ہے۔ مریضوں کی تیمارداری یتیموں کی خبر گیری بزرگوں کی پرستاری مظلوموں کی دستگیری محتاجوں کی امداد بچوں کی تعلیم و تربیت دوستوں پر ایثار دشمنوں کی مدافعت الحاصل تمام اعمال صالحہ صحت و قوت پر منحصر ہیں اور خیالات و جذبات سلیم و صائب بھی صحیح و سالم بدن سے دلگزیں ہوتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ ۔

جنھوں نے کفر و انکار کیا وہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں حیوانوں کی طرح پس آگ ان کی قرارگاہ ہے۔ حرام کھانا اس کے نتیجے کے انکار یا اشتباہ سے وقوع میں آتا ہے اسی طرح صحت و قوت کے قاعدوں سے بے پروائی بیماریاں لاتی اور کمزور بناتی ہے کفرانِ نعمت بھی اسی طرح عقوبت میں ڈالتی ہے۔ مال و دولت میں اگر اسراف ہوا عیش و عشرت حد سے بڑھی تو یہ کفران نعمت ہے اور شکران یہ ہے کہ ظاہری و باطنی قوے کو اس طرح صرف کیا جائے جس کے لئے وہ مودع ہوئے ہیں مثلاً شکرِ زبان یہ ہے کہ اچھی باتیں کہی جائیں شکر شکم یہ ہے کہ مضر اور نامناسب اغذیہ سے پرہیز کی جائے۔ جسطرح بے محل اور ناروا سخن منہ ہی کے برباد ہونے کا باعث ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ناقص اور ناموزوں خوراک نہ صرف پیٹ بلکہ سارے جسم کو ہلاک کر دیتی ہے۔ مرضوں کے اثنا میں درد و سوزش لاحق ہوتی ہے اور یہ بھی آتش دوزخ کی ایک نوع ہے۔

ہر چیز کا سبب ہوتا ہے اور علت و معلول کا سلسلہ جاری ہے اگرچہ اس کی سب کڑیاں ہمیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اسی لئے کہا ہے ؂

سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد - کہ کام بخشئ او را بہانہ بے سببی است

بعض لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ اہلیتِ کار کے بغیر مناصب جلیلہ پر سرفراز ہوتے ہیں یا مالِ فراواں اتفاق سے یا میراث سے یا ناجائز طریقوں سے حاصل کر کے قوم میں ممتاز بن جاتے ہیں ؂

آسماں بیگانگاں را لائق سختی ندید - جز بدست آشنا نفروخت قصاب استخواں

یہ بھی مشاہدہ میں آتا ہے کہ بعض اشخاص معظم امور کی قابلیت کے باوجود کنج گمنامی اور خواری و ذلت میں مبتلا رہتے ہیں۔ شعرائے کامل نے ہر قسم کے لوگوں کے خیالات کو منظوم کیا ہے غزلیات کے بعض مواضع میں خود شاعر کی حیات ہوتی ہے اور دوسری جگہ دوسروں کی روایات نقل کی ہوتی ہیں۔ ایک بیت سرو سے زیادہ سیدھا اور آزاد ہے تو دوسرا زلف میں پیچ و تاب کھاتا ہے ایک میں عیش کی مذمت ہوتی ہے اور دوسرے میں زاہد کی تفضیح کی جاتی ہے۔

افغانستان میں سردار مہر دل خاں نے کہا ہے ؎

تا شود قبرش زیارتگاہِ اربابِ ریا ۔ خویش را زاہد بزیر گنبد دستار گشت

اور ہندوستان میں سودا نے ؎

بر سر منہ کلاہ مبادا کہ گردنت ۔ زاہد ز بار گنبد دستار بشکند

اور بیدل نے ؎

بہر جا باغباں بر یاد مستاں تاک بنشاند ۔ بگو کز بہر زاہد بید و تا مسواک بنشاند

پگڑی بری چیز نہیں ہے اور مسواک مفید ہے ان کی برائی کی جرأت اس لئے ہوئی کہ اہل نفاق نے ان کو آلۂ تزویر بنا رکھا ہے۔ گمراہوں کا استہزا و تنفر ایک تنبیہ ہے تاکہ دوسرے ان مذموم افعال میں نہ پڑیں ورنہ بذات خود زہد ایک پسندیدہ چیز ہے یہ تھا جملہ معترضہ۔ مکافات و مجازات جو اہل و صالح یا ناقص و شریر اشخاص کو ملتی یا نہیں ملتی۔ استادانِ شعر و سخن کے نزدیک تشبیہ و استعارے کی مانند محدودیت رکھتی ہے۔ چنانچہ شجاعت میں ایک شخص شیر کہا جاتا ہے تو درندگی اور بہیمیت مراد نہیں لی جاتی۔ اسی طرح نظرِ سطحی ایک حد تک دیکھتی ہے اور وہی دیکھنے والا بیان کرتا ہے ورنہ ما تقدم و ماخیر اور مافوق و ماتحت دوسرے نظارے ہیں۔ قرآن کریم سے مثال لیجئے۔ دو یتیم لڑکے افلاس میں پرورش پا کر بڑے ہوئے۔ ناگہ ان کو دیوار سے خزانہ مل گیا۔ یہ بخشش بے سبب ہے اس کے نزدیک جس کو پورے قصے کی خبر نہیں اور اکثر لوگ سرسری واقفیت پر ہی قانع رہ جاتے ہیں۔ امعان کی نگاہ جانچ لیتی ہے کہ ان لڑکوں کا کوئی حق ہوگا کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اگر ان کا باپ نیک تھا تو یہ سبب بھی کوتاہ بینی سے ناقص معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب دیکھا جاتا ہے کہ یہ قانونِ قدرت ہے تو اطاعت لازم آتی ہے۔ والدین کی جسمانی قوت و خلقت جب اولاد پر منعکس ہوتی ہے تو ان کے اندرونی قوے و اخلاق بھی ورثے میں آتے ہیں جیسے مال و متاع۔ نااہل اشخاص کی عارضی یا ظاہری راحت و حشمت بھی اسباب سے جکڑی ہوئی ہے جن میں سے بعض سبب البتہ ہماری نگاہ سے پوشیدہ ہو کر دھوکا دیتے ہیں۔ انسان نے دریافت کیا تو اس کو سبب سازی کہا اور جب نہ جانا تو سبب سوزی سمجھا۔

حُسنِ اتفاق و اتفاقِ حسن

تسنیم اپنے گھر کے باغیچے میں بیٹھی پھولوں کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی ہے۔ اگر عشق پیچہ اور عباسی کے پھول شام سے لے کر صبح تک کھلتے اور دن کو بند ہو جاتے ہیں تو فرشی دوپہر کو مزے میں آتے ہیں۔ کیا میرے دل کی کلی مرجھائی ہی رہے گی۔ مخلوقات میں چند درجے نباتات سے برتر ہوں۔ کیا معقول امید نہیں کی جا سکتی کہ سورج مکھی کا پھول جو میرے چہرے پر ایک دفعہ چمکا تھا پھر میری شگفتگی خاطر کا باعث ہو۔ جو عزلت اب میں نے اختیار کر رکھی ہے کیا جلوت خندہ روئی اور کشادہ پیشانی میں کبھی مبدل

نہیں ہوگی۔ میری رغبت جو پھولوں کی طرف ہے ان کی مشابہت کے سبب ہے جو کسی کے ساتھ ان کو تھوڑی سی حاصل ہے اگرچہ مولانا اور نسبت دیتے ہیں ؎

از نباتی چوں بحیواں او فتاد — نایدش حال نباتی ہیچ یاد
جز ہماں میلے کہ دارد سوئے آں — خاصہ در وقتِ بہار و ضیمراں

تسنیم اور ثمینہ کے درمیان صرف ایک قطار پھلواڑی کی حائل تھی جس کی دوسری طرف ایک انگریز مسلمہ بیٹھی پرندوں کی بولیاں سن رہی تھی جو پنجروں میں گا رہے تھے اور ان کی آوازیں بھی پردہ داری کر رہی تھیں ورنہ پٹھانی مسلمان مثنوی کو اونچی آواز سے پڑھ رہی تھی۔ ثمینہ سوچ رہی تھی کہ پرندے آزادی میں اتنا نہیں گاتے جتنا قفس میں زیادہ چہچہاتے ہیں۔ کیا بندش میں ان کو زیادہ حظ ہے؟ زمانۂ عتیق میں کہا کرتے تھے کہ غم میں مرغ مرثیے پڑھتے ہیں مگر ارسطو نے اسی وقت تردید کی کیونکہ پرندہ پنجرے میں زخمی ہو تو خاموش رہتا ہے۔ سیاہ ہزار داستاں بھوری بلبل اور سبز عندلیب کے نغمے سنکر اور ایک کو دوسرے سے بہتر یا مساوی پاکر رنگوں کی انسانی تمیز کی بیہودگی پر مسکراتی ہے۔ اپنے اور تسنیم کے رنگ کا تفاوت دل میں لاتی ہے اور ساتھ ہی اس کی آواز بھی سنتی ہے جس سے غم اہتمام ہوتا ہے اس لئے بے اختیار اٹھ کر پاس جاتی اور کہتی ہے:۔

مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ۔ جب سب جانور اور پرندے ہماری مانند ہیں اور وہ باوجود قفس میں گرفتار ہونیکے خوش و خرم ہیں، تو آپ کی غمگینی کا کیا سبب ہے؟

تسنیم:۔ اگر پرندے پنجرے میں قانع ہیں تو ہم بھی پردے میں رضامند ہیں مگر پھر بھی آزادی کی حسرت کبھی رلاتی ہے

ثمینہ:۔ آپ کی قوم میں تو پردے کی شدت اتنی نہیں جتنی اور شہری اقوام میں ہے ورنہ آپ لڑائیوں میں کیسے شریک ہو سکتیں جیسا خیر القرون کی عورتیں جہاد کرتی تھیں اور اس کے لئے مردوں کے ساتھ مل کر جنگ کی مشق اور تیاری لازم ہے مریضوں اور زخمیوں کی تیمار داری ستر میں کیسے ممکن ہے؟ اس سے یہ نہ سمجھ لیں کہ میں چار دیواری کو برا سمجھتی ہوں۔ میں نے اتنا سیر کیا کہ سیر ہو گئی اور اب کتابوں میں ہر جگہ جاتی اور ہر طرح کے آدمیوں کو دیکھتی ہوں مگر یہ تو اور باتیں ہیں۔ آپ نے میرے سوال کا جواب نہ دیا۔

تسنیم:۔ جواب نہ دینا بھی جواب ہے

ثمینہ:۔ میں نے بار بار آپ سے پوچھا اور اب دریافت کئے بغیر نہ ٹلونگی۔ میں اپنے تجربے سے جان گئی ہوں کہ آپکا رنج و غم محبت کے ساتھ وابستہ ہے اگر مجھے حقیقت سے مطلع کردو تو شاید معاونت کرسکوں اور راز کو البتہ افشا بھی نہ کروں گی۔

تسنیم:- بہتر یہی ہے کہ آپ اس معاملے کو نہ چھیڑیں۔ میرا حال ناگفتہ بہ ہے۔ محالات میں سے ہے ناممکنات سے ہے۔ اس میں کوئی فرد بشر میری مدد نہیں کر سکتا۔ صرف خدا کا فضل اور غیبی لطف درکار ہے۔

ثمینہ:- سخت تعجب ہے کہ میرے علاوہ اپنے بھائی کو بھی بیگانہ سمجھتی ہو۔ اس کے بے خبر رکھنے کے سوا ازدواج کو بھی پسند نہیں کرتی ہو۔ حالانکہ آپ جیسی خاتونِ متدین کو وعیدِ رسول سے اندیشہ ہونا چاہیئے۔ النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

تسنیم:- حاشا وکلا۔ میں اور میرے اقربا فدائے پائے رسولِ خدا ہوں!

ثمینہ:- پھر کیا سبب ہے کہ آپکے بھائی نے اکثر جوانمردوں کو موضوعِ حکایت بنا کر ضمناً آپ کے انتخاب کے لئے پیش کیا مگر آپنے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

تسنیم:- جوابِ الزامی یہ ہے کہ آپ دونوں نے مثال قائم کی اسکی پیروی کرتی ہوں۔

ثمینہ:- کیا ہمارے ساتھ اتنی مشابہت ہے؟ ہمارا واقعہ شاذ ہے اور نادر کالمعدوم۔ ہم مختلف مذاہب پر چل رہے تھے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ سیرت و اخلاق میں ملتے جلتے تھے اور یہی ہمارا باہمی میلان تھا اور جب دین میں اشتراک ہوگیا تو عقدہ حل ہوگیا مگر یہ ایک مستثنیٰ واقعہ ہے۔

تسنیم:- آپ نے میرا فیصلہ کر دیا۔ جس شخص کو میں نصب العین بنائے ہوں وہ نہیں مل سکتا۔ اس لئے میں مجبوراً اگر کسی خوبصورت جاہل کو پسند کر لوں تو ساری عمر عسرت میں گذاروں کیونکہ پائیداری سیرت میں ہے اور صورت کا کوئی اعتبار نہیں جیسا افلاطون نے ایک شاگرد کو جو عشق کی وجہ سے غیر حاضر ہوگیا تھا اس طرح حاضر کر لیا کہ معشوقہ کو مسہل دے کر اتنا لاغر و سیاہ رنگ بنا دیا کہ وہ ظاہرہ محقر و مکروہ ہوگئی۔ اسی لئے دلبر سے دلبر داشتہ ہی ہونا بہتر ہے۔ حیا سے بعید ہے کہ اس کی جستجو میں نکل کھڑی ہوں۔ اگر وہ بداخلاق ثابت ہو تو پھر مایوس ہوں۔ اگر وہ مجھے قبول نہ کرے تو بے شرم ہوں اور میری غیرت ہرگز روا نہیں رکھ سکتی کہ جو مجھے پسند نہ کرے میں اسے باوجود محبوب جاننے کے پسند کروں۔ میں افغان ہوں اور ہم لوگ کفو کے قائل ہیں۔ اگرچہ میرے محترم بھائی نے اس قاعدے کو توڑا جس کا مجھے افسوس ہے مگر یہ آپکی خوبیوں نے خوشی سے بدل دیا اور ہر کسی کے ساتھ یہ واقعہ اعادہ نہیں کر سکتا۔

اتنے میں اکرم آ پہنچا اور اس نے ثمینہ کو کمرے میں بلا کر جہاں سے تسنیم کو اس کی آواز سنائی دے یوں مخاطب کیا:-

آج دربار میں ایک بات ایسی پیش آئی جس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے۔ امیر وزیر اور ارکین اختلاط کر رہے تھے کہ سخن بیاہ کے بارے میں ہونے لگی۔ کوئی کہتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام آخر پیغمبر تھے جن کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اگر کوئی متحمل ہو سکے

تو ان کی پیروی کرے۔ ایک نے کہا کہ حضرت مسیحؑ مجرد رہے اگر کوئی ان کی تقلید کرے تو شاید گناہ نہ ہو۔ اگر ثواب نہ ہو۔ یہ متکلم امیر صاحب کا بہت مقرب ہے اور وزیر صاحب تو اسے اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ باوجود عزت منصب اور وجاہت کے اس نے نکاح سے نفرت ظاہر کی مگر مدتوں سے امیر اور وزیر اس کے درپے تھے اور کئی عالی خاندانوں میں اس کے ازدواج کا بندوبست کرتے تھے مگر وہ کسی طرح نہیں مانتا تھا۔ آج اس نے یہ دلائل بیان کیں کہ جسے میں طلب کرتا ہوں اس کا ملنا تقریباً محال اور ناممکن ہے اور اگر مل بھی جائے تو اس کا حسن ظاہری ہو اور باطنی شمائل سے مجھے بیزاری ہو تو ساری عمر تلخی میں گذرے کیونکہ میں طلاق کو ابغض الاشیاء عند اللہ سمجھتا ہوں اور دوسرے نکاح کا بھی قائل نہیں ہوں۔ کیونکہ آیات بنیات کا مفہوم مجھے ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔ ان لم تعدلوا فواحدۃ کے ساتھ لن تستطیعوا ان تعدلوا سے ثابت ہوتا ہے کہ عدل نہ ہو سکے تو ایک ہی عورت ہو اور عدل ہو نہیں سکتا۔ باوجود اس انکار کے آخر امیر اور وزیر نے ترغیب و اجبار سے اسے تنگ کر دیا اور طرفین کے شباب اور جمال بے مثال اور کمالات کو ملحوظ رکھ کر مجھے بھی اس بارے میں مجبوراً شریک کر لیا اگرچہ وہ دراصل کافرستان سے ہے مگر اس کے وطن کے علاوہ متصلہ علاقوں کے باشندے بھی اس کی خوبیوں کے سبب اسے اپنا خان اور سردار مانتے ہیں۔ میں نے اس کے مردانہ خصائل دیکھے ہیں۔ بلکہ اس نے اپنی مستقیم معاملت سے مجھے اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے حاضر و غائب میں میرا دوست ہے اور میری حمایت و اعانت کرتا ہے۔ ارغندہ میں اس نے گھر بنایا ہے جو نفاست میں یورپ کی عمارت معلوم ہوتی ہے۔ سردیوں کے شروع میں اس نے مجھے وہاں مہمان کیا۔ یہ قصہ پہلے میں نے اس لئے بیان نہ کیا کہ ایک گذشتہ رنج سے تمہیں خواہ مخواہ تکلیف ہو گی۔ آدھی رات کو وہاں مجھے یاد آیا کہ علی الصباح ایک سائل کو اپنے گھر میں ملاقات کا وعدہ دے چکا ہوں۔ لہذا میزبان کے علی الرغم میں اٹھا اس نے تقاضا کیا کہ اگر جانا ضروری ہے تو راہ کے مخوف ہونے کے سبب کچھ آدمی اپنے ہمراہ لیتے جاؤ۔ میں نے کہا خوف رہزنوں کا ہو سکتا ہے اور میں ان کی طرح انسان ہوں اگر درندوں کا ڈر ہو تو آدمی ان پر غالب ہے۔ پھر اس نے تکرار سے کہا کہ راستے میں سخت ٹھنڈ ہوتی ہے۔ کم از کم پوستین لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ جوان ہوں اور ابھی ریچھ بننے کا موسم نہیں آیا۔ جب میں نے رخصت کا سلام کیا تو اس نے غصے سے کہا کہ افغان ہر چند انسان کامل ہو جائے مگر خود رائی اور ضد سے باز نہیں آتا ؎

با آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد   گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

میں گھوڑے کو مہمیز دکھا کر رفو چکر ہوا مگر کچھ دیر کے بعد دیکھتا ہوں کہ پھر میزبان کے ہاں بیٹھا ہوں۔ مجھے اتنا یاد ہے کہ اس پہاڑی پر سے گذرا ہوں جس کی سرخ رگیں خشک شدہ خون کی نہروں سے مشابہ اور اس لئے شیر خدا کے قصاب کی کہانی سے منسوب ہیں۔ وہاں میں نے دو تین آدمیوں کو دیکھا تھا جن کی پوستین پوشی پر میں نے حقارت کی

تھی۔ جب میں اس گھاٹی پر پہنچا جو افغانستان میں خنکی کے لحاظ سے خاواک کے دوسرے درجے پر ہے تو میرے ہاتھ بے حس ہوگئے اور آناً فاناً لگام چھوٹ گئی۔ گھوڑا بھاگا اور میں بے ہوش ہوکر برف پر گرا جو اسی رات پڑنی شروع ہوئی تھی۔ میرے پیچھے آنے والوں نے میری بندوق پستول اور تلوار چھین کر مجھے مار ڈالنے کا قصد کیا کیونکہ میں نے پہلے ان کو پہچان لیا تھا۔ اگر میرا میزبان مع پوستین اور چند ہمراہیوں کے اسیوقت نہ پہنچ جاتا تو ظالموں نے تمہیں بیوہ کر ڈالا تھا ایک چور کو اس نے وہیں ہلاک کیا باقی بھاگ گئے۔ مگر ان کے تعاقب میں جا کر دونو کو پکڑ لایا اگرچہ اس کے پاؤں میں زخم آیا مگر اب بالکل اچھا ہے۔ اگر تسنیم اس جوانمرد محسن اور پسندیدہ صفات شخص کو قبول کر لے تو ہماری خوش نصیبی ہے۔ میں نے اشارے کنائے سے اسے بہت سمجھایا مگر اس نے تمہارے ذریعے سے ہمیشہ انکار کیا۔ اب ایک غیر مترقبہ موقع پیش آیا ہے۔ وہ خوب جانتی ہے کہ ہم اس کو جان کے برابر عزیز سمجھتے ہیں اور اس کی جدائی سے البتہ مغموم ہونگے۔ مگر دنیا کا رواج اور دین کا حکم دونو مقتضی ہیں اور اب تو اولی الامر کا پاس بھی ہے۔

کچھ دن بعد اکرم شادی کے اہتمام میں مصروف دیکھا گیا۔ ۔ ر د اور عورت نے چار و ناچار ایجاب و قبول کیا۔ جب اپنے گاؤں کے گھر میں دلہا نے پہلی دفعہ دلہن کو دیکھا تو چیخ مار کر گر پڑا۔ دلہن حیرت اور دہشت سے اٹھی اور وہ بھی اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر گر پڑی۔ اس آواز سے دلہا فوراً کہنے لگا "کیا تم وہ لڑکی نہیں ہو جس نے انگریزی فوج پہ پہاڑ سے فائر کرتے ہوئے حملہ کیا تھا، پھر ایک مردہ انگریز بچے کو گود میں لے کر اس کی ماں کو تسلی دی تھی۔ اور پھر غازی اماں کے ہمراہ ایک انگریز کپتان کو کھانا دے کر مجھے چھت پر دوبارہ دیکھا تھا" دلہن نے جواب دیا۔ کہ میں نے آپ کو تقریباً پہچان لیا تھا۔ کیونکہ وہی لباس جو قتلِ میگناٹن پر پہنے آپ ہمارے گھر آئے تھے۔ اس وقت بھی آپ کے زیبِ تن تھا۔ میں نے انگریزی فوج کے کوچ میں آپ کی قومی حمیتیں اور غیرتیں سب دیکھی تھیں۔ اور جب ہمارے ہاں چند دن مجبوراً مہمان تھے تو آپ کی ملی حسیات سے واقف ہوئی تھی جس سے مجھے بے اختیارانہ شغف ہوا تھا۔ اور یہ حسرت بڑی شدت سے محسوس کرتی تھی۔ کہ آپ مسلمان نہیں ہیں۔ اور افغان بھی نہیں ہیں۔

دلہا۔ اب شکر ہے کہ مسلمان ہوں اور اگر افغانستان کی جاں نثارانہ خدمات مجھے یہ فخر بخش سکتی ہیں تو افغان بھی ہوں۔ میں نے اسلام دل سے قبول کیا ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ یہ دن مجھے دیکھنا نصیب ہوا۔ ورنہ میرا مصمم عزم تھا۔ کہ آپ کے سوا کسی کے ساتھ بیاہ نہیں کروں گا۔ یہ نکاح مجبوری سے ہوا تھا۔ اور میں آپ کو دیکھنے سے پہلے یہ کہنے کو تھا۔ کہ میں مجبور ہوں۔ اور آپ مجھے ایسا خیال کرکے رہیں۔ گویا ہمارا نکاح ہی نہیں ہوا۔

دلہن۔ بیشک صداقت کے ایسے ہی نتائج ہوتے ہیں۔ میرا بھی بعینہٖ یہی قصد تھا۔ کہ آپ کو دیکھنے سے قبل یہی التجا کروں۔ کہ ہمیشہ مجھے کنواری مریم کی طرح جانیں اور میں یہانتک اس ارادے پر استوار تھی کہ عمر بھر آپ کی شکل نہ دیکھوں۔ اور آپ کی چیخ نے بے تحاشا میری آنکھوں کو آپ کے چہرہ پر ڈال دیا۔ ورنہ میں معلوم نہیں کن مصیبتوں کا منہ دیکھتی۔ یہ سچی محبت کا ثمرہ ہے۔ کہ

جسے میں تلاش کرتی تھی وہی پردہ غیب سے ظاہر ہوگیا۔ بلکہ یہ اسلام کی پکّی پابندی کا پھل ہے۔ کیونکہ میں اس کے احکام کو محبّت پر قطعی غالب مانتی تھی۔ اور مجھے کسی صورت میں بھی گوارا نہ تھا۔ کہ اپنے دین سے انحراف کروں۔

دلہا۔ بے شک سچے دین پر اسی طرح جمنا اور مرجانا لازم ہے۔ میں نے آپ کے طفیل یہ طریقہ اختیار کیا۔ اور پھر ایسا اس راہ پر مستقیم ہوگیا۔ کہ آپ کی طرح مذہب کو محبّت پر ترجیح دینے لگا۔ (یہاں کرنیل جوزف نے جواب جرنیل یوسف خاں ہے۔ اپنا غار کا قصہ سنایا۔ کہ کسطرح بھونچال سے اور کس خیال سے نجات پائی۔) اس کے بعد زیادہ جدائی کی تاب نہ لاکر میں نے آبادی کا رخ کیا۔ ایک دن رات کے سفر کے بعد پہاڑ کی چوٹی سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ کہ تلواروں اور کٹاروں کی لڑائی نظر آئی۔ ایک فریق بھاگنے لگا۔ میرے پاس مشارکت کی کوئی دلیل نہ تھی۔ اور اکیلا کسی کی مدد کرتا بھی تو کیا فائدہ رکھتی۔ میرے لئے خود خطرہ تھا مگر کمزور اور مظلوم کی معاونت نے مجھے برانگیختہ کیا۔ جب اس قصد سے میں نے میدان میں اترنے کے لئے جلدی کی۔ تو عثمانی سلطنت کے بانی ارطغرل کا واقعہ یاد آیا۔ جس نے فرار کی حالت میں چند سو سواروں کے ساتھ ایک مغلوب فوج کو کمک کو پہنچا کر ان کا پاسہ پلیٹ دیا تھا۔ اور گویا اسی کی برکت تھی۔ کہ اس جوانمرد کی اولاد سے اتنے سلاطین ہوئے۔ کہ یورپ کا کوئی خاندان ان کے مقابلے میں نہیں آسکتا۔ تاریخی اعادے کے زعم نے مجھے شیخ چلی بنا دیا اور میں نے نعرہ لگایا کہ مت بھاگو ہم آن پہنچے لیکن انہوں نے میری آوازِ سنی پر نہ سمجھی اس لئے میں نے بندوق کا خالی فائر کیا۔ دوڑتے ہوئے پھر بندوق بھری۔ اور نزدیک جا پہنچا۔ دونو فریق بھاگ گئے سوائے دو جوانوں اور ایک بوڑھے کے جو انکے وار اپنی ڈھال پر روکتا تھا۔ ایک کو میں نے گولی سے مار دیا اور دوسرے کو تلوار سے زخمی کیا جس پر بوڑھے نے ایسی زبان سے میرا شکریہ ادا کیا جس کو میں سمجھ نہیں سکتا تھا۔ پھر اس نے ایک جوان کی طرف اشارہ کر کے جو مرا پڑا تھا زبانِ حال سے یہ کہا کہ اگر میرا بیٹا مارا گیا تو تم میرے گھر کے چراغ کو روشن کرو۔ اندھا کیا چاہتا دو چشم بینا۔ میں نے زخمی کو محبت اور زحمت سے اپنے کندھے پر اٹھایا جس سے بوڑھا مجھے منع کرتا تھا مگر میں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اس کے گھر پہنچ کر زخمی کی مرہم پٹی کی۔ پھر اس مردہ بیٹے کو حسب دستور تابوت میں ڈال کر ایک غار میں جار کھا جہاں اور بہت سے صندوق پڑے تھے۔ زخمی چند دنوں کے بعد تندرست ہو کر اپنے ہاں لوٹا اور اس کی وساطت سے مجھے دونو فریقوں میں مصالحت کرانے میں کامیابی ہوئی۔

پہلے میں نے بوڑھے اور اس کی بیوی کو اسلام کی خوبیاں بتا کر اس دین کو قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ بعض افغان جو مبادلے کی تجارت کے لئے کافرستان میں آتے تھے خوشی سے مجھے ارکانِ اسلام سکھاتے اور میں ان کو کافروں میں مروج کرتا۔ اس کام میں اتنا منہمک ہوا کہ آپ کو بھی بھلا بیٹھا۔ مگر چونکہ آپ ہی کو اول ہادی سمجھتا تھا اس لئے آپ کی جستجو بھی جاری رکھی۔ مجھے اتنا معلوم ہوا کہ اماں غازی اور ایک لڑکی جہاد میں نہیں بلکہ کئی بوڑھی اور جوان عورتیں تھیں یہ بھی سنا کہ ایک لڑکی نے اپنے دو بھائیوں کو شہید پا کر ایک کے ماتھے کو چوما جس پر گولی لگی تھی اور دوسرے کو نفرت

سے دیکھا جس کی پیٹھ پر زخم تھا اس سے مجھے آپکا شبہ ہوا مگر آپ کا ایک بھائی تھا۔ یہ پرسش ایک واقعے سے تفصیلی
پڑ گئی۔ جب میں نے ایک ملا سے دریافت کیا اور اس نے یہ جواب دیا ؎

ترا من پارسا دانستہ بودم　　　ولے تو رند و شاہد باز بودی

رفتہ رفتہ میں نے کافرستان کے بہت سے لوگوں کو مسلمان بنایا اور گرد و نواح کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اصلاح کی۔ ان خدمات سے متاثر ہو کر انہوں نے مجھے اپنا وکیل مقرر کر لیا اور میں نے اتنا مالیہ اور محصول بہم پہنچایا کہ دربار میں بھی میری رسائی ہو گئی۔ جہاں میں نے معدنیات کے نمونے پیش کئے جو تنہائی کے عالم میں فراہم کئے تھے۔ ملکی اور فوجی اصلاحات تقدیم کیں اور خود ان کی تعمیل کرائی۔ باقی احوال کی آپ کو اطلاع ہے کہ مجھے بادشاہ وزیر اور اراکین دولت کے نزدیک کیا منزلت حاصل ہوئی۔ مگر میرا دل مجروح تھا اور مرہم نایاب۔ میرا اعتماد تدبیر پر بہت تھا اور اب اگرچہ کوشش کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتا مگر تقدیر پر متوکل رہتا۔ جب بادشاہی حکم نے مجھے ازدواج پر مجبور کیا تو نہایت غمناک ہوا۔ جس ماں کا اکلوتا بیٹا کھو گیا ہو۔ جس مزدور کی عمر بھر کی کمائی تلف ہو گئی ہو۔ جس مصنف نے برسوں راتیں جاگ کر مسودہ تیار کیا اور وہ ضائع ہو گیا ہو۔ جس لشکر نے صعوبات و زحمات جھیل کر مدتوں شکستیں پا کر آخر فتح کی شکل دیکھی ہو۔ اس ماں کا فرزند، مزدور کی کمائی، مصنف کی تصنیف دوبارہ مل گئی ہو ان سب شادمانیوں کا مجموعہ آج مجھے نصیب ہوا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست　　　آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

تسنیم۔ حیائے زمانہ مانع ہے کہ میں اپنے دل کی کیفیت کو مفصل عرض کروں۔ اسی پر اکتفا کرتی ہوں کہ میری سرگرمی تلاش اور اشتیاق اگر آپ سے زیادہ نہ تھا تو کم بھی نہ تھا۔ میرے فراق کا حال آپ اپنی بہن سے سنیں گے جو آپ کو دو حسرتوں سے یاد کرتی ہے۔ ایک دنیا کی اور دوسری عقبے کی جدائی اور اس کی خوشی اسی اندازے سے بڑھ کر ہو گی یہی معاملہ آپ کی والدہ کا ہے اور اس کی مسرت بھی بے حد ہو گی۔

یوسف۔ انجیل میں ایک آوارہ لڑکے کا قصہ ہے جس نے اپنا جائداد کا حصہ ضائع کر دیا تھا اور اس کی مفلسانہ مراجعت سے والدین اتنا خوش ہوئے تھے کہ ان کے رشید بیٹے کو رشک ہوا تھا۔

اتنے میں دروازے پر ایک بچے کے رونے کی آواز آئی اور جرنیل یوسف ہمسائے بچوں سے بہت پیار کرتا تھا اس کو اندر بلایا۔ اس نے کہا کہ دربان مجھے آج اندر آنے نہیں دیتا تھا حالانکہ مجھے آج ایک ضروری کام تھا۔ اس لڑکے کی آنکھیں سبز اور بال زرد تھے اور اس کے ہاتھ میں ایک خط انگریزی میں لکھا تھا۔

جنابِ عزیز۔ چونکہ میں نے آپ کے متوفی باپ کو ڈاڑھی کے ساتھ دیکھا تھا اور آپ کو بھی اسی زینت میں اتفاقیہ دیکھ چکی ہوں۔ اس لئے میرے دل میں شک نہ رہا کہ آپ کون ہیں۔ مگر چونکہ آپ کے ساتھ میرا کام نہیں تھا اس لئے معرفت

کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اب ایک مطلب ہے۔ میں اس کرنیل کی بیوہ ہوں جس کے منصب پر آپ مقرر ہوئے تھے۔ میرا بچہ کونج کی سردی میں مر گیا۔ جو افغان مجھے بندوق سے ڈراتا تھا اس کے پاؤں میں آپ کی گولی لگی تھی اور اب وہی میرا خاوند ہے اور سابق سے بہتر۔ حامل رقعہ میرا بیٹا ہے اور پہلے کا نعم البدل۔ میرا شوہر زمیندار اور تاجر ہے۔ نہ چوری کا شائق ہے نہ محتاج۔ جس رات آپ اکرم خاں کے پیچھے گئے تھے تو میرے خاوند نے باوجود میری عاجزانہ ممانعت آپ کا تعاقب کیا تھا اس قصد سے کہ اپنے پاؤں کے زخم کا بدلہ لے۔ وہ یہ کہہ گیا تھا کہ دوسری جگہ گولی نہیں مارونگا ورنہ شاید مار سکتا۔ اب وہ آپ کے پاس قید میں ہے آپ کا پاؤں اس کی مانند صحت پا چکا ہے۔ التجا واضح ہے والسلام۔

یوسف نے بچے کو گود میں لیا اور مسکرا کر کہا ؎

محتسب خم شکست و من سر او   سن بالسن والجروح قصاص

خط کے جواب میں لکھنے والی کو طلب کیا مگر اس نے یہ کہہ کر کہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکل سکتی آنے سے انکار کیا۔ اس کے شوہر کو حاضر کیا اور کہا کافر کا گناہ ایک کلمہ پڑھنے سے معاف ہو جاتا ہے۔ وحشیؓ امیر حمزہؓ کا قاتل تھا، مسلمان ہو کر اصحاب رسولؐ میں داخل ہو گیا اور آخر مسیلمۂ کذاب کا قاتل بنا۔ میں بھی اسی قسم کے اعمال کی پیروی کر رہا تھا۔ پھر مجھے تم نے کیوں عفو نہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میں آپ کی سرگذشت سے واقف ہوں کہ کفر کی حالت میں بھی اسلام کو برحق مانتے تھے۔ میں نے مناسب نہ جانا کہ میرا گناہ عاقبت میں آپ پر سوار رہے اور میں نے اپنے دل کا بخار بھی نکال لیا۔ یوسف نے ہنس کر کہا کہ اب کوئی کدورت تو نہیں رہی؟ اس نے کہا اب برابر ہو گئے۔ یوسف نے کہا بلکہ برادر ہو گئے: انما المؤمنون اخوۃ تمہاری وضع مجھے بہت بھاتی ہے کیونکہ مجھ سے بھی ایسے ہی افعال سرزد ہوتے ہیں۔ تمہاری بیوی اسلامی اشتراک کے علاوہ میری ہم قوم ہے۔ بہن کی طرح عزیز ہے اسے میرے پاس آنے کی اجازت دیجئے۔ آپ بخیر گھر جا کر اسے بھیجئے۔ جواب دیا کہ آپ کی بیوی کے پاس آسکتی ہے آپ کے سامنے نہیں ہو سکتی۔ یوسف نے کہا کہ آپ کے بیٹے کو آپ کے بعد گھوڑے پر سوار کر کے بھیجونگا۔ اس نے قبول نہ کیا کہ بیٹا باپ سے اونچا کیوں ہو۔ کہا دونو اکٹھے چڑھ کر چلے جاؤ پھر بھی نہ مانا کہ اب ہم مساوی ہیں احسان کے نیچے کیوں دبوں۔

آخر یوسف نے خود اس کے ہاں جا کر گھوڑا مع ساز و سامان کے بڑی مشکل سے اس کو دیا اور چونکہ عادات مشابہ تھیں دونو میں رفاقت قائم ہو گئی۔ یہ مسئلہ کہ کیوں دو شخصوں میں دوستی یا دشمنی بعض دفعہ بلاوجہ واقع ہو جاتی ہے۔ علم النفس نے بھی ثابت نہیں کیا بلکہ قدیم ہندو فلسفے سے استعانت کرنی پڑی ہے کہ شاید تناسخ کی رو سے پہلی جون میں آشنائی یا عداوت ہوئی ہو مگر اصل ابتدا میں یہ دونو طرح کی معاملت کیونکر ہوئی پھر وہی عقدہ پیدا کر دیتی ہے جواب درپیش ہوتا ہے ممکن ہے کہ اعضاء و قوا کی مجانست یا مماثلت موافقت کا باعث ہو اور برعکس برعلیہ مگر بالفرض دو آدمیوں میں سب حالات

ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اور حسد بھی دونوں میں یکساں ہو۔ پس یہی باہمی مخالفت کا باعث ہو جائے گا الغرض یوسف کی بعض عادتیں ٹیڑھی تھیں جو شروع میں اسے اسلام سے دور رکھتی تھیں اور اب دوسرے رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔

ایک مصنوعی لڑائی میں ناہموار زمین پر ایک دستۂ فوج کو لے جا رہا تھا اور سپاہیوں کو قطار سے باہر ہونے کی اجازت نہ تھی۔ ایک کو مینڈک سے سخت نفرت تھی اور ایسی نفرتیں یا محبتیں بھی فوق المعمول بعض شخاص میں پائی جاتی ہیں۔ وہ صف سے علیحدہ ہو گیا۔ جرنیل نے تاڑ کر حکم دیا کہ وہی مینڈک کو پکڑے اور اٹھا کر بارک میں لے جائے جہاں دونوں ایک وقت تک اکٹھے مقید رہیں کیونکہ اس نے نظام عسکر کو چھوڑا تھا اور مینڈک نے بے جا مداخلت کی تھی۔ سپاہی کا واہمہ تو مینڈک کی صحبت سے دفع ہو گیا مگر مینڈک کو عبرت ملی اسے خود یوسف نے یوں تادیل کیا کہ چینی وغیرہ ایسے جانوروں کو کھاتے ہیں اور شریعت میں بھی حلال جانور کھانے روا ہیں۔ ان کے کھانے سے ایک لذت محسوس ہوتی ہے ورنہ قوت تو اور اشیاء سے بھی مہیا ہو سکتی ہے۔ کھانے کے لئے مارنا جائز ہوا تو قید بطریق اولےٰ روا ہوئی جو قتل سے کمتر عذاب ہے۔ اور مینڈک کے بند کرنے میں اگر بالواسطہ سپاہیوں کو تنبیہ نہ بھی ہوئی تو کم از کم مجھے اپنی نرالی خواہش پورا کرنیکی لذت محسوس ہوئی جو شائستہ اشخاص کو قفس میں پرندے رکھنے اور ان کے چہچہانے سے حاصل ہوتی ہے۔

یوسف نے اسی قسم کا جواب دیا۔ جب ثمینہ اور اس کی ماں نے پوچھا کہ اپنے آپ کو چھپائے رکھا اور ہم کو فراق کے رنج میں گرائے رکھا حالانکہ اکرم تمہاری مدد کر سکتا تھا اگر اپنا حال بتا دیتے۔ اس نے کہا کہ یہی سبب تھا کیونکہ اس کے احسانوں کے نیچے پہلے ہی میری کمر دوہری ہو رہی تھی۔ زیادہ بار منت کی طاقت نہ دیکھ کر میں چاہتا تھا کہ کسی قدر سبکدوش ہو کر اپنی شخصیت کا اعلام کروں۔ آپ ہی نے میرا نام یوسف رکھا تھا۔ کچھ پیروی تو اس پیغمبر کریم کی کرتا۔ انہوں نے بھی اپنے والدین کو مصیبت میں رکھا۔ اگر ان کو مطلع کر دیتے کہ زندہ اور عزیز و معزز ہوں تو وہ جدائی کے غم میں نہ گھلتے۔

یوسف انگریزوں کے نزدیک غالباً مر چکا تھا اور اس کی بہن ان کے خیال میں سیاح کی حیثیت میں ترکستان، ایران اور افغانستان میں گھومتی ہے اور وہ اس کی معلومات و کشفیات سے ابھی استفادہ کی توقع رکھتے ہیں۔ اس کی ماں کی بابت ان کا گمان ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ بے سکون سکونت کر رہی ہے ایک دن یوسف نے انگریزی اخبار میں دیکھا کہ سر ولیم میکناٹن کا مجسمہ انگلستان میں پیتل سے تیار کیا گیا ہے گھوڑے پر سوار اور تلوار ہاتھ میں ہے اور چند مجروح افغان اس کے پاؤں میں پڑے ہیں ع

برعکس نہند نام زنگی کافور

کرنیل یوسف کے شہر والوں نے بھی غیرت کھا کر اس کا بت اسی نمونے پر کھڑا کر دیا۔ جس پر ثمینہ سے نہ رہا گیا اور ایک تصویر کھینچی

جس کا عنوان یہ تھا کہ مصور شیر نہ تھا اب قلم اس کے پنجے میں آئی ہے۔ اکرم انگریزوں کو سرحد پار کر رہا ہے اور جرنیل یوسف افغانوں کو قواعد سکھاتا ہے۔ کریم کے واسطے سے ہندوستان میں اور اس کے شریک مقدمہ ترک کے نتیجے سے اس تصویر کی یورپ میں اس قدر اشاعت ہوئی کہ مصوروں نے فائدہ دیکھ کر اس کو شائع کیا۔ البتہ کرنیل لیوٹ کے مجسمے کو برباد کردیا اور میگناٹن ابھی اسی شان و شوکت میں اپنے بت کے طفیل قائم ہے۔

رزم بزم

آخند موسیٰ۔ طالب جان! خوش آمدید۔ تھکے ماندے نہو۔ تمھاری بغل میں کونسی کتاب ہے۔ کیا سبق پڑھتے ہو۔ کس سے درس لیتے ہو؟ کس علم تک پہنچے ہو؟ تمھارا گھر کہاں ہے؟ یہاں کس لئے آئے ہو؟ کیا میرے ساتھ کوئی کام ہے؟

طالب علم۔ آخند صاحب زندہ اور سلامت رہو۔ آپ کے فیض کا سایہ اہل علم کے سر سے پرے نہو۔ میری بغل میں بخاری شریف ہے۔ اسی کا سبق پڑھتا ہوں۔ ملا اعظم میرے استاد ہیں۔ فن حدیث تک پہنچا ہوں۔ میرا گھر غزنی میں ہے۔ بعض مسائل دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں اور اسی لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

اس لگاتار سوال و جواب سے اہل مجلس البتہ محظوظ ہوئے۔ آخند نے کہا کہ جو علم و استعداد رکھتے ہو وہ عمل و خدمت خلق کے ساتھ شامل ہو۔ سل ماشئت جو چاہو پوچھو۔

طالب علم۔ تین سوال پہلے عرض کرتا ہوں۔ ان کے جواب پر اور بعد میں پیش کروں گا۔ اول یہ کہ خدا کیا کام کرتا ہے۔ دوم کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ سوم کس طرف دیکھتا ہے؟

آخند نے کہا کہ انکا جواب تو ایک طفل دبستاں بھی دے سکتا ہے۔ اس لئے اکرم کے لڑکے کو حاضر کرو۔ نوکر فوراً باغ میں گیا جہاں یہ آٹھ سالہ بچہ ایک درخت کے نیچے ملا ہدہد کو ہاتھ میں پکڑے دکھائی دیا۔

نوکر۔ آغا جان۔ آیئے آخند صاحب نے آپ کو طلب کیا ہے۔

بچہ۔ جمعے کا دن چھٹی ہے اور آخند صاحب حضرت علیؑ کی روایت یہاں بیان فرمایا کرتے ہیں: التحصیل فی التعطیل التعطیل فی التحصیل۔ (تعطیل میں تحصیل کرنا تحصیل میں تعطیل کرنا ہے)۔ پھر مجھے بلایا ہوگا اور ابھی میری سب کھیلیں باقی ہیں:۔ توپ بازی۔ دندہ کلیک۔ ہرت۔ خرخوجہ۔ فتور نہ۔ میخ۔ درنہ۔ دستار آخند وغیرہ۔

نوکر۔ واللہ۔ آخند صاحب نے جلدی بلایا ہے۔

بچہ۔ ... ہدہد کو کہاں چھوڑوں جو سلیمانی دربار سے بھاگ گیا تھا۔ میرے پاس کب رہا۔ اس لئے ساتھ ہی لے چلتا

ہوں۔ مگر آخند صاحب نے نہ ملایا ہے ؟

نوکر۔ واللہ باللہ ثم تاللہ۔ بلایا ہے۔

بچہ۔ ایک بار کہا قبول ہوا۔ تکرار کیا شبہ پڑا۔ قسم کھائی تو جھوٹ مانا۔ اچھا تمہاری پہلی بات مان کر چلتا ہوں۔

جامع مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی کیونکہ نماز کے بعد لوگ اس لئے منتشر نہیں ہوئے تھے کہ غزنی کے مشہور طالبعلم کے مسائل کا چرچا ہو گیا تھا اور توقع تھی کہ علما کا مباحثہ و مجادلہ ہوگا جو ایک دوسرے کے کافر مشرک بنانے پر ختم ہوا کرتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ دیگر تھا۔ آخند صاحب کا ادب عام و خاص میں مسلم اور طالب علم محض مسافر اور مہمان تھا۔ جب لڑکا صفیں چیرتا مشکل سے آخند صاحب تک پہنچا تو طالب علم نے ہدہد دیکھ کر کہا کہ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے لڑکے نے جواب دیا کہ صغرسن اس کی شرح کشاف اور میری عمر کا تقاضا یہی ہے۔ پھر آخند نے کہا کہ سوالات کا تکرار کرو۔ طالب علم نے لوگوں کے اژدحام میں آشکار ہونے کے لئے منبر پر چڑھ کر اپنے سوال بیان کئے۔ وحید نے جو اکرم کے بیٹے کا نام تھا کہا کہ سوال کرتے ہو اس لئے محتاج ہو لہذا منبر سے نیچے اترو۔ پس اس کی بجائے خود منبر پر کھڑا ہو کر جواب دینے لگا۔

پہلا سوال یہ کہ خدا تعالےٰ کہاں سے شروع ہوتا ہے ؟ اعداد کو جانتے ہو ان میں سے ایک کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنے آپ سے۔ جب یہ مجازی واحد اپنے آپ سے شروع ہوتا ہے تو واحدِ حقیقی خود بطریقِ اولےٰ اپنے آپ سے ہی شروع ہوگا۔

دوسرا یہ کہ خدا کس طرف دیکھتا ہے ؟ تمہیں معلوم ہے کہ چراغ کس طرف دیکھتا ہے۔ جب یہ مجازی نور ہر طرف دیکھتا ہے تو نورِ حقیقی جو خود نور اور سب کو وہی روشن کرتا ہے البتہ ہر طرف دیکھ سکے گا۔

تیسرا یہ کہ خدا کیا کرتا ہے ؟ ـــ

تو کارِ زمیں را نکو ساختی　　　　که با آسماں نیز پرداختی

تمہارے جیسے نادان کو جو بلا استحقاق اونچی جگہ تلاش کرے بلندی سے نیچے گرانا اور ایک اور مستحق بچے کو تمہاری جگہ قائم کرنا۔ یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات یہ ہے منجملہ اور کاموں کے خدا کا ایک کام۔

طالب علم نے جو ایک ڈھیٹ جوان نکلا شرمندہ نہ ہو کر تین سوال اور پوچھے (۱) جب تک کوئی چیز دکھائی نہ دے ایک معقول شخص اسے مان نہیں سکتا۔ خدا کو کوئی دیکھ نہیں سکتا حتیٰ کہ موسےٰ جیسے بڑے پیغمبر کو جواب لن ترانی جب نہ دیکھیں تو کیسے مانیں کہ خدا ہے۔ (۲) اگر بالفرض ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر جگہ ہو۔ ایک چیز ایک جگہ ہی ہو سکتی ہے نہ سب جگہ (۳) شیطان کو آگ سے بنایا اور آگ سے جلایا جائے گا۔ جب وہ خود آگ ہے تو آگ سے کیسے جلے گا اور کیونکر

عذاب پائے گا۔

ابھی وہ اپنی تقریر ختم نہیں کر چکا تھا کہ وجید نے ملا ہدہد کھینچ کر اس کے منہ پر مارا جس سے وہ بیچارہ تو فی الفور مر گیا مگر جان کنی کی تکلیف طالب علم کو دے گیا جس نے فریاد کی کہ اس بیجا ضرب سے مجھے سخت درد پہنچا۔ اتنا کہ سارے جسم میں محسوس ہو رہا ہے۔ غصے میں جدا جلنے اور برا بھلا کہنے لگا۔ وجید نے بے تحاشا کہا کہ درد دکھاؤ کہاں ہے۔ ورنہ میں ہرگز نہیں مانونگا کہ تمہارے درد ہے۔ اگر ایک جگہ بالفرض ہے بھی تو یہ محال ہے کہ سارے بدن میں ہو۔ اگر ہو بھی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سے تم کو عذاب پہنچے کیونکہ جس گوشت پوست استخواں وغیرہ سے تم بنے ہو وہ پرندہ بھی اسی سے بنا ہے۔

حاضرینِ مسجد تو دنگ رہ گئے اور عش عش کرنے لگے مگر طالبعلم اور بھڑکا بلکہ جیسا عوام کا قاعدہ ہے وجید کو اس کے باپ کو اور اس کی قوم کو بھی کوسنے لگا یہ کہہ کر کہ تمہارے ٹھٹھے کا جواب تمہارے باپ کو دیا جاسکتا ہے اور باقی سوالات بھی اسی سے پوچھے جائیں گے۔ اب اکرم مسجد میں موجود تھا اور اپنے بیٹے کی حرکات کو خوشی بلکہ فخر سے ملاحظہ کر رہا تھا اگر اس نے تجاوز کیا تو ذمہ دار آخند صاحب کو سمجھتا تھا جن کا مرتبہ تمام اضلاعِ کابل میں تدریس وتادیب کے لحاظ سے اتنا بلند تھا کہ ان پر تو کیا ان کے شاگردوں پر بھی کوئی معترض نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ہی آخند صاحب تھے جنہوں نے ابتدائے جہاد میں اکرم اور ثمینہ کا نکاح باندھا تھا۔ جیسا ماں کا نام اس کے بیٹے کا بھی انہوں نے ہی بازید رکھا تھا جو عام محاورے میں وجید ہو گیا۔ اکرم اپنے علم وفضل کے لئے انہی کا ممنون تھا چنانچہ ان کی تلقین کا نتیجہ تھا کہ باوجود درباری اعزاز کے گاؤں میں دوسروں کے ساتھ مساوات سے بیٹھتا اٹھتا اور تواضع سے رہتا سہتا۔ وزیر اکبر خاں نے اس کے لئے سرداری کا خطاب تجویز کیا تو یہ کہکر رد کیا کہ انگریز معمولی فوجی افسروں کو سردار کہتے ہیں۔ اور سکھ سب سردار کہلاتے ہیں۔ اس لئے نہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ میں محض لوجہ اللہ خدمت کرتا ہوں۔ اور یہی عزت کافی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔ افغانستان میں سب محمد زائی چونکہ شاہی خاندان کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں سردار سے مخاطب ہوتے ہیں میں چونکہ درانی بھی نہیں ہوں اس لئے ان میں سے بعض کا محسود نہیں بننا چاہتا بلکہ ان کے سامنے عاجز رہ کر ان سے بہتر خدمات بجالانے کا داعی ہوں اگر مناسب ہو تو جرنیل یوسف کو اس لقب سے سرفراز کرو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اکرم نے طالب علم کے غصے کو فرو کرنے کیلئے کہا کہ آخند صاحب آداب کی رعایت کے بہتر اہل ہیں۔ اگرچہ تم نے متکبرانہ لہجہ و وضع ظاہر کی والکبر مع المتکبر تواضع مگر بیٹے نے بھی گستاخی کی اور میرے خیال میں وہ سزا کا مستوجب ہے۔ مگر اس کا تعلق آخند صاحب کے ساتھ ہے۔ اگر اطمینان اور آرام سے میرے ساتھ زور آزمائی کرنا چاہتے ہو

تو میں حاضر ہوں۔ طالب نے فوراً کرتا اتارنا شروع کر دیا اور غیظ کے لئے تیار ہوا جو ایک دوسرے کے نیفے میں ہاتھ ڈال کر اس کو زمین سے اٹھانے پر مشتمل ہے۔ اکرم نے کہا کہ اس میں کودنا اور گرنا گرانا ہوگا جس سے مسجد اور حضار کی بے حرمتی ہوگی۔ اس لئے پنجہ اور کلائی سے کام لے لو۔

طالب۔ آپ نے صحاح ستہ نہیں پڑھی۔ رسولِ خدا نے مسجد کے صحن میں تیر اندازی فرمائی ہے۔

اکرم۔ اگر میں نے پڑھی ہو تو منادی نہیں کرتا۔ پڑھنا ایک چیز ہے اور اجتہاد دوسرا امر ہے

برخاست رگِ گردن و آمد بمیاں بحث ۔۔۔۔۔ از مدرسہ دم نا زدہ بگریزد گرنہ

میں نہ تو مباحثے سے ہی رم کھاتا ہوں اور نہ ہی کشتی سے۔

اکرم نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس کا پنجہ لینے اور کلائی پکڑنے سے رنگ زرد کیا اس درجہ کہ وہ غیظ سے خود بھاگ گیا۔ اب شکستہ حالت میں اس نے آخری تین سوال پیش کئے (۱) لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ اس دعوے کے باوجود کہ ہر چیز قرآن میں مذکور ہے امریکہ کا ذکر کیوں نہ آیا (۲) فرنگیوں نے بخار و برق سے بڑے فائدے اٹھائے۔ مسلمان کیوں محروم اور پیچھے رہ گئے؟ (۳) اسلامی حکما کہتے تھے کہ آسماں چرخ ہے اب سنا جاتا ہے کہ زمین گھومتی ہے اور آسمان کوئی چیز ہی نہیں۔ حقیقت کیا ہے۔

اکرم۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے جو عبارت ہے علم خداوندی سے جس میں کل کائنات موجود ہے۔ قرآن مجید کا تعلق امریکہ اور آسٹریلیا سے نہیں بلکہ وہاں کے اور نیز ستاروں کے اگر وہاں ہوں باشندوں کے لئے نور ہدایت ہے ان کے اخلاق و اعمال کو مکمل کر کے ان کو فلاح و نجات کا راستہ دکھاتا ہے۔ کلامِ الٰہی جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ جغرافیہ دانوں اور اس کے پڑھنے والوں اور اس کے لکھنے والوں کا راہنما ہے۔ کولمبس سپین کا باشندہ تھا جو سینکڑوں برس مسلمانوں کے تصرف میں رہا۔ اسلامی علوم کے آثار وہاں باقی رہ گئے جیسا میری انگلیوں کے نشان اب تک تمہاری کلائی پر نمایاں ہیں۔ قرآن کریم میں رب المشرقین و رب المغربین وارد ہے اور سپین والوں کے کان اس سے آشنا تھے۔ جب کولمبس نے قدیم جغرافیوں سے ایک اور براعظم کا وجود معلوم کیا تو اس آیت نے اس کی تائید کی۔ اگرچہ محققوں نے کتاب مبین لوح محفوظ کو قرار دیا ہے مگر قرآن مجید کو بھی یہ مان لیا جائے تو اس میں بھی امریکہ کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ دو مشرق اور دو مغرب زیادہ واضح اسی طرح ہوتے ہیں کہ کرۂ ارض کے دو حصے ہوں۔ اگر ستاروں میں مخلوق ہو یا نہ ہو۔ رب المشارق والمغارب اس کو ثابت کرتا ہے اور اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ کئی جہان بستے ہوں اور کئی سورج بھی ہوں۔

یہ کہ یورپ والوں نے امریکہ کشف کیا اور ستاروں کے پیچھے بھی وہی پڑے اور مسلمان خاموش و محروم رہ گئے

ایک سوال ہے جس سے ربِ فعال کے افعال میں نکتہ گیری کی بو آتی ہے۔ پسرِ نوح باوجود باپ کی التجا کے کیوں غرقاب ہوا اور فرزند آذر کیونکر آبائی پیشے کو چھوڑ کر ابوالانبیاء ہو گیا ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش سہیل از روم ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی است

خدا تعالےٰ کافر و مسلم اور مجرم و مومن کا پروردگار ہے اور اس نے ایک حد تک ظاہری اختیارات کو اپنی مخلوق کے سپرد کر رکھا ہے اور کامیابی و نجات کو دو نوں گروہوں کے سامنے مساوی پیش کیا ہے لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب تمہاری آرزوؤں اور اہل کتاب کی تمناؤں کے ساتھ انجام وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر کسی کے اعمال پر منحصر ہے جس نے برا کیا وہ اس کا بدلہ پائے گا۔ اور جس نے بھلائی کی خواہ مرد ہو یا عورت اور کسی طائفے اور مسلک کا ہو وہ اجر پائے گا اور ذرہ بھر اس کے حق سے کم نہیں ملیگا اور بہشت میں داخل ہوگا۔ ایک جنت جاودانی ہے جو مرگ کے بعد نصیب ہونے والی ہوگی اور ایک ادنیٰ نمونہ اس کا اور اس کے ثبوت کے لئے اس جہان میں بھی ملاحظہ ہوتا ہے۔ ایک کافر نوکر مسلمان بادشاہ کا فرمان قبول کر کے صدق سے خدمت بجا لاتا ہے۔ لاجرم عزت و انعام حاصل کرتا ہے۔ مسلمان خادم اس کی حکم عدولی کر کے چوری فساد یا غفلت کرتا ہے لامحالہ عتاب و عقاب دیکھتا ہے۔ یہ دنیا کے بہشت و دوزخ ہیں جن کو ہمارے شعرانے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں جہا نست دوزخ او

کہ چاپہ دنیا کش جنت نہ وی لیدلے بلاتشبیہ دا یو خوند ستا د وصال دئی

(دنیا میں گر کسی نے جنت نہیں ہے دیکھا تیرے وصال کی ہے توبہ! یہ ایک لذت)

کافروں نے امریکہ دریافت کیا جو مسلمانوں کے لئے بھی ایک عظیم موقع تھا جس کو انہوں نے ہاتھ سے کھو دیا۔ وہ بھی ان وسیع ممالک اور ان کی زرخیز اراضی پر تسلط جما سکتے تھے۔ مگر ان کے بادشاہوں نے باوجود اقتدار و استطاعت کے غفلت کی اور اس کا نتیجہ کروڑوں عیسائیوں کی کثرت ہوئی جو مسلمانوں کی فعالیت کی صورت میں اسلام کو ملتی۔ اسیطرح برق و بخار پر بھی دوسروں نے قبضہ کر کے ان سے بے شمار فوائد اٹھائے ورنہ ہماری کتابِ مقدس میں جس کو ہم رات دن پڑھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں تکرار و تاکید سے بیان ہوا ہے۔ اللہ الذی سخر لکم ما فی السمٰوٰت والارض جمیعا منہ خدا نے ہر چیز کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ پھر اس تسخیر کی دوسری آیت میں تفسیر بھی ہوئی ھو الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ و لتبتغوا من فضلہ الخ۔ اسی نے بحر کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں جاری ہوں اور تاکہ تم اس سے مال و دولت کماؤ آسمانوں اور زمین میں ہر چیز داخل ہے۔ پس جسطرح جہاز پانی میں چلتے ہیں اور پانی کی طرح ہوا و فضا بھی جب مسخر ہوئی تو اس

میں بھی جہاز چل سکتے ہیں۔ لیکن کوشش اوروں نے کی اور جس چیز کو انہوں نے دیکھا یا محسوس کیا جیسے بجلی اور بھاپ اس کو تصرف میں کیا اور علم وعقل میں ہم پر سبقت لے گئے۔ معلوم نہیں ابھی کیا کیا اشیا غیر منکشوف ہیں اور بنی آدم ان کے افادات سے محروم ہیں۔ ستارے بھی آسمان سے خارج نہیں اور اگر وہاں مخلوقات ہو تو وہ بھی از روے قرآن ہماری مسخر ہے بشرطیکہ ہم اس کی تسخیر کی تدبیر کریں ورنہ دوسرے کر کے ہم کو شرمندہ بنائینگے۔

ستارہ اگرچہ کرۂ ارض سے بڑا ہو مگر تمام کائنات میں اس کی جسامت ذرے سے زیادہ نہیں ہے اور ہر چیز بڑی یا چھوٹی فائدے سے خالی نہیں۔ ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا زیادہ فائدہ بڑے اجسام میں یا تھوڑا چھوٹے ابدان میں نہیں ہے بلکہ اکثر چیزیں قامت میں کہتر اور قیمت میں بہتر ہوتی ہیں۔ نظر بعض دفعہ فریب کھاتی ہے۔ مثلاً غزنی کے نواح میں ناؤر اور جھیل مقر میں آدمی دو سو گز کے فاصلے پر اونٹ کے برابر دکھائی دیتا ہے۔ ممکن ہے آسمان میں اور فضا میں بھی ایسی ہی کیفیت ہو۔ بہرکیف آسمانی و زمینی موجودات سے خدمت لینا انسانی قوت کے احاطے میں ہے اور اس معاملے میں مومن و کافر کے درمیان تمیز نہیں البتہ کفار کی نسبت ہمارے لئے تسہیلات ہیں۔ افلا یتدبرون القرآن۔

کتنی مدت سے انگوٹھی کے نگین پر نام کندہ ہوتا تھا۔ ایک شاعر نے اسی سے وعظ کا وسیلہ پکڑا ؎

نقش معکوس نگیں از سجدہ میگردد درست ۔ سرنوشت واژگوں را راست مے سازد نماز

دوسرے نے یہ نتیجہ نکالا ؎

چین کدورتے ہست بر جبہۂ نگین ہا ۔ تحصیل نامداری بے دردسر نباشد

ہمارے سردار نے یہ حسرت کھائی ؎

شہرہ گشتن بجہاں غیر سیاہ روئی نیست ۔ مہر دل کا سکہ نامت زنگین بر خیزد

ان بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ انگوٹھی کے نگین میں سیاہی لگتی اور نام کو چھاپتی ہے۔ ہزاروں سالوں میں بجز چین کے سوا کسی اور ملک میں تدبر نہ ہوا کہ جب ایک دو لفظ پتھر کے ایک ٹکڑے پر کندہ ہو کر سیاہی کو مع ان الفاظ کے کاغذ پر منعکس کر سکتے ہیں تو ہزار لفظ ایک بڑے پتھر پر سے اتر کر وہی کام دے سکتے ہیں اور یہی چھاپہ ہے۔ لیکن لاکھوں کاتب ہر ملک اور ہر زبان میں کتابوں کے نقل کرنے میں عمریں صرف کرتے رہے اور انگوٹھی سے کسی نے کام نہ لیا۔ اسی طرح جزدی چیزوں میں بہت فوائد مضمر ہیں۔ جو ذرا سے غور کے بعد حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر ہم آسمانوں زمینوں اور ما فیہا میں تفکر نہ کریں تو لازم ہے کہ تجاہل و تغافل کی سزا کے علاوہ احکام الٰہی کے نافرمانی کی جدا مجازات پائیں چنانچہ پا رہے ہیں۔ یہ کہ آسمان گھومتا ہے یا زمین۔ اسلامی عقائد کا اس میں دخل و غرض نہیں۔ آسمان ہو یا زمین ان کا گھمانے والا یا

ٹھہرانے والا ان کا خالق ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ مولنٰنا یعقوب چرخی جن پر افغانوں کو فخر ہے اپنی تفسیر میں موجودہ زمانے کے حکما کی تائید شدید طریقے سے کرتے ہیں۔ اور یونانیوں کی تردید۔ کل فی فلك یسبحون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز آسمان میں تیر رہی ہے نہ کہ آسمان حرکت کر رہا ہے۔ اس لئے یہ خیال کہ آسمان پھر رہا ہے غلط بلکہ قرآن کے دعوے کے خلاف ہے۔ کل فی فلك کے حروف بھی اسی کے موید ہیں کیونکہ ان کو پھراؤ تو یکساں پڑھے جاتے ہیں یعنی ہر چیز کی گردش کے ساتھ اس آیت کے حرف بھی اپنے معنوں کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ ک ل ف ی ۔ ف ل ک ۔

اگر کوئی اس آسمانِ نیلگوں کو حدِ نظر کہے تو عیب نہیں کیونکہ ایک وسیع میدان میں جو دو سربلند پہاڑوں سے گھرا ہو دیکھا جاتا ہے کہ یہی نیلا گنبد زمین تک پہنچتا ہے حالانکہ پہاڑوں کی دیوار اس سے پرے واقع ہے۔ نیز اونچے پہاڑوں پر چڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی چوٹی سے نیچے بادل مینہ برساتے ہیں۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ انزلنا من السماء ماءً میں سما بلندی کو کہا گیا ہے لیکن ویسے مسلمان بلکہ کوئی بھی معقول انسان آسمانوں کی موجودگی سے منکر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس غیر متناہی عرصۂ مکان میں سات کیا سات کروڑ آسمان بھی ممکن ہے کہ موجود ہوں۔ عرش بھی ان پر حاوی ہے اور اس کی وسعت کا کوئی ٹھکانا نہیں مگر یہ بھی بڑی اور چھوٹی چیزوں کی مانند جن کا ذکر کیا گیا ذو معنی بات ہے ؎

اتحسب انك جرم صغیر ❊ وفیك انطوی العالم الاکبر

بقولِ علیؓ انسان میں ہی سارا جہان سمایا ہوا ہے اور اسی میں اشارہ ہے قلب المومن عرش اللہ مگر یہ امور بحث سے خارج ہیں اور میں انہی مذکورہ جوابات پر اکتفا کرتا ہوں۔

طالب علم نے پھر گفتگو کرنیکا ارادہ کیا مگر حضار نے اس کا مبلغ علم جانچ لیا تھا اس لئے شور و غوغا کر کے اس کو بات کرنے کا موقعہ نہ دیا ؎

تا شود بر مدعی خویش غالب در سخن ۔ مدعائے اہل علم از قیل و قال انیست و بس

اکرم اس کو اپنے گھر لے گیا اور طعام دیا۔ اس دن عصر کے وقت پھر اپنے ساتھ بزکشی کے میدان میں پہنچایا تاکہ مزید رزم بزم کا تماشا دیکھ لے۔ پہلے ایک بکری ذبح کی گئی۔ جس کو میدان کے بیچ میں رکھ کر بیس پچیس سواروں نے نیزوں کے ساتھ اس پر حملہ کیا۔ ایک نے اسے نیزے سے اٹھا کر گھوڑے کی زین پر دھر لیا اور اسے لے بھاگا۔ باقی سواروں نے اس کا تعاقب کیا۔ ایک دوسرے نے بکری کو چھین کر گھوڑا سرپٹ اڑایا اور اسی طرح آٹھ دس میل کا مسافہ طے کر کے آخر ایک بکری کو جیت لے گیا۔

اس کے بعد قطار میں دنبے اور بھیڑیں کھڑی کی گئیں اور سواروں نے تلواریں سونت کر گھوڑے دوڑائے۔ کسی کا وار خالی جاتا تو تماشا بینوں میں ہنسی کا تل بچتا کیونکہ اس کی تکبیر رائیگاں جاتی۔ اگر کوئی پوری طرح ذبح کر جاتا تو تکبیر کی آواز

سے اس کو شاباش ملتی۔ اگر کوئی گردن ہی جدا کر دیتا تو اس کی سزا یہ تھی کہ بھیڑ کو اٹھا کر سکھوں کے حوالے کرے جو علاوہ اس کھیل میں شریک ہونے کے بہت سے تماشا بھی دیکھ رہے تھے۔ اگر سکھ سوار گردن اڑا دیتا تو یہ اس کی جیت تھی اور اگر آدھی باقی چھوڑ دے تو وہ بھی اسے اٹھا کر مسلمانوں کو سونپتا اور یوں مبادلہ ہو جاتا۔ معمولی گھوڑ دوڑ بھی ہوتی اور اس میں سبقت لے جانیکا یہ نشان تھا کہ تین تھیلیاں ایک میل دور اونچی جگہ پر ایک دوسرے کے پیچھے رکھی جاتیں۔ پہلی میں سونے کے دوسری میں چاندی کے اور تیسری میں چاندی اور تانبے کے سکے ہوتے۔ اکرم نے پہلی کو اٹھایا اور طالب علم کو لا کر انعام دیا یہ کہکر کہ خاطر جمع رہو۔ بخاری شریف میں یہ جوا حرام نہیں ہے۔

اس کے بعد اکرم چوب بازوں کے اکھاڑے کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے ایک جوان گتکہ ہاتھ میں لئے آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ آغا۔ ہر وقت گھوڑا ران تلے نہیں ہوتا اور نیزہ و تلوار بھی پاس نہ ہو تو پھر یہی سوٹا اور غلوٹہ ہی کام آتا ہے ایک پہلوان بولا کہ اگر لکڑی بھی ہاتھ میں نہ ہو تو پھر کیا کرو گے۔ آخر یہی کشتی جو شیر خدا کا کرتب ہے سب سے اچھی رہیگی اکرم نے ایک ہنر ہندوستان میں اور دوسرا ترکستان میں سیکھا تھا جو کابل سے بہتر ثابت ہوا۔ اکرم نے چنانچہ گتکہ لیا اور ڈھال کو پرے پھینک دیا۔ حریف خوش ہوا۔ اکرم نے لکڑی کے سرے پر کوئلے کی سیاہی ملی اور بایاں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے رکھ کر مقابلہ شروع کیا اور مقابل کے ماتھے پر سیاہی لگا دی۔ لوگ ہنسے مگر اس نے جھٹ آستین سے پونچھکر حملہ کیا۔ اکرم نے اس کی ضربیں خالی دیں یا اپنے گتکے پر لیں۔ تھوڑی دیر میں گتکہ اس کے پنجے پر چبھو دیا۔ جس سے وہ کھلا اور اکرم نے لکڑی اس کے ہاتھ سے کھینچ لی اور لا کر اس کے خلیفے کے سامنے رکھ دی۔

اب ایک پہلوان میدان میں اترا۔ اکرم نے اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور اس کا ہاتھ ایسا ملا کر وہ چلا اٹھا "یہ پہلوانی ہے یا دست شکنی؟ میں اس فن رستمی سے باز آیا بشرطیکہ کسب کے قابل رہا ہوں" جب وہ بیٹھ کر قطان کے تیل کی مالش کرنے لگا تو ایک اور نکلا اور اپنے رفیق کا بدلہ نکالنے کے لئے بولا کہ تم بھی دریغ نہ کرنا اور میں بھی کسی داؤ سے نہ چوکونگا۔ اور بدتر انتقام لے کر چھوڑونگا۔ دونو نے باہیں ایک دوسرے کی گردن میں ڈالدیں۔ جب اس کا بایاں بازو سیدھا ہوا تو اکرم نے اسے مضبوط پکڑ کر کہ جھک نہ جائے اپنی دائیں کہنی اس زور سے اس پر ماری کہ اگر وہ چیخ مار کر چت نہ گر پڑتا تو اس کی بانہہ ٹوٹ گئی تھی۔

اکرم ان دونو اکھاڑے والوں کو بھیڑیں جو اس نے جیتی تھیں بخشش دے کر جنگ مصنوعی میں جا شریک ہوا۔ جہاں جرنیل یوسف اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مصلحتاً ایک دن کے لئے ہندو بن کر سرخ اور سیاہ مناروں کی حفاظت کر رہا تھا جو کابل کے نزدیک پہاڑوں میں قدیم زمانے کی یاد دلا رہے ہیں۔ وہ اور اس کی سپاہ رات کو مزے سے سو رہے ہیں تاکہ پو پھٹتے اکرم کی فوج کی مدافعت کر سکیں مگر اس نے صبح کاذب ہوتے پہلے سرخ منار فتح کر لیا جو پہاڑ

کے نیچے ہے اور یوسف کی فوج نے بندوقیں حوالے کر دیں۔ اس نے وہاں سے تار کا سلسلہ قائم کر رکھا تھا جو اکرم کے ہاتھ آیا اور اس کے ذریعے اوپر اطلاع دی کہ ایک ضروری خبر پہنچانے کے لئے پانچ سوار آتے ہیں۔ انہوں نے پہنچکر اندھیرے میں یوسف کے دربانوں کو گرفتار کر لیا۔ اکرم نے خیمے کے اندر جاکر حریف کو سوتے پایا اور ایک خط لکھ کر اس کے تکیے پر چھوڑا جس میں لکھا تھا کہ داؤد نے طالوت کو نیند میں پاکر ایک پرزہ رکھدیا تھا اور ان کے بعد حسن صباح کے قتال قاصد تو فخر رازی اور شاہ سلجوقی کے ساتھ ایسے بہت سے سلوک کر چکے ہیں۔ یوسف نے جاگ کر یہ خط پڑھا تو اپنی ہار مان گیا مگر پھر بھی تلافی کے لئے وہ ایک چور دروازے سے باہر نکلا کیونکہ خیمہ کے گرد دشمن کے پہرہ دار کھڑے تھے۔ پہاڑ پر چڑھ کر دیکھا کہ تمام راستے میں اکرم کے سپاہی جابجا متعین ہیں مگر ایک طرف خالی ہے۔ یوسف نے اپنے خاصہ سپاہیوں کو اکرم کے پاس بھیجا کہ تمہارے شبخون میں یہ رخنہ تھا۔ جب وہ پیغام لے کر گئے تو وہیں ٹھیر لئے گئے۔ یوسف نے گھبرا کر پانچ اور سپاہیوں کو بھیجا اور وہ بھی گرفتار ہو گئے۔ جب صبح روشن ہوئی تو اکرم مع فوج کے یوسف کی طرف بڑھا اور اس کو آگاہ کیا کہ غنیم کی غلطی بتانا بھی غلطی ہے۔ یوسف نے شرمسار ہو کر اپنی خطا کا اعتراف کیا اور ناشتا پیش کیا جس کے اثنا میں لڑائی کی باریکیوں پر گفتگو ہو کر آخر مناروں پر بحث ہوئی۔

یوسف۔ آپ نے زید اسامہ کی طرح جوانی میں حربی مہارت دکھائی۔

اکرم۔ معاذاللہ اصحاب کرام کا رتبہ بہت اونچا ہے۔ میں تو شاہ محمود کی پیروی کا داعی ہوں جو افغانوں میں سکندر یونانی کی حیثیت رکھتا ہے۔

یوسف۔ سکندر نے شباب میں اس علاقے پر تصرف کیا تھا

اکرم۔ کہتے ہیں کہ یہ منارے اسی کی تعمیر ہیں اور یہ راستے میں میلوں کے ستون تھے

یوسف۔ روایت بے درایت بے معنی چیز ہے۔ اول تو یہ ایک دوسرے کے بہت نزدیک ہیں ایک تو پوشیدہ جگہ ہے البتہ دوسرا میلوں سے دکھائی دیتا ہے مگر وہ معابد کی شکل رکھتے ہیں۔

اکرم۔ اسلام سے پہلے ساسانیوں، کیانیوں اور یونانیوں وغیرہ کے عہدوں کے مابین کابل میں ہندوؤں کی سکونت و حکومت تھی۔ ابتدا میں وہ چار بتوں کی پرستش کرتے تھے اور گویا ان کی عاجزی و بےکسی سے روگرداں ہو کر ایک پانچویں معبود کو ملاکر تازہ دم اس کی پوجا میں سرگرم ہوئے۔ یہ شو تھا اور ان کے عقیدے میں یہی خالق باری یا والد ہے اور سب انسان اس کے حکم سے یا اسی سے متولد ہوئے۔ فی الحقیقت ان کی مراد آدم سے تھی لیکن ان کے اوہام میں اور جرأت ہوئی اور وہ اس چیز کی طرف جھکے جو تناسل کا ذریعہ ہے اور اپنے مندروں میں اسی کی شکل بناکر اولاد کے حصول کے لئے اس کو نذر و نیاز چڑھانے لگے۔ کابل کے نواح میں اسی صورت کے منارے کھڑے کئے گئے اور کسی بڑے مہاراجے نے شاید وارث کی احتیاج پورا کرنے کی نیت سے چکری کے بڑے منار کو تعمیر کیا۔ اس سے نچلے علاقے کو شو کی کہتے ہیں۔ اور اس سے کیسے

قیاس کی تصدیق ہوتی ہے۔ لوگ اسے فرزوٹ کی وہ چیز بتاتے ہیں جو ہندو شو کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ وہ بتخانہ جوان مناروں کے درمیان منہدم حالت میں قائم ہے۔ ہندی عمارات کی طرف انگشت نمائی کرتا ہے اور منارونکے نقش اور ساخت مع ہاروں اور مالا کے جو پتھروں سے تراشی ہوئی ہیں ہندو معماروں کا پتہ دیتی ہیں۔

یوسف ۔ آپ کا خیال بجا ہے اور غیر معقول نہیں ہے مگر چکری منار نام اور اس کے دوسری طرف چکری گاؤں کا واقع ہونا اس رائے کی تقویت ہے کہ یہ بدھا کے آثار میں سے ہے۔ کیونکہ بدھ مت کے پیرو اب تک اپنی عبادت میں چکر کو استعمال کرتے ہیں جو دائرۂ تناسخ کی علامت ہے۔ اگرچہ شو کو بھی بعد میں جب ہندو دھرم اور بدھ مت مل جل گئے تو شامل کر لیا گیا۔ مگر شو کی کا نام ایک اور لفظ کا بھی بگاڑ ہو سکتا ہے۔ فارسی میں نشیب ہے اور عام محاورے میں اسے شیو کہتے ہیں۔ چونکہ دریائے لوگر یہاں سے نشیب کی وجہ سے گذرتا ہے اس گاؤں کا نام شیو کی ہو گیا۔ جیسا کہ لوگر کے اوپر کے علاقے کو جہاں سے یہ دریا آتا ہے فارسی حرف بر کے اشتمال سے برکی برک اور برکی لاجان کہتے ہیں۔ مگر یہ میرا خیال بھی رد ہو جاتا ہے کیونکہ کابل کی دوسری جانب بھی پنچی ہے اور اسے بھی برکی کہتے ہیں۔ ممکن ہے برک نامی کسی شخص نے یہ گاؤں آباد کیا ہو۔ جیسا بھی عام طور پر مشہور ہے۔

اکرم ۔ برک عرب میں اونٹ کے بیٹھنے کو کہتے ہیں اور اسی سے برکت کا کلمہ مشتق ہوا ہے اور اسی سے کئی نام بھی رکھے گئے ہیں۔ پھر ہزارہ جات میں برک ایک گرم کپڑا ہے جو اونٹ کے بالوں سے تیار ہوتا ہے۔

یوسف ۔ کلات کی تاریخ عمارات کی تاریخ سے زیادہ دلچسپ اور نیز زیادہ مستحکم ہے۔ یہی بالا حصار اور کابل کی فصیل اپنی قدیم شان و آن کو چھوڑ کر اب صرف قصوں میں باقی رہ گئی ہے اور وہ بھی محض الفاظ سے ادا ہوتے ہیں کتابوں میں ان کا ذکر کم ہے ؎

حصار مار پیچش اژدہائے گنج را مانند ۔ کہ مے ارزد بگنج شایگاں ہر خشت دیوارش

فی الواقعہ کابل ایک خزانہ تھا۔ جس کی نگرانی کے لئے یہ اژدہا پہاڑوں پر چاروں طرف بل کھائے کھڑا تھا۔ اور اب بھی لیٹا ہوا ہے۔ نیل یہاں نہیں ہوتا اور ایک زمانے میں کروڑوں روپیوں کی تجارت اسی نیل کی یہاں ہوتی تھی۔ اسی سے دیگر صنعت و حرفت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اکرم ۔ یہ عہد لیث خاندان کا تھا۔ جس کا ایک بادشاہ میدان میں لشکر کا معائنہ کرتا گھوڑے سے روتا روتا گر پڑا اس حسرت سے اگر یہ فوج میرے پاس کربلا میں ہوتی تو اہل بیت کی حفاظت کر سکتا۔ اس دیوار کی تعمیر اسی خاندان سے منسوب کی جاتی ہے۔

یوسف ۔ ممکن ہے انھوں نے مرمت کرائی ہو جیسے بعد میں جہانگیر کے وقت میں بھی ہوئی تھی۔ اس کی ابتدا ہندوؤں

کے زمانے میں ہوئی۔ اور ایک حکایت ہے کہ شہر کے تمام لوگ جبراً بیگار میں کام کرتے تھے اور ذراسی کاہلی پر مارے جاتے اور زندہ ہی دیوار میں چنے جاتے تھے۔ بادشاہ خود ہر وقت چکر لگاتا اور کسی کو بیکار نہ رہنے دیتا۔ ایک دلہا بھی کام کرتا تھا اور دلہن گھر میں اکیلی تھی۔ وہ بھی مردانہ لباس میں آپہنچی اور جب بادشاہ نزدیک آیا تو اسے مار کر چند ے لوگوں کو بیگار سے چھڑا لیا۔ اگر بادشاہ ظلم کرے تو یہ انجام ہوتا ہے اور اگر رحم کرے تو لوگ کام نہیں کرتے۔ بلکہ سرکش ہو جاتے ہیں اسی لئے عدل لازم اور اس کے ساتھ احسان ملزوم ہونا چاہئے۔

ہم۔ آپ کے مشوروں اور خدمات سے متوقع ہے کہ حکومت عادلانہ روش سے رعایا کو مطیع و خیر خواہ بنائے رکھے گی اور آپ جیسے محسن جوانمرد اپنی خدمات و مساعی سے عہد سلف کا اعادہ کر دکھائینگے۔ ان کا قلمبند کرنا ہمارے ذمے۔

اکرم نے تشکر کی گردن خم کرکے کہا کہ کابل میں دخترِ ہمسایہ کو زال اور ہندوستان میں گھر کی مرغی کو دال کے برابر سمجھتے ہیں۔ نہ کوئی ہمارے کردار پر تحسین کریگا اور نہ آپ کی گفتار پر آفرین کہے گا۔ مگر ہماری غرض صرف کام سے ہے۔ ہم نے کہا کہ ہمارا مطلب فقط کام سے ہے ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس - دربند آں مباش کہ نشنید یا شنید

ضیافتِ شاہانہ

امیر کبیر ارکان دربار خوانین سرداران مشائخ و سادات کی معیت میں اکرم کو میزبانی کا فخر بخشنے گئے۔ ان کے بڑے بھائی سردار کہندلخاں قندھار سے مع ملاکدو کے تشریف فرما ہوئے۔ امیر کبیر کے سر پر سفید پگڑی تھی اور کندھوں پر کوئے ڈالا تھا۔ جو ایک سفید موٹے گرم کپڑے کا چغا ہوتا ہے۔ سردار قندھار آتے ہوئے غزنی کے ایک اندڑ قوم کے خان کو ملاکدو کی خاطر ساتھ لیتے آئے تھے۔ ملاکدو گلجان کا آشنا تھا۔ اور وہ اسے اپنے محاورے میں مچلا کہا کرتا تھا جیسے پنجاب میں جاٹ اور غدا کی ضرب المثل پر بولتے ہیں۔ جب مجلس قائم ہوگئی تو وزیر اکبر خاں نے اپنے خسر محمد امین خاں برکی کے خاندان کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ لوگ پلاؤ کے سوا باقی سالنوں وغیرہ کو گوہ گند کہتے ہیں۔ یہ تو ایک غلیظ استعارہ ہے مگر ضیافتِ طبع کے لئے کوئی لطیف یا کثیف گفتگو مناسب ہے۔ اس سے جسارت پا کر گلجان نے ملاکدو کو ایما کیا۔ اور اس کو ضرورت ہی نہیں تھی فوراً بات چھیڑ دی۔

ملاکدو۔ عموماً ملاؤں کا خط اچھا نہیں ہوتا یعنی اچھا سمجھا نہیں جاتا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کاتب کے بعد مرورِ زماں سے خوشخطی ظاہر ہوتی ہے۔ میرا خط میر عماد کو مات کر دے گا مگر میں جلدی مرنا نہیں چاہتا۔ میرا ارادہ ہے کہ اپنی قلم مبارک سے اندڑ کے خانصاحب کے لئے قرآن مجید لکھ جاؤں اور چونکہ اس زمانے میں اکثر قرآن غلط لکھے گئے

ہیں ساتھ ہی یہ اصلاح بھی کردوں۔ مثلاً:۔

انڈڑ اور ترکے دو قومیں ہیں اور اظہر من الشمس ہے کہ انڈڑ جو ہمارے خان کی قوم ہے تکاثر میں ترکے سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر الم ترکیف کیونکر صحیح ہوا؟ چاہئے عالم انڈڑ کیونکہ جہان انڈڑ سے بھرا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں شیطان کا ذکر کئی مقامات پر ہوا ہے اور اسیطرح فرعون اور ہامان وغیرہ کا جو سب ہی مردود ملعون اور ناپاک تھے۔ مقدس کلام میں ایسے گندے ناموں کا ہونا کیسے مناسب ہے میں ان سب کا نام نکال دونگا اور ان کی بجائے شیطان کی جگہ خانصاحب کا نام درج کرونگا اور فرعون وہامان وغیرہ کی بجائے ان کے بھائی بندوں کے نام لکھونگا۔

آیت ہے فعصےٰ آدم ربہ اب دیکھئے کہ عصا کا تعلق موسےٰؑ کے ساتھ تھا نہ کہ آدمؑ کے ساتھ۔ میں ٹھیک ٹھیک لکھ دونگا۔

اسی طرح آیت ہے فعصےٰ فرعون الرسول نہ تو عصا فرعون کے پاس تھا اور نہ فرعون رسول ہی تھا۔ پھر تطبیق کیسے ہو۔ میں موسےٰؑ کو لکھ کر مسئلہ حل کرونگا۔

علےٰ ہذا القیاس فخر موسیٰ صعقاً ۔

خر عیسےٰ اگر بمکہ رود - چوں بگردد ہنوز خر باشد

سب جانتے ہیں کہ خر کا تعلق موسےٰؑ کے ساتھ نہیں تھا اس لئے میں وہاں عیسےٰ ترقیم کرونگا۔

خانصاحب اس سلسلۂ مزخرفات سے بہت محظوظ ہوا اور ملاکدو کی خدمت میں التجا کی کہ ضرور جلدی ایسا قرآن مجید اسکیلئے تیار کرے۔ آخند موسیٰ نے ملا اور خان دونو کو ڈانٹا اور متانت سے سمجھایا کہ جد اور ہزل دونو لازم و ملزوم ہیں۔ مگر کلام الٰہی جد ہے اور باقی دینوی کتابوں اور کلاموں میں ایک جزو ہزل کا ہے۔ ان دونو کو علیحدہ رکھنا چاہئے۔ دینی امور پر استہزا کرنا کسی صورت میں بھی روا نہیں۔

اکرم۔ چونکہ تعلیم کے اثنا میں طلبہ لاابالی اور بے پروائی کی عادات سیکھ لیتے ہیں۔ انہی باتوں کا اثر ان کی مذہبی گفتگو میں سرایت پاکر ان کو بیہودہ مذاکرات کا مرتکب بناتا ہے۔ اسی لئے پشتو کی ضرب المثل ہے کہ بھنگی اور چرسی بھی ملا سے بہتر ہیں۔ ہمارے خان تو انہی مثالوں سے متاثر ہو کر تعلیم ہی سے بے بہرہ رہتے ہیں ورنہ وہ بہتر ثابت ہوتے کیونکہ ان کی استطاعت ان کو اس دنایت وخست سے محفوظ رکھ سکتی ہے جس میں مفلس اور نادار طالب علم ناچار ملوث ہو جاتے ہیں۔ مسجدوں میں رہ کر گدائی پر گذارہ کرتے ہیں اور محلے کے لوگ جو خیرات کرتے ہیں۔ اس سے ان کی طبائع میں پستی اور کمینگی کا بیج جڑ پکڑ کر طمع اور مفت خوری کا پھل دیتا ہے۔

سردار غلام محمد طرزی ۔ آخند صاحب موسیٰ خود زمیندار ہیں اور آپ کا بیٹا بھی ایک مالدار شخص کا فرزند ہے۔ ذرا دیکھیں کہ آخند صاسب سے کیسی تعلیم پا رہا ہے۔

وجید گلستاں بغل میں دبائے حاضر ہوا اور امیر صاحب کو سلام کہ کر کھڑا ہو گیا۔

سردار طرزی ۔

حاجت بتماشائے چمن ماند نہ دیگر ۔ چوں در بغلِ طفل گلستاں دیدم

وجید ۔ امیر صاحب میری گستاخی معاف فرمائیں گے۔ شیخ سعدی نے کہا ہے۔ خطائے بزرگان گرفتن خطاست ۔ چونکہ سردار صاحب جد او ہزل کو ملاتے ہیں جو خطا ہے اس لئے اس کا اظہار میرے لئے بھی خطا ہے ۔ اسیطرح سعدی بزرگ ہیں ان کی خطائیں پکڑنا بھی خطا ہوگا۔

سردار طرزی ۔ لڑکے! میں نے کیا قصور کیا اور سعدی نے کیا؟

وجید ۔ آخند صاحب نے ہم کو پنج کتاب سے محمود نامہ نہیں پڑھایا اور خواجہ حافظ کو بھی چھونے نہیں دیا مگر کبھی سنی سنائی بات جوان کتابوں کی کان میں پڑ جاتی ہے ان کے دو معنے ہوتے ہیں ایک تو ہماری سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ پختہ سال آدمیوں کے فہم کے مطابق ہیں اور دوسرا مطلب جہاں تک میں سمجھتا ہوں شائستہ نہیں ہوتا۔ اسیطرح سردار صاحب کا شعر ذو معنیین ہے جس کو سننا میری غیرت گوارا نہیں کرسکتی ۔ ہم گلستاں میں سے اس کا پانچواں باب تو پڑھتے ہی نہیں اور بہت سی چیزیں ہیں جس کو پڑھتے ہوئے ایک مسلمان کانپ اٹھتا ہے۔ علاوہ فحش باتوں کے اور امور بھی ہیں جن کے ساتھ ایک معقول اور آزاد شخص اتفاق نہیں کرسکتا۔

سردار طرزی ۔ لڑکے تم نے تو ہمیں نیا سبق سکھایا۔ آخند صاحب کی تعلیم اور اکرم خاں کی تربیت سے بڑھ کر مجھے انگریزی رگ کی تاثیر معلوم ہوتی ہے جو تم سے یہ عجیب گفتگو کرا رہی ہے۔ ذرا گلستاں پر اپنی تنقید تو بیان کرو۔ کیونکہ یہاں تو چھوٹے منہ سے بڑی بات کی ترشح ہو رہی ہے۔

وجید ۔ اگر شاہ روز را گوید شب است ایں ۔ بباید گفت اینک ماہ و پروین

دوسرے مصرعے کے بدلے سعدی جیسے مصلح الدین کو کہنا چاہئے تھا کہ سورج تردید کرتا ہے اور اگر تائید کی ضرورت ہے تو چمگادڑ سے حاصل ہو سکتی ہے ع بگو خورشید باشد شپرک کو؟

ہر عیب کہ سلطان بپسند د ہنر است ۔ خوش بختی سے ہمارا بادشاہ ہنر کو ہی پسند فرماتا ہے۔ مگر عیب کو ترجیح دے کر جھوٹ کو سچ بتائے اور اسیطرح جرأت پاتے پاتے کفر کو ایمان کے برابر جانے تو اسکے ساتھ کیسے مطابقت ہو سکتی ہے؟ ہارون رشید نے ایک خیالی انتقام سے کہ مصر کی سلطنت کے بل پر فرعون نے دعوائے خدائی کیا تھا۔ وہاں کی حکومت

ایک ایسے احمق کے سپرد کی جو روئی اور اون میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ سعدی نے اس تقرر کی مذمت نہیں کی حالانکہ ایک بے وقوف حاکم نے رعایا کو کسقدر نقصان جان و مال پہنچایا ہوگا۔

وزیر اکبر خاں۔ شاباش۔ فرزند۔ تمہاری رائے بہت اونچی اور ٹھیک ہے مگر میں تمہیں ایک سبق دیتا ہوں جس کی صحت کو بڑی عمر میں پہچانو گے۔ سعدی نے سعد بادشاہ کے نام پر گلستاں وغیرہ لکھیں اور یہ باتیں بتا کر کہ سلطان کی رائے سے مخالفت خود کشی ہے وہ کبھی سلام پر بگڑتے ہیں اور دشنام پر انعام دیتے ہیں۔ فی الحقیقت بادشاہوں کو نصیحت ہے کہ وہ ایسا استبداد اور جبر نہ کریں اور اگر کسی پیرائے میں یہ وعظت نہ کی جاتی تو اس کا امکان ہی نہیں تھا۔ کتاب ہی شائع نہ ہو سکتی۔ باقی رہے اور لوگ سو ان کو بھی آگاہ کیا گیا کہ آزاد رائے میں یہ خطرات ہیں۔ جن کو جوانمرد البتہ برداشت کرتے نہیں چوکتے۔

قاضی۔ میں نے تو کوئی کتاب بھی نہیں پڑھی مگر انڈڑ کے خانصاحب سے اس میں فضیلت رکھتا ہوں کہ گلستاں کے بعض شعر سنے اور سمجھے ہیں ؎

بنی آدم سرشت خاک دارد ۔ اگر خاکی نباشد آدمی نیست

اس لحاظ سے بھی بچوں کو بزرگوں کا ادب کرنا چاہئے۔ وحید جاں! اس بیت کا کیا مطلب ہے؟

وحید۔ اس شعر سے نکل آئیگا ؎

قاضئ شہر کہ مردم ملکش میخوانند ۔ رائے من نیز ہمیں است کہ او آدم نیست

جناب قاضی صاحب! آپ کو سعدی نے سب سے زیادہ ممتاز و مستثنےٰ قرار دیا ہے۔ ہمہ کس را دندان بہ ترشی کند شود اما قاضی را کہ بہ شیرینی۔

قاضی۔ اس میں کیا شک ہے۔ اگر کسی ملزم کو میرے پاس لاتے ہیں تو اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھتا ہوں۔ اگر دھڑکے تو مجرم ورنہ تراں خشکی سے فیصلہ کرتا ہوں یعنی ٹھیکری کی ایک طرف تر کر کے اوپر پھینکتا ہوں اور مدعی و مدعا علیہ گیلا اور خشک حصہ چن لیتے ہیں جس کا انتخاب صحیح نکلا وہی جیت گیا۔ پھر بھی اگر ہارا ہوا شیرینی پیش کرے۔ تو وہ سب پر غالب۔

وزیر ؎ گر این مکتب است و این ملا ۔ کار طفلاں خراب مے بینم

قاضی ظرافت سے نہیں بلکہ صداقت سے اپنا حال بتا رہا ہے۔ اس نے قضا کے لئے درخواست نہیں کی تھی بلکہ ہمیں نے اس کو اپنے علاقے کا معزز آدمی دیکھ کر اس عہدے پر مقرر کیا۔ چونکہ ملک میں تعلیم نہیں ہے اس بہتر شخص دستیاب بھی نہیں ہوتا تھا۔ گمان تھا کہ خاندانی مقدرت کی وجہ سے اس طمع سے مافوق ہوگا جو مسجد کے طالبوں میں ہوتی ہے مگر وہ اس

کے اعتراف سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔

امیر صاحب کا مزاج وحید کی زباں درازی سے درہم ہو رہا تھا۔ رہا سہا قاضی نے برہم کر دیا۔ بچے نے اسے محسوس کر کے مضمون کو پلٹا ؎

از ورقہائے گلستاں جستجو کردہ بجاں - بہر سعد جاودان بر وسع دامن گلستاں

سردار طرزی نے بھی تاڑ کر جلدی سے کہا کہ کانٹوں کو الگ کر کے گلستاں کا کوئی پھول بھی تو توڑ دو۔

وحید۔ سرِ مار بدشمن کوب یعنی روس کو انگریز کے ہاتھوں مرواؤ کہ جو بھی مرا سودِ اسلام ہے۔ پہلے ہم چچازادوں کو ایک دوسرے کے ذریعے ہلاک کرواتے تھے ؎

نبود ابن عمم چرخ پیر آخر - کہ درپئے آزار من ہمیگردد

اب حکومتِ متبوع کی ہدایات سے ہم ذی القربےٰ کے حقوق کو جان گئے ہیں۔ بلکہ وطن کے سنی اور شیعہ کو بھی مساوی سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اور دوست اور بھائی مانتے ہیں۔

تصور حسین۔ گذشتہ را صلوٰۃ کہکر ہم گذری ہوئی باتوں کو صرف مطائبے میں یاد کرتے ہیں۔ خافیہ محلے کے لوگ میر واعظ صاحب کو اب اپنا بزرگ جانتے ہیں حالانکہ ہم میں سے ایک نے کہا تھا ؎

در کربلا ہر آنچہ کہ ابنِ زیاد کرد - واعظ بخانی آمدو چیزے زیاد کرد

سردار طرزی۔ یہ میر صاحب کے قول وفعل کے جواب میں کہا گیا ہے۔ آغا وہ رباعی کیسی لطیف تھی ذرا دہرائیے تو۔

میر واعظ ؎ ماہ رمضان آمد نے صاف نہ دُرد - رنگ از رخِ ما گرسنگی خواہد برد

درخانۂ ما خوردنی چیزے نیست - اے روزہ میا ورنہ ترا خواہم خورد

وزیر۔ اس کا انکار نہیں کرتے کہ قبلہ امیر صاحب نے پانچ ہزار روپے کو یہ اشعار خریدے تھے ؟

میر واعظ۔ مگر قیمت پوری نہیں ملی تھی۔ منجملہ ایک ہزار خزانہ دار نے اپنے روزوں کے لئے رکھ لئے۔ چار ہزار کی برات دی۔ مگر اکثر بر سر شاخِ آہو۔ ابھی تک دو ہزار بھی وصول نہیں ہوا۔

سردار کاکہ۔ میر صاحب کو تو اتنے بھی مل گئے اور ہرات کے سردار اور قندھار کے سردار اور غزنی کے سردار اور ترکستان کے سردار اور کابل کے سردار سب کھا پی گئے میں نے کبھی عرض نہ کی کیونکہ شرم آتی تھی کہ اپنی خالص خدمات کو روپے کے عوض بیچوں۔ تنگدست ہو کر میں ارادہ کیا کہ کسی کے وسیلے سے امیر صاحب تک اپنی ضرورت پہنچاؤں مگر اس میں بھی میں نے اپنے خاندان کی کسرِ شان سمجھی۔ لہٰذا اب خود ہی کہنا پڑا۔

امیر۔ فی الواقع تمہارا حق بہت ہے مگر تمہارے مرغوں کبوتروں اور کتوں کا شاید نہیں۔

اس اثناء میں گلچان نے شیر چائے پیش کرتے کہا۔ کہ ملائی چائے دیہی کی ہے۔ جس میں جان نثار خاں کی قوم چاپونوں کا آٹا ملا دیتی ہے (جان نثار خاں مغلوں کے زمانے میں ایک وزیر گزرا ہے۔ جسکا تخت باغ بابر کے پہاڑ پر تھا۔ اور اب تک اسکی جگہ دکھائی دیتی ہے) سردار کاکہ نے کہا۔ کہ جان نثار خاں کو حلال روزی کافی نہیں ملتی ہوگی۔ جبھی ناجائز آمیزش شروع کر دی جو بعد میں بھی جاری رہی۔ خیر ہے۔ شیر چائے بھی ہوگی۔ اور فیرنی بھی۔ خوب ہے کہ مکئی کا آٹا نہیں ملایا جو عوام کے لئے ملا کر دیا جاتا ہے

امیر صاحب اور ان کے ارکان دربار شیر چائے میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ ہے تو مزے دار مگر حضرت بھی رکھتی ہے۔ یہ خیال جرنیل یوسف نے اکثر اصحاب کے ذہن نشین کر دیا تھا۔ کہ ملائی میں چربی ہوتی ہے۔ اور سوڈا جو ملائی والی چائے میں ملایا جاتا ہے، صابون کی کیفیت پیدا کر کے البتہ نقصان پہنچاتا ہے۔ ویسے کابل چونکہ بڑے بڑے سلاطین اور حکام کا دارالسلطنت رہا ہے اس لئے کھانے پینے کے بارے میں وہاں وہ نزاکتیں پائی جاتی ہیں جو دہلی اور لکھنؤ میں بھی نہیں دیکھی جاتیں۔ ایرانی اور ترکی اطعمہ کا مجموعہ البتہ بہتر ہونا چاہئے۔ پلاؤ کی متعدد اقسام کے ساتھ بیشک افغانی کھانے بھی ہوتے ہیں۔ جن کو قومی غذائیں سمجھ کر اہل دربار اور شرفا گاہے گاہے کھا تو لیتے ہیں مگر دیہات کے معزز لوگوں کی طرح نہیں۔

جرنیل یوسف۔ کھانے کی تہذیب مغرب اور مشرق میں یکساں حکم رکھتی ہے۔ یورپ کے اعلےٰ درجے کی شائستگی میں اغذیہ جو مفید اور لذیذ ہوں تناول تو کی جاتی ہیں مگر ان کے ذائقے اور حظ کی تعریف میں رطب اللسان ہونا منع ہے۔ اسی طرح لباس اور مکان وغیرہ آسائش و آرائش کو دربرتو کرتے ہیں مگر ان کی خوبی و زینت کی توصیف زیبا نہیں ہے اسی طرح جو امور انسان کی زندگی کے لئے لابد ہیں۔ مثلاً سب سے مقدم بقائے نوع کا طریقہ انکا اظہار تہذیب کے خلاف ہے حالانکہ ضرورت اور لذت ہیں ان سے بڑھ کر ہے۔ یہ تو مغرب کے علم النفس نے قاعدہ کلیہ بنا دیا اور اسلام میں اس کو تقوےٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ تناسل میں شہوت رانی کا خیال ہی خلافِ تقوےٰ ہے چہ جائیکہ اظہار۔ اسی طرح مکان پوشاک اور خوراک صرف تا فع زیست بسر کرنے کے لئے ہیں۔ اور ان میں عیش و عشرت کی نیت تقوےٰ کے اعتبار سے ناروا ہے اعتراف تو درکنار۔

جرنیل یوسف امیر صاحب کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے یہ باتیں کر رہا تھا مگر دور اسی تہذیب و تقوےٰ کی دھجیاں اڑ رہی تھیں۔ خانِ اندڑ نے لکڑی کی طشت سے ہرن کی نیم پختہ ران ثابت اٹھا کر جو منہ سے لگائی تو آدھی اندر گئی باقی ربڑ کی طرح لمبی ہو کر کچھ ہاتھ میں رہ گئی اور کچھ ہونٹوں پر جو ٹپکی تو چھینٹے آس پاس ٹپکے۔ ملا کدو نے چکور کے گوشت سے کھال اور ہڈیاں جدا کر کے پورے جانور کو چاپونوں میں لپیٹ کر ایک ہی نوالہ بنایا۔ پھر بٹیروں کے پلاؤ کی طرف رجوع کیا۔ تو مع چاولوں کے دو کا ایک لقمہ اڑایا اور ساتھ ہی کہا کہ ہیں تو مزیدار مگر ان کا شکار مکروہ ہے۔ کیونکہ ایک سے انسان

سیر نہیں ہو سکتا۔

گلجان ۔ اگر شکاری نے مکروہ کام کیا تو کھانے والے نے اس سے بدتر کیا۔

ملاکدو ۔ ہاں الابلا بگردنِ ملا۔

گلجان ۔ ملا صاحب۔ کھال اور ہڈیاں کیوں چھوڑ دیں۔

ملا ۔ تاکہ گستاخی نہ ہو۔ کیونکہ پرندوں کی کھال بادشاہی مذاق کے مطابق ہے اور ہما کا بھی خیال ہے۔ ہمارے لئے تو بھیڑ کی کھال مناسب ہے۔

دنبے والی بھیڑوں کے بال جلا کر کھال کو خشک کر لیتے ہیں۔ اور اسے برفوں کے موسم میں کھاتے ہیں جسے ہضم کرنا البتہ افغانوں ہی کا کام ہے۔ ایک تھال میں موٹے چاول رکھے ہیں جو پھول کر گنبد بن رہے ہیں۔ خان اندر جب ان کو دبا کر مٹھی میں بھرتا ہے تو بڑے سیب کے برابر منہ میں ڈالے جاتا ہے اور چانول پھر پھول کر ابھر آتے ہیں تو ان کی تعریف و توصیف ہوتی ہے۔

ابھی کھانے سے فراغت نہیں ہوئی تھی کہ باہر سے ایک شخص نے اندر آ کر لفافہ امیر صاحب کے ہاتھ میں دیا جس کو وہ پڑھتے ہی متغیر بے محابا اٹھا اور چہل قدمی کرنے لگا۔ کھانے کے کمرے نکل کر باغ میں ٹہلتے ٹہلتے دیوار کے پاس پہنچا جس کے اندر کی طرف پہلے بیٹھ تھا ایک سوراخ دیکھ کر حکم دیا کہ اسے کھودا جائے۔ بارود سے بھرا فتیلہ نکلتا آتا تھا جو آخر ایک گڑھے تک پہنچ گیا جو اس کمرے کے بیچ میں تھا جہاں امیر تشریف فرما تھا۔ وزیر اکبر خاں حقیقت سے فوراً آگاہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہو نہ ہو دشمنوں نے یہ کارستانی کی ہے بھلا اس خرافاتی سازش سے اکرم اور یوسف جیسے مخلصوں پر دھبا آ سکتا ہے۔ شیطان کو سوجھی تو بہت بری مگر اتنی ہی بھدی حرکت کی جس سے صریحاً شبہ ہوتا ہے۔

اکرم اور یوسف دنگ رہ کر خاموش تھے مگر امیر ضیافت سے بھی مکدر سا ہوا تھا اور اب بہت پریشان ہوا کہ اس واقعی سرنگ کا الزام سچے خدام پر کیسے ڈالے۔ اس تذبذب میں رخصت ہوا مگر علی الرغم وزیر اکبر خاں کی سفارش کے احتیاطاً امیر زادوں کو خانہ نشین کر کے ان پر پہرہ تعینات کر دیا۔ وزیر نے حرمسرائے میں امیر کو یہاں تک کہا آپ مجھ پر غداری کا گمان کر سکتے ہیں مگر اکرم اور یوسف پر شک کرنا کسی صورت میں بھی معقول نہیں ہو سکتا۔ امیر صاحب کو اس سے قبل شکائتیں پہنچ چکی تھیں جن کی اطلاع وزیر کو نہیں تھی۔ کیونکہ مدعی اس کو اپنا مخالف جانتے تھے۔ بدقسمتی سے وزیر اکبر خاں ایسا بیمار ہوا کہ آناً فاناً مرض بڑھ کر موت پر منتج ہوا۔ اب معاند کو میدان خالی نظر آیا تو ادھر ادھر کی تحریکات سے امیر کو آمادہ کیا کہ اکرم، یوسف، تصور حسین گلجان اور ان کے سب لواحقین کو فرار کا حکم دے۔ چنانچہ بادشاہی عتاب کی مصائب برداشت کرتے سرحدات میں پہنچ گئے۔

اکرم ۔ امیر محمد خاں بر کی قید میں مرتا ہے اور باوجودیکہ مجھ پر مروت اور رشتے کے حقوق تھے میں مجبوراً ادا نہ کر سکا۔ اس

کا داماد وزیر محمد اکبر خاں بھی فوت ہوجاتا ہے اور میرے ساتھ اس کا ملی اور شخصی تعلق تھا پھر بھی میں فاتحہ میں شریک نہ ہو سکا۔ زلزلے، بجلی یا وبا سے جیسے ایک گھرانا ہلاک ہوجاتا ہے ہماری وہی حالت ہے فی الحال کوئی صورت نہیں کہ زندہ رہیں۔ کیونکہ میرے نزدیک زندگی خدمت ملت ہے۔ جب میں نے کچھ کام نہ کیا تو آپ کو بھی آرام ملیگا جب لکھنے کو کچھ نہ ملا۔

ہم ۔ انسان ہر جگہ خدمت کر سکتا ہے ۔ ان ارضی واسعة فایای فاعبدون ۔

اکرم ۔ پہلے تو آپ کو یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ میرے سرحدی اور ہندی بھائیوں کو ہمارے جلاوطن ہونے کا سبب بتائیں تاکہ ہمارے کام کرنے کے لئے کچھ تو راہ صاف ہو۔

ہم ۔ سدوزائی خاندان کی بادشاہی کے انقراض پر ہرات میں وزیر یار محمد خاں نے خود مختاری کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اس کے بعد بھی الکوزائی حکمران مستقل رہا اور اپنے استحکام کے لئے ایران سے استعانت کرتا رہا۔ کیونکہ اس کو ہر وقت اندیشہ تھا کہ محمد زائی خاندان کی نئی سلطنت کابل سے اس پر حملہ آور ہوگی۔ کابل میں بھی قزلباش شیعہ فرقہ ایران کے ساتھ وابستہ تھا کیونکہ نادر شاہ افشار کے ساتھ آکر یہاں آباد ہوا تھا۔ اور اس واقعہ کو بہت مدت نہیں گذری تھی۔ وطنیت سابق اور شیعیت کے اشتراک سے ہرات کے پرے نظر پڑتی تھی اور جب ایران کی نظر عنایت ہرات پر تھی تو کابل کے اکثر شیعہ بھی حکومت ہرات کے ساتھ ہمدردی خیالی رکھتے تھے اور بعض عملاً بھی اظہار کرتے تھے جن کا طرز عمل نہایت عمیق اور مبغوض تھا۔ وہ تصور حسین اور اس کے قبیلے کے ساتھ بھی سخت عداوت کرتے تھے کیونکہ افغانی حکومت کی عقیدت میں اکرم کے سب رفقا حاق تھے۔ اسی طرح کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو انگریزوں کی مہربانیوں کو یاد کرکے جب موجودہ حکومت سے کوئی سختی دیکھتے تو ان کو واپس لانے کے آرزومند تھے اور اس میں اکرم وغیرہ کو حائل پاکر ان کی بیخکنی میں کوشاں رہتے۔

عوام کالانعام کی طاعت و گرویدگی کی ایک دو مثالیں سن لیجئے۔ سالنگ کابل کے کوہستان کا ایک علاقہ ہے۔ جو شاہراہ سے دور واقع ہوا ہے۔ ایک شخص شہر میں آیا اور وہاں سماوار میں چائے کو تیار ہوتے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ عجیب چیز کس نے بنائی ہے۔ جب جواب ملا کہ فرنگی نے تو کہنے لگا کہ ایسے لائق آدمیوں کو مار کر ملک سے باہر نکالنا غازیوں کی اچھی حرکت نہ تھی۔ دوسرے نے کہا تم کو ایک بڑی سماوار کی خبر نہیں ہے جو مسافروں کو گھروں میں بیٹھے کھینچ کر ایک شہر سے کوسوں دور لے جاتی ہے۔ وہ بھی فرنگی کی ہی بنائی ہوئی ہے۔ ایک اور پہاڑی بوڑھے نے جب دیاسلائی دیکھی تو یہ معلوم کرکے کہ فرنگیوں کی ساخت ہے۔ پھر افغانوں کو کوسنا شروع کیا کہ یہ ایسے کاریگروں کی قدر نہیں کرتے۔ بلکہ اکرم خیل کو پوچھتے ہیں۔ جنہوں نے ہم کو چقماق سے مستغنی نہ کیا۔

ان وجوہات کے علاوہ ذاتی بغض و عناد بھی محرک تھا جو کئی شکلوں میں پہلے بھی نمودار ہوچکا تھا۔ ایسے گروہ نے جن کا مقصد ایران اور انگریز کی خفیہ خدمت تھا۔ اور ضمناً اپنا الو بھی سیدھا کرتے تھے ایک جعلی کاغذ بنا کر اس پر اکرم وغیرہ

کے دستخط گھر ڈکران کا تعلق ایک طرف انگریزوں کے ساتھ اور دوسری جانب ایران کے ساتھ ثابت کرنا چاہا۔ پہلے بھی امیر کو زبانی شکایتوں سے متاثر کرچکے تھے۔ اور اسی بنا دتی مراسلے پر ان کو یقین تھا کہ کوئی فوری کارروائی شروع ہوگی مگر جب امیر نے صرف آہ کھینچ کر کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی بعد میں اکرم وغیرہ کی طرف بدگمانی کا عندیہ رکھا تو اس مفتن فریق کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے کہ مبادا تہمت کے الٹے شکار نہ بن جائیں۔ اس لئے یہ اطلاع پاکر کہ امیر صاحب اکرم کے ہاں مہمان ہونگے سرنگ کا حیلہ چلایا۔ امیر مخمصے میں پڑگیا اور چونکہ پہلے بیشمار لوگوں کو مخالفت پر تلا دیکھ چکا تھا ان کو تسکین دینے کے لئے اخراج کا حکم صادر کیا۔

دہرا شکار

اکرم اور رفقا سرحدات میں داخل ہوئے۔ بعض وہیں مقیم ہوگئے اور کچھ ہندوستان کی طرف بڑھے۔ چند مہینے سرحدوں میں گھومتے رہے اور چمن سے لے کر چترال تک خانوں اور ملکوں سے ملتے ان میں اتفاق و اتحاد قائم کرتے گئے۔ مہمندوں کے علاقے میں اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر وزیرستان کی طرف رخ کیا تاکہ وہاں افغانوں کا اجتماع کرکے سب کو ایک مرکز پر لائیں تصور حسین کا مذہبی تعلق توری افغانوں کے ساتھ تھا اور وہ پہلے ہی ان کو سنیوں کے ساتھ مربوط کرچکا تھا۔ اسیطرح اکرم اور یوسف اپنے عروج کے زمانے میں وزیریوں، آفریدیوں وغیرہ سب قبائل کو بلاتے اور ان کے سرکردوں اور وکیلوں کو امیر کبیر کا عقیدت مند بناتے۔ افغانوں کے خوانین سب ان کے خیرخواہ بلکہ تابع تھے اور اب بھی ان کی ملاقات سے ذاتی غرض نہ پاکر جب آگاہ ہوئے کہ وہ صرف خارجی دشمنوں کے مقابلے میں ان کا منضبط جرگہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو بیش از بیش مطیع و رضامند ہوئے۔

کانیگرام کو وزیرستان کا شہر کہتے ہیں جہاں ارمڑ قوم کے لوگ دکانداری اور باہر زمینداری کرتے ہیں۔ وہ نسب اور زبان میں وزیریوں اور مسعودوں سے الگ ہیں مگر ان کے ساتھ مساوی منزلت قرابت اور شجاعت رکھتے ہیں انہوں نے میزبانی قبول کی۔ بیس منتخب خان مدعو تھے۔ مگر ہر ایک کے ساتھ اقلاً بیس آدمی ہمرکاب آئے جن کے لئے مرغ بکرے گائے اور اونٹوں کے سوا کچھ گدھے بھی ذبح کئے جاتے کیونکہ ان کے ساتھ ایک پورا ریوڑ شکاری کتوں کا تھا۔ چونکہ معزز مہمان بہت دور دراز مقامات سے آئے تھے ان کی ضیافتِ طبع کا ہر طرح اہتمام کیا گیا تھا۔ منجملہ شکار مختلف انواع میں مہیا کیا گیا تھا۔ ان سب اقسام میں تو ہم شریک نہیں ہوسکتے تھے۔ صرف ایک چکر لگایا اور عجوبات دیکھی صرف اسے درج کرتے ہیں۔

ایک کتا جنگلی بلی کے پیچھے ہوا جو قد میں تقریباً اس کے برابر ہی تھی۔ جب تازی نزدیک پہنچا تو بلی نے لوٹ کر مقابلہ کیا۔ چند دقیقوں کی لڑائی کے بعد کتے نے بلی کی پیٹھ پر دانت گاڑ کر اسے زمین سے اٹھایا اور اپنے سر پر سے گھما کر جو نیچے ٹپکا تو اس

کی کمر ٹوٹ گئی۔ ایک کتا ہرن کے پیچھے ہو لیا اور اسے بھگاتے کداتے گیلی زمین کی طرف لے گیا جہاں چھلانگ پڑتے ہی ہرن جو گھٹنوں تک کھبا تو تازی نے جا دبوچا۔ پہلا کتا بلی کے پنجوں سے اور دوسرا ہرن کے سینگوں سے زخمی ہوا مگر شکاری بے پرواہ تھے کیونکہ دونوں کی زبان زخم تک پہنچ سکتی تھی۔ ہمیں شکاریوں کے ایثار سے خوشی ہوئی کہ ایک دوسرے کے کتے کی تعریف کرتا تھا کہ سب کتے بلی کے اکڑ کر اور ڈٹ کر لڑنے سے گھبرائے صرف آپ کے تازی نے دلیری کی اور سب کتے ہرن کے تعاقب سے تھک کر رہ گئے صرف آپ کا تازی اخیر تک ساتھ رہا۔ اس ایثار سے اپنا مطلب بھی حاصل ہو گیا۔ بیچارے خرگوش تو بہت ہی مارے گئے اور ان کے گردے کچے ہی کھائے جاتے تھے۔ شکاری کہتے تھے کہ آپ بھی چبائیے۔ اور ہماری طرح بغیر سانس چڑھنے اور تھکنے کے تماشا دیکھئے۔ مگر عادت نہیں تھی اس لئے پورا نظارہ کرنے سے قاصر رہے۔

نے نار سے بڑی اور چھوٹی مرغابیاں اڑائی گئیں۔ گھوڑوں کی زینوں سے عقاب چھوڑ دئے گئے۔ باز جرہ چرخ اور باشہ سب اکھٹے اڑنے اور اپنے مقدار کے مطابق صید مار کر نیچے برسانے لگے۔ ایک ترمتی نے مرغابی پکڑی۔ اور اسے لے کر زمین پر جا بیٹھی۔ باز نے حسد کھا کر جو حملہ کیا۔ تو اس سے چھین کر ایک پتھر پر جا بیٹھا۔ ترمتی مایوس ہو کر اوپر اڑ گئی۔ مگر غصّے کو برداشت نہ کر کے اس زور سے نیچے جھپٹی اور اس سناٹے سے باز پر گری۔ کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اور خود بھی بیچاری سینہ چاک ہو گئی۔ اس افسوسناک سانحہ نے ہمیں تو شکار سے متنفر کر دیا۔ اس لئے باقی باتیں سنی سنائی نقل کیجاتی ہیں۔

تصور حسین۔ علی الصباح جب جنگل میں گئے تو ایک میل موٹے رسّے میں جو پھندے لگے تھے اس میں سینکڑوں جانور تیتر چکور لومڑی گیدڑ وغیرہ پھنسے پائے مگر یہ مردانگی نہیں کہ فریب سے شکار کیا جائے۔ بندوق سے بھی مارا جائے تو اڑا کر خبردار کر کے مارنا مردوں کو زیب دیتا ہے۔

گلجان۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ بے خبر مارنا یا دھوکے سے شکار کرنا عورتوں کو پھبتا ہے حالانکہ شکاری جانوروں میں مادہ بہادر ہوتی ہے۔ آپ نے ابھی دیکھا کہ جب چیتوں کا جوڑا ہرنوں کے پیچھے چھوڑا گیا تو نر صرف گھیرتا تھا اور آخر مادہ نے ہرن کو پکڑا۔ اسی طرح باز باشہ وغیرہ میں بھی مادہ ہی بہتر شکار کرتی ہے بلکہ نر کو پسخوردہ دیتی ہے۔

تصور حسین۔ بیشک یہ حال درندوں میں ہے اور باقی جانوروں میں نر بہتر ہوتا ہے یعنی صورت میں مادہ سے بدرجہا اچھا ہوتا ہے۔ ہرن کے خوشنما سینگ ہوتے ہیں۔ بیل وغیرہ میں کوہان کی بلندی ہے۔ طوطے قمری فاختہ بٹیر وغیرہ میں طوق اور الف کی فضیلت ہے اور مور تو سراسر نر ہو کر ایک مجسمہ حسن وجمال کا بن جاتا ہے جس سے مادہ بالکل عاری ہوتی ہے۔ یہ مگر انسان کے نقطۂ نگاہ سے ہے ممکن ہے خوبصورتی کا معیار خود پرندوں میں جدا ہو یعنی جس کو ہم قبح سمجھتے ہیں وہ ان کو بھاتا ہو ورنہ کیا سبب ہے کہ مور اپنے پر پھیلا کر مورنی کا دل لبھانے کے لئے ناچے اور وہ چنداں پرواہ نہ کرے۔ اسباع اور بہائم کے علاوہ بعض ایسے کرم اور کیڑے ہیں جن میں مادہ زیادہ خوشنما ہوتی ہے۔ مگر یہ استثنا کے طور پر ہے۔ انسان میں بھی

مذکر ہی کو قوامیت اور درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ ڈاڑھی شاہد ہے۔ سبحان الذی زین الرجال باللحیٰ والنساء بالذوائب۔ فرشتوں کی ایک آسماں میں تسبیح ہے۔

یوسف۔ مردوں کے مذاق بدلتے رہتے ہیں۔ اس طرح ملائک کی تسبیح بھی قافیے کے لحاظ سے لحیٰ کی بجائے شوراب ہو سکتی ہے اور اس کا بھی اعتبار نہیں۔ امکان ہے کہ مونچھوں کو بھی بقا نہ رہے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گلجان نے اوپر نظر اٹھا کر بے تحاشا چلا کر کہا کہ میرے کبوتر کہاں سے آ پہنچے اور پہنچے بھی اس وقت کہ جو ہواہیں بازوں اور باشوں کی حکمرانی ہے مگر شکر ہے کہ اپنے مالک کو پہچان کر پناہ لینے کے لئے اتر رہے ہیں۔ جیسے تلوار ریشم کو نہیں کاٹ سکتی۔ میرے کبوتروں کو شاہین بھی نہیں پکڑ سکتی۔ میں نے خربوزوں کے بیج کھلا کر ان کے پروں کو ایسا چکنا کر رکھا ہے کہ پنجوں سے پھسل جاتے ہیں۔ یہ لو گرے۔ گلجان نے اونچی آواز سے تعاقب کرنے والوں کو ڈرایا اور اسے ہی پہچان کر کبوتر زناٹے سے نیچے پر لپیٹ کر آ پڑے۔ گلجاں نے جھٹ پکڑ کر ان کے سینوں پر پھونکیں ماریں۔ اور یوسف نے بھی مدد دی کیونکہ اس قسم کے کبوتر گوتے یا ہومر رکھنے کی اسی نے صلاح دی تھی تاکہ نامہ بری میں کام آئیں۔

کبوتر کی دم کے پروں میں سے ایک کو جڑھ کے نزدیک سے کاٹ کر اس میں باریک سلائی کی مانند لپیٹا ہوا جھلی کا کاغذ ڈالا ہوا تھا۔ کاٹے ہوئے پر کو دبا کر پھر اس جڑھ کے چھید میں داخل کیا گیا تھا اور اس پر نہایت پتلی جھلی کا تار باندھا تھا دو خط تھے جنکا مضمون تو واحد تھا مگر دو شخصوں کی طرف سے تھے۔ پیاز سے لکھا تھا جس کا پانی آگ کے سامنے کرنے سے روشن سیاہی ہو جاتا ہے۔ اکرم اور یوسف نے تحریر پڑھ کر ایک دوسرے کو دکھائی اور اگرچہ ان کی دلاوری اور متانت نے چہروں پر تغیر آنے نہ دیا مگر ان کی آئندہ احتیاط اور حزم سے اتنا معلوم ہوا کہ کوئی وحشتناک آگاہی دلائی گئی ہے۔ انہوں نے گلجان اور تصور حسین وغیرہ کو بھی کچھ آہستہ سے کہا جس سے وہ بھی چوکنے ہو گئے اور اس کے بعد اسلحہ سنبھالے ہر ایک اجنبی کو غور سے تاڑنے لگے مگر اپنے کاروبار میں کوئی خلل یا تساہل نہ آنے دیا۔

شکار کے اثنا میں ہمارے رفقا تمام خوانین کے ساتھ ملتے جلتے ضمناً مواخاتِ ملی کے رشتے کو بھی باہم اختلاط و مذاکرات سے مضبوط کرتے تھے۔ انہوں نے کبوتر ناموں کی ہدایت سے دو آدمیوں کو جانچ لیا جو ترچھی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتے تھے اور اس کے بعد ان سے ایسی بہادرانہ پرہیز کرنے لگے کہ وہ ایذا کا موقع نہ پائیں بلکہ اس واقفیت سے ڈریں کہ فریق مقابل ہر دم مدافعت پر آمادہ ہے۔ یہ خبرداری قومی رقصوں میں زیادہ کرنی پڑی کیونکہ خلقت کا ہجوم ان میں زیادہ ہوتا تھا۔ ہر طائفہ جدا جدا اتن یعنی ملی رقص کرتا تھا۔ سب کا لباس ایک تھا مگر جوتوں میں فرق ہوتا او۔ نیز جوتوں میں۔ مزری۔ چپلی اور کڑاوی یعنی سن چمڑے اور لکڑی کے پاپوش تین طائفوں کے ساتھ جدا مخصوص تھے مگر سب پر زری کام تھا اور تسموں پر ریشم کے پھندنے جھومتے تھے۔ ایک سو جوان حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے اور درمیان ڈھول اور سرنا کے ساتھ ایک دو آدمی گاتے۔

یہ سو آدمی اکٹھے کودتے پھاندتے اور علیحدہ علیحدہ بھی گھومتے کبھی ایک دوسرے کی باہنیں پکڑتے۔ چند لمحوں کے بعد مجموعی آواز سے چیخیں مارتے جس سے آس پاس کی پہاڑیاں چیری جاتیں اور گونج کر صوت کو اور تیز اور مہیب بنا دیتیں۔ افغان کا نام اسی چیخ اور پکار سے مشتق ہوا ورنہ یہ کلمہ پشتو کا نہیں بلکہ فارسی کا ہے۔ یہ ناچ کے زیر والی بلند صدا کے نعرے لڑائی میں اور زیادہ ہولناک وضع اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی سے فارسی زبان لوگوں نے پشتان یا پٹھان کو افغان موسوم کر دیا۔

یہ اتن ڈالنے والے سر کو دائیں گھماتے اور پھر بائیں تو ان کے لمبے بالوں کا ایک دائرہ بندھ جاتا اور ساتھ ہی بھگار کی بو بھی لپٹ مار کر پھیلتی کیونکہ پسینے اور گھی کی آمیزش ہوتی ہے۔ دوسرا چکر ان کے لمبے اور گھیردار کرتوں کا ہوتا جن میں دس پندرہ گز کپڑا لگتا ہے۔ ایک اور گھیر ان کے چغوں کا بنتا جو سیاہ اور سرخ رنگ کے پیراہنوں سے کچھ اونچے تھے۔ ایک فرقہ سیلاووں کے ساتھ دوسرا تلواروں کے ساتھ اور تیسرا بندوقوں کے ساتھ ناچتا۔ پہلی دو چیزیں تو بجلیاں ہی چمکاتی تھیں تیسری بادل گرجاتی کیونکہ کبھی بندوقیں ٹانگوں کے نیچے سے کبھی سر کے اوپر پھینک کر کبھی ایک سو آدمی بندوقیں درمیان ایک مرکز میں لا کر اکٹھے فائر کرتے۔

کچھ کوچی قبیلے نواح میں موجود تھے آخر ان کی نوبت آئی۔ ایک مرد کے ساتھ ایک عورت کھڑی ویسی ہی چستی اور مردانگی سے ناچتی مگر زنانہ منہ اگرچہ دکھائی دیتا مگر بہت تھوڑا۔ پچاس مرد اور اتنی ہی عورتیں طرح طرح کے کرتب دکھا رہی تھیں کہ گلجان بول اٹھا۔ فلانے دو نوجوان لڑکیوں کے ساتھ ہرگز شامل نہیں ہونے چاہئے۔ یوسف نے جواب دیا کہ اب آپکو ہوش آئی یا آپ کی ہوش اڑی۔ اکرم نے دیکھ کر ایک آہ بھری۔ پہلے تو یہ دو آدمیوں کو دھیان میں لا چکے تھے۔ اب ان دو جوانوں کو دیکھنے اور کچھ سوچنے لگے۔ مگر یہ نظارہ جلدی ختم ہو گیا اور اکرم اور یوسف دونو کو جلا گیا۔

اَلْمَرْءُ یقیس علیٰ نفسہٖ ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں آنکھوں میں باتیں کر گئے۔ پہلے دو شخصوں کو پہچاننا اور ان سے حذر کرنا ایک اور کیفیت رکھتا تھا اور ان لڑکوں کو دیکھنا اور ان سے پرہیز کرنا ایک اور حالت دونو پر طاری کرتا تھا۔ جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعد میں اتن کے ساتھ جو شعر گائے جاتے تھے ان کو کانوں سے سننا نہیں چاہتے تھے مگر دل سے ان پر کان دھرتے تھے قارئین کو بھی ان ابیات میں سے کچھ حصہ دیا جاتا ہے:-

گلابہ بوٹے دے دبنکو دی ۔ پہ نیائی زمی کے نہ کوی گلونہ

(قابل اکھاڑنیکے ہیں پودے تیرے گلاب ۔ جاڑے جو آدھے گذریں تو دیتا نہیں ہے پھول)

رنگ دخما دیار پہ سیر دی ۔ گلابہ ځکہ دپہ جیب کے گرزومہ

(مانند یار رنگ تیرا ہے جوائے گلاب ۔ پھرتا ہوں اپنے پاس تجھے اسلیئے لئے)

کہ یاری کوے یار دے زہ یم ۔ کہ یاری نہ کوے ما تا بل ویلے دئ نہ
(کرتے ہو دوستی تو تمہارا ہوں یار میں ۔ کرتے نہیں تو اور نے بھی مجھ کو ہے کہا)

ہلکہ مراوڑہ لاسو نہ گنہگار بہ شے ۔ ځما اوږدے زلفے چاړے دی پہ حلال بہ شے
(مت ڈالو ہاتھ لڑکے کہ تم ہوگے گنہگار ۔ خنجر ہیں لمبی زلفیں مری ہوگے تم حلال)

خولہ دے خیبر خندہ دے ڈزدہ ۔ غریب سڑے پہ لار تلم وو دے وشتمہ
(خیبر ترا منہ اور ہنسی بندوق کی صدا ۔ دے مارا راہ جاتے ہوئے مجھ غریب کو)

سترگی دے ډکے طپانچے دی ۔ زدے پہ ډکو طپانچو وشتلے یم
(آنکھیں تری پستول ہیں گولی بھری ہوئے ۔ گولی بھری پستولوں کا مارا ہوا میں)

تورو ټوپکو بیا غاړے تازے کړے ۔ ځواناں سپینے سینے کینبودے پہ قندا غو نہ
(جب پھر سیاہ بندوقوں نے تازہ گلے کئے ۔ سینے سفید کندوں پہ مردوں نے دھر دیئے)

آشنائی روغ سڑے رنځور کا ۔ څہ سے ضرور دئ چہ روغ ځاں رنځوروے
(کردے مریض دوستی جب تندرست کو اچھا بھلا ہوں خواہ مخواہ بیمار کیوں بنوں)

زړہ مے نرئ دی لکہ لوټہ ۔ د سحر باد شوروی لکہ لکړہ
(دل مرا مانند ڈھیلے کے ہے نازک اور نرم ۔ ہے ہلاتی اس کو لکڑی کی طرح باد سحر)

دپاسہ نوی پادشاہ راغئ ۔ د زلفو باج آخلی د شنډو سورسا تونہ
(آیا شمال سے جو نیا بادشاہ ہے وہ ۔ لیتا ہے باج زلفوں کا ہونٹوں کے پیشکش)

صبا بیگاہ دغم نغرے تنذ بے خالہ نہ وی ۔ بنسہ انجونہ بے یار نہ دی
کہ چیرے پٹے خزانے دی بے شاہ مارنہ وی ۔ گل چیرے بے خار نہ دی
ددواڑو زلفو شاہ ماران یو پریل یگبزی اور حمّا پہ دل یگبزی

(شام وسحر فریاد غم۔ بے خال پیشانی نہ ہو ۔ بے یار نہ ہو خوبرو)
(خفیہ خزانے ہوں کہیں۔ بے اژدہا ہوتے نہیں ۔ ہیں پھول کانٹوں میں رہیں)
(باہم لگیں زلفوں کے ناگ ۔ لگتی ہے میرے دل کو آگ)

صباہ بگاہ دغم نارے۔ خونہ دے ویرانہ وتیم ۔ پاتی دے ملکو نہ وتیم
دا سرافیل شپیلی پہ خولہ ہموار دے غرونہ وتیم ۔ وچ دریا بو نہ وتیم
چہ دریا بونہ وچوی۔ حکمت خپل لگی ۔ اور حمّا پہ دل لگی

(ہیں گھر ترے ویران پڑے ۔ ہیں ملک ہاتھوں میں غیر کے)
(پھونکے جو اسرافیل صور ۔ دریا ہوں خشک پہاڑ چور)
(حکمت کی اس خشکی میں لاگ ۔ لگتی ہے میرے دل کو آگ)

اکرم اور یوسف اس ناچ اور راگ سے پریشان اور آشفتہ خاطر اٹھے مگر تعجب یہ ہوا کہ جب ایک اٹھا تو اسی وقت دوسرا بھی اور اس کے ساتھ یہ توارد بھی ہوا کہ جسطرف ایک نے رخ کیا اسی جانب دوسرے نے اور جو خیال ایک کے دل میں گذرتے تھے وہی دوسرے کے دل میں۔ دونو خاموش پھر رہے تھے اور بجائے دو مشتبہ شخصوں کے اب وہ دو لڑکوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ حالانکہ ان سے بھاگتے بھی تھے۔ اتن ابھی زور شور سے جاری تھا اور یہ دونو بھیڑ میں سے نکل کر علیحدہ ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ دو آدمی جن کی خبرداری کبوتروں کے پیغام سے شروع ہوئی تھی بندوقیں تھامے ہوئے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے گویا کسی کی تلاش میں ہیں باہر نکلے۔ اکرم اور یوسف نے بھی فوراً بندوقیں بھری ہوئی اٹھالیں۔ مگر معاً وہ دونو لڑکے بھی ان دونو آدمیوں کے ساتھ ہو لئے اور ان کے ساتھ کچھ باتیں کرنے لگے۔ اکرم اور یوسف یا تو خوف وبیم میں تھے۔ اب دونو نے آہیں بھریں اور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف تکنے لگے۔ دونوں ان دو آدمیوں کو نظر سے

اوجھل کرنا نہیں چاہتے تھے اور دو نوان دو لڑکوں کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے مگر اب مجبوری ہوئی۔

ان دو نو لڑکوں نے یکساں لباس پہنا ہوا تھا۔ پگڑی کا طرہ پیچھے لٹک رہا تھا اور شملہ سینے پر ڈالا ہوا تھا۔ پندرہ گز کا پیراہن اور اتنے ہی کپڑے کی شلوار تھی۔ کندھے پر چارخانہ چادر ڈالی تھی اور اس کا قوس قزحی رنگ کا ریشمی حاشیہ سامنے ڈال رکھا تھا۔ کمر میں پیش قبض بندھے تھے اور ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔ دو نو نے اندیشہ کیا کہ دو دشمنوں کے علاوہ اب یہ دو اور بڑھ گئے مگر عداوت کا گمان ان پر کرنا محال تھا کیونکہ ان کی محبت کا شکار ہو چکے تھے۔

اکرم اور یوسف یہ سوچ رہے تھے کہ عشق نے ان دو نو کو اپنی عورتوں کا صید بنایا اور وہ صید ہوئیں۔ یہ کیا بلا آئی کہ اب عشق لڑکوں پر اتر پڑا ہے اور وہ ان کے قابو میں آ رہے ہیں۔ کیا یہ سزا ہے اور اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ جیسا ایک دفعہ دل بے اختیار ہوا اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ اب پھر وہی حالت عود کر آئی ہے۔ غیر قوم کی لڑکیوں پر مائل ہونا اور اس پر اصرار کر کے آخر ان کو ہاتھ میں لانا اب یہ دن دکھلا رہا ہے کہ لڑکوں پر فریفتگی اور شیفتگی ہو رہی ہے۔ اگر پہلی ہی بیجا اور بے موقع محبت کو مٹاتے تو اب بھی اس ناجائز اور ناروا عشق پر غالب آتے۔ چونکہ طبیعت ایک دفعہ مشتاق ہو گئی اب اسی کا پھل مل رہا ہے کہ اس کو تابع نہیں کر سکتے اور اِدھر دل پر مر رہے ہیں۔ دو نو یہ خطور پا کر جھنجھلاتے اور سر گریباں میں ڈالتے مگر دو آدمیوں کے ڈر سے جب پھر نگاہ ڈالتے تو وہ ان لڑکوں پر بھی پڑتی اور پھر وہی شغف کی کیفیت طاری ہوتی۔

اکرم کو احتساب کرتے یہ سوجھی کہ شاید اس کو کبر کی جزا مل رہی ہو کیونکہ جب وہ لڑکوں کے عشق کی باتیں سنتا تو نخوت سے نفرین کرتا اور ایسے عاشقوں کے ساتھ تکبر سے کلام کرنا بھی روا نہ رکھتا۔ کیا یہ عفت پر گھمنڈ کا نتیجہ تو نہیں؟ اس تفکر سے توبہ کرتا اور یوسف کا بھی یہی حال تھا بھی اسی سوچ وبچار میں تھا کہ کسی زمانے میں اسلام ہی سے اسی لئے متنفر تھا کہ بعض مسلمان لڑکوں پر دھیان رکھتے ہیں اور اس پر بھی جب وہ نوجوان تھا۔ انگریزوں میں یہ فضیلت ہے کہ ملٹن کو لڑکپن میں خاتونِ کالج کہتے تھے مگر اس کے حسن پر کوئی جان نہیں دیتا تھا جیسا کہ مشرق میں ہوتا ہے۔ کیا اس کے غرورِ عصمت نے یہ گل کھلایا کہ اب وہ بھی اس عیب میں ڈوبنے کو ہے۔ ندامت کھا کر اس وہم کو دور کرتا مگر جب پھر نظر پڑتی تو پشیمانی غائب ہو کر دوبارہ مجرم بنتا۔

اکرم اور یوسف ان دو آدمیوں کی طرف البتہ متواتر دیکھنا لازم سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی دوسروں پر نظر ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں۔ مگر دل نہیں مانتا نگاہ کے ساتھ ہی گویا اڑتا ہے اور ان پر جا پڑتا ہے۔ زور سے رکتے اور نفس پر جبر کرتے ہوئے پھر خیال آتا ہے کہ ہم کیسے ممتاز زاہد ہیں کہ محبوبوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس میں بھی شائبہ کبر تھا۔ اس لئے پھر نادم و تائب ہوتے ہیں اور اس بہانے سے یا نفسانی دھوکے سے جن کی انہیں خبر نہیں ہوتی۔ پھر نگاہ ڈالتے ہیں اور فوراً اس سے بھی نادم و تائب ہوتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ شرعاً دوسری بار ایک غیر حسین کو دیکھنا گناہ ہے۔ الفت بار بار دیکھنے سے پرورش پاتی اور محکم ہو

ہے اسی لئے ایک دفعہ اتفاقی اگر نظر پڑ جائے تو دوسری مرتبہ ممنوع ہے۔

اس کشمکش کی حالت میں دیکھتے ہیں کہ ان دو آدمیوں میں سے ایک لڑکا ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ رقابت کی خلش پیدا ہوتی ہے۔ اور جس نوجوان کا اکرم شکار ہو گیا تھا وہ اسے اور اس کے ساتھ کے رقیب کی طرف متوجہ ہے اور یوسف علے ہذا القیاس دوسروں پر ملتفت ہے۔ یہ بے اختیاری تقسیم عمل بھی مفید ہے مگر جلدی ہی اس میں بھی بے نظمی واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک آدمی دہنی طرف ہو لیتا ہے اور دوسرا بائیں جانب اور دونو لڑکے درمیان میں ایک کنارے پر رہ جاتے ہیں اور چونکہ ایک دوسرے سے فاصلے پر ہیں ذرا اونچی آواز سے بات چیت کرتے ہیں جو اکرم اور یوسف دونو کو سنائی دیتی ہے ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ۔ بسا کیں دولت از گفتار خیزد

یک نہ شد دو شد ؎

ایک تو دل ہے فدا کس کس پہ اسکو کیجئے   شوخیٔ گفتار پر یا شوخیٔ رفتار پر

اب پنبہ در گوش کیونکر ہوں۔ دوسری طرف زبانِ حال سے یہ فقرہ کسا جاتا ہے ؎

دیدار مینمائیم و پرہیز میکنید ۔ بازار ما و آتش خود تیز میکنید

اکرم اور یوسف اس بلا میں گرفتار ان دو شکوک شخصوں سے قدرے بے اعتنا ہو جاتے ہیں صرف اتنا دیکھتے ہیں کہ دونو نے دفعتاً بندوقیں اٹھائیں اور دونو نے معاً فائر کئے جن سے دونو چت گرے۔ گیر و دار ہوتی ہے بھاگ دوڑ پڑتی ہے۔ کچھ لوگ مزید کشت و خون سے خوف کھا کر آبادی کی راہ لیتے ہیں اور ان میں وہ دونو جوان بھی رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ باقی لوگ مقتولوں کی طرف لپکتے ہیں۔ ایک وزیری ہے دوسرا توری۔ پہلے اپنے آدمی کا اور دوسرے اپنے آدمی کا بدلہ لینے پر تلتے ہیں۔ قاتلوں کی تلاش ہوتی ہے تو کوئی سمجھاتا ہے کہ خود ایک دوسرے کے قاتل ہیں۔ مگر اس ہنگامے میں معقول سخن کون سنے اور مانے؟ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک وقت میں دونو کی گولیاں کیسے اکٹھی چلیں اور لگیں۔ نہیں قاتل اور ہے۔ وزیری کہتے ہیں کہ کسی شیعہ نے یہ خون کیا توری کہتے ہیں کہ کسی سنی نے کیا۔ جواب ملتا ہے کہ ایسا ہی تو ہوا۔ وزیری مقتول کو توری نے اور توری مقتول کو وزیری مقتول نے قتل کیا یعنی سنی کا شیعہ اور شیعہ کا سنی قاتل ہوا اور قصاص ہو گیا۔ مگر جوش و حمیت کے طوفان میں اعتدالِ مزاج کہاں کہ دلیل کارگر ہو سکے۔ کوئی امن و صلح کی نصیحت کرتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ قتل جیسے ظلم پر اگر در گذر کی جائے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اور زیادہ ظلم و قتل ہونگے۔ اس کی تائید میں ایک ملا بولتا ہے کہ الفتنۃ اشد من القتل۔ اسی لئے ارشاد ہوا ہے۔ ایک وزیری چلاتا ہے کہ شیرِ خدا کی قسم بے پیر توریوں کو زندہ نہ چھوڑینگے۔ لامحالہ جواب میں وہ شیرِ خدا کو برا بھلا سنتا ہے اور وزیری حضرت علیؓ کو کوستا ہے۔ حالانکہ دونو ان کو مختلف ناموں سے مانتے ہیں۔ اس مذہبی

جھگڑے کے علاوہ سفید اور سیاہ گروہوں کی قومی فرقہ بندی جدا نمودار ہوتی ہے۔ جس میں تمام افغان منقسم ہیں۔ یہ زیادہ دہشتناک مجادلہ ہے۔ ایک آواز آتی ہے کہ غلزائی کے معنے چور کے بیٹے ہیں۔ دوسری طرف سے صدا آتی ہے کہ درانی کا مطلب دور گرے منگل اور جدران ہندوؤں کی قومیں ہیں۔ بھٹرانی علے ہذا القیاس۔ خوگیانی سوئر سے نکلے ہیں حالانکہ انہوں نے سوئر کو شکاریوں کے ہاتھوں بھاگتے اپنے گھر میں پناہ دی تھی اور یہ پہلے درجے کی غیرت تھی۔ کہ اتنے برے جانور کو بھی اپنے گھر سے باہر نہ کیا اور اس کی حفاظت میں شکاریوں کی رنجیدگی مول لی مگر یہ وہ وقت تھا کہ خوبی کو بھی غصے میں بدی ظاہر کرتے تھے۔

اکرم بارے اپنی عشقی پریشانی کو چندے دور کرکے متخاصمین کو خاموش کراتا ہے اور ایک پتھر کو منبر بنا کر بلند آواز سے ان کو مخاطب بناتا ہے کہ میں یہاں اتفاق و اتحاد کے لئے آیا تھا اور برعکس یہ تفرقہ ظاہر ہو رہا ہے۔ بھائیو! ہوش میں آؤ۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ ایک کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہم سب افغان ہیں اور ایک قوم کے افراد ہیں۔ انما المؤمنون اخوۃ فاصلحو بین اخویکم ۔ مومن فقط بھائی بھائی ہیں۔ بس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح رکھو اور اگر نزاع ہو تو صلح کرو۔ نفاق و شقاق حرام ہے۔ ایک دوسرے کو گالی گلوچ نارو اہے۔ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ بت پرستوں اور بتوں کو بھی برا کہنا منع ہے کیونکہ وہ دشمنی اور جہالت سے خدا کو برا کہینگے۔ رسول اللہ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ اپنے والدین کو گالی مت دو۔ ایک نے عرض کی کہ بھلا کوئی ایسا کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ جب تم کسی اور کے ماں باپ کو دشنام دوگے تو وہ تمہارے ماں باپ کو دینگے اس لئے تم ہی نے گویا اپنے والدین کو گالی دی۔ ہماری قوم بہادر جنگجو اور آزاد ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان خصلتوں کو خارجی دشمنوں کے مقابلے میں صرف کریں نہ کہ آپس میں لڑائی بھڑائی سے اپنی قوتوں کو خرچ کردیں۔ موجودہ تنازع قابل افسوس ہے۔ دو شخص مارے جاتے ہیں اور غالباً دونو نے ایک دوسرے کا کام تمام کیا۔ بہرحال تم ہم پر بھروسہ کرو۔ وزیری توری اور باقی خوانین ابھی اس معاملے اور قضیے کو طے کر لیتے ہیں۔

اکرم کی وجاہت اور قومی منزلت کے علاوہ اس کی مہمانی حیثیت نے سامعین پر اثر کیا اور وہ شور و فغاں کو چھوڑ کر اپنے خانوں پر اعتماد کرتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ توری کی پگڑی میں سے گولی گذری تھی۔ جس سے ایک کاغذ کا پرزہ پگڑی میں سے باہر نکلا دکھائی دیا۔ اس پر لکھا تھا کہ ایک ہزار روپیہ بھیجا جاتا ہے اور باقی دو ہزار کام کے بعد دیا جائیگا۔ وزیری کے کپڑوں کی تلاشی لی گئی تو کچھ نہ نکلا۔ مگر وہ باز کا شکاری تھا اس کے چمڑے کے دستانے کی انگلی سے ایک رقعہ نکلا جس میں مرقوم تھا بعینہٖ وہی جو دوسرے خط میں تھا۔ فرق یہ تھا کہ پہلا فارسی میں تھا اور دوسرا پشتو میں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان دونو کے دشمنوں نے ایک دوسرے کو مروانے کے لئے مقرر کیا تھا اور یہ ایک عجیب اتفاق ہوا کہ دونو مارے گئے۔ لہٰذا مزید تحقیقات کیجائیگی فی الحال ان دونو کو دفن کیا جائے اور بات بھی دبا دیجائے۔

اکرم نے اس موقعے کو اپنی تقریر کے لئے غنیمت سمجھا کیونکہ لوگ بہت سے فراہم ہو گئے تھے اور ان میں جوش و خروش بھی تھا اور دو آدمیوں کے قتل کے سبب طبائع میں گرانی اور متانت بھی تھی۔ مجمع ایسی جگہ میں تھا جہاں باوجود پتھروں کے میدان بھی کافی وسیع تھا۔ کانیگرام دراصل کانڑے گرام یعنی پتھروں کا گراں یا گاؤں ہے۔ کوہ سلیمان کے سلسلے میں واقع ہے اور اسی سے افغانوں کو عرب میں سلیمانی کہتے ہیں جیسے عجم میں افغان۔ تخت سلیمان بھی اسی پہاڑ میں ایک مقام ہے۔ کانیگرام کے اوپر ایک ایسی جگہ ہے جہاں بلندی کے باعث خوشگوار ٹھنڈ تو ہوتی ہے مگر اکثر ایسی لطیف بارش ہوتی رہتی ہے جس سے کپڑے بالکل نہیں بھیگتے اور آس پاس کے سبزے اور پھول گویا ہر وقت شبنم سے تر رہتے ہیں۔ اکرم پر اس نظارے کی نضارت کے ساتھ ایک اور نظر کا اثر بھی تھا مگر وہ شریعت کا اتنا پابند تھا کہ اس کا اظہار غیر کے پاس تو خیر اپنے چہرے پر بھی نہیں ہونے دیتا تھا۔ انسان کا دل البتہ اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ کسی پر آ جائے مگر اس جذبے کو ضبط کرنا انسان کا فرض ہے اور اسمیں اکرم کو کافی ورزش تھی۔ چنانچہ بغیر تغیر کے اس نے وعظ کہی یا لیکچر دیا:-

بھائیو اور دوستو! ہر شخص دشمنوں سے گھرا ہوا ہے اور اسی طرح اشخاص کا مجموعہ یعنی قوم بھی اعدا سے محصور ہے۔ لہ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتٰی یغیروا ما بانفسھم۔ آدمی کے آگے اور پیچھے ایسی ہستیاں لگائی گئی ہیں جو ہر جگہ اس کے ساتھ رہ کر خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ظاہر و باطن میں وہ محفوظ ہے۔ بشرطیکہ علاج و تدبیر سے اچھے کاموں میں مصروف رہے۔ کوئی قوم کمال سے زوال کی طرف رخ نہیں کرتی جب تک کہ وہ غافل کاہل اور جاہل نہ ہو جائے۔ کیونکہ ہمیشہ غیر حملہ آور ہمارے ملک کو پامال کرتے رہے ہیں۔ اسلئے کہ ہماری فصیلیں مستحکم نہیں ہیں۔ اور ہم اپنی سد سکندری کو مضبوط نہیں رکھتے جہاں رخنہ پڑا یاجوج و ماجوج پل پڑتے ہیں۔ ہمارا نفاق و شقاق ہمارے حصار کا شگاف ہے اور اگر وفاق و اتفاق ہو کوئی آنکھ اٹھا کر بھی ہماری طرف دیکھ نہ سکے درانیوں نے غلزائیوں کے ساتھ اتحاد کیا تو حاجی میرویس خاں ہوتک غلزائی نے ایران کا جوا اپنی ملت کے کندھوں سے پھینک دیا۔ اس سے قبل شیخ حمید لودی نے ملتان میں حکومت کی۔ اور اگر افغان باہم شیر و شکر رہتے تو سلطان محمود احمق کو تباہ نہ کر سکتا۔ جیسا کہ اسی تفرقے سے نادر شاہ نے بعد میں ہوتکوں کی سلطنت کو برباد کیا۔ پھر لودیوں اور سوریوں نے ہندوستان میں بادشاہی قائم کی اور وہ بھی اسی قومی پراگندگی کے سبب ہلاک ہوئی۔ ان دونوں کے ہم قوم لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان جا کر آباد ہو گئے۔ مگر اسی تغافل اور خودسری کے باعث مغلوں کے ماتحت قناعت کرتے رہے اور یہی عادت پڑتے پڑتے ان کو اجتماع و استقلال کا خیال ہی نہ رہا۔ یا تو سکھ ہمارے محکوم تھے یا اب پنجاب میں ہماری قوم پر حاکم ہیں۔ بلکہ سرحدی افغانوں کی بے پروائی اور پراگندگی نے ان کو یہاں تک جرأت بخشی کہ وہ پشاور میں براج رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے مہاراجہ نے اعتراف کیا ہے کہ میں نے افغانوں کو رعیت کیا بنایا امتردں کی بلا گلے میں ڈال لی۔

ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ اگر تم قومی بہتری و ترقی کے اصول و قواعد سے بے اعتنا ہو جاؤ تو دوسری قوم تم پر مسلط ہو جائے گی۔ میں حاسد نہیں ہوں۔ مغل انگریز یا سکھ جو ہم پر غالب آئیں تو وہ ان کی ہمت سے ہے۔ ان کے نوش جاں! ہم اگر تقوے کریں تو سب سے زیادہ معزز ہو جائیں اور اگر ہم میں ایمان ہو تو سب سے عالی رتبہ حاصل کریں۔ ایمان کیا ہے۔ اسلام کے قوانین کو ماننا اور تقوے کیا ہے ان قاعدوں پر سختی سے کاربند ہونا۔ منفرد اور مجتمع دونو احوال میں اپنے قوا و حواس و اعضا و جوارح کو صحیح استعمال میں لانا۔ سب بنی آدم ایک دوسرے کے اجزا ہیں۔ اور اسی طرح سب مسلمان اخوان ہیں مگر ان میں شعوب و قبائل ہیں۔ ہر طائفہ اگر اپنی تکمیل و تتمیم میں کوشاں ہو تو جو سبقت لے جائے وہ حکمرانی کا مستحق ہے۔ اس سعی و جہد کے درمیان باہم منافرت اور عداوت نہایت مضر ہے۔ اور سب کو انتہائی کامیابی سے روکتی ہے۔ ہماری نسبی روایات اس بغض و عناد کی ایجادیں ہیں جو مرور زماں کے ساتھ تاریخی حیثیت پکڑ بیٹھی ہیں۔ انہی کا انکار میں نے ابھی ایک موہومی جنگ جدال میں سنا۔ ان ربک لبالمرصاد۔ خدا کا انتقام کمین گاہ سے آن لیتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ دونو مقتول قاتل تھے اپنی سزا کو خوب پہنچے۔ مگر تم میں سے اکثر اور قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے اور اس کا پیش خیمہ وہی نسبی روائتیں ہیں جب کینے اور غصے سے بیان کی جائیں۔

ایک روایت درانیوں کو اور دوسری غلزائیوں کو ایک غور کے بادشاہ کے ساتھ منسوب کرتی ہے جو عرب تھا۔ اس لئے افغان عربی النسل ہوئے۔ زیادہ روایات ہم کو بنی اسرائیل قرار دیتی ہیں۔ مگر ہمارے ملک میں سادات بھی ہیں۔ اگر ہم نسب پر فخر کریں تو وہ زیادہ مباہات کے اہل ہیں۔ لیکن شرافت خاندانی کی ایک حد ہے۔ بنی اسرائیل اور سادات دونو اگر حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں تو آذر بت تراش کے ساتھ بھی نسبت رکھتے ہیں۔ اور افغان جو ملک طالوت کی آل بن کر متفخر ہیں تو وہ پہلے ایک سقا یا چرواہا تھا۔ اگر آبا و اجداد کا سلسلہ جاری ہو تو سکھ، ہندو اور انگریز بھی پیغمبرزادے ہیں۔ آخر حضرت آدم کی اولاد ہیں۔ قومی طعن و تشنیع کی بجائے لازم ہے کہ ہم اپنی اپنی حالت سدھاریں اور اپنے وطن کی قوموں کو مساوی سمجھ کر خلق و مراعات سے پیش آئیں اور یہی ہماری حفاظت و مدافعت کے سامان ہیں۔

نوشیرواں نے ایک عرب سردار کو طنزاً کہا کہ تمہارے ملک میں کوئی بادشاہ نہیں کوئی محل نہیں اور نہ کوئی قلعہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بیشک تم بادشاہ ہو جو تمہارے لئے باعث فخر ہے مگر باقی رعایا کے لئے نہیں کیونکہ وہ سب تمہاری غلام ہے ہم کسی کے غلام نہیں اس لئے سب بادشاہ ہیں اور سب اس پر فخر کر سکتے ہیں۔ محل آرام و آسائش کا مقام ہے۔ جس سے تنزل و محکومیت شروع ہوتی ہے۔ ہم محنت و مشقت کے عادی ہیں جس سے ترقی و غالبیت کا آغاز ہوتا ہے۔ قلعے میں شکست کھا کر پناہ لی جاتی ہے۔ جب ہم دوسروں کے ممالک میں حملہ آور ہوں اور کوئی ہم پر ہجوم لانے کی جرأت ہی نہ کرے تو ہم کو قلعوں کی کیا حاجت ہے۔ ہم افغان بھی آزاد ہیں مساوی ہیں بھائی بھائی ہیں اور اگر محبت و الفت سے اور نوشیرواں کی دوسری نصیحت

پرعامل رہیں۔ تو ہم مطمئن ہیں۔ اس نے فرمایا کہ مملکت کے خارجی دشمن تیراندازی سے اور داخلی راستبازی سے مغلوب و منکوب ہوتے ہیں۔ ہم نشانہ لگانے کی مشق تو اپنے پر ہی کر لیتے ہیں جو بہتر ہے کہ غیروں پر ہو مگر راستبازی کی عادت اپنے درمیان بھی نہیں ڈالتے جو غیروں کے ساتھ بھی ضروری ہے۔

ہم کبھی اپنے پہاڑوں پر بھی افتخار کرتے ہیں کہ یہ ہمارے بچاؤ کے لئے آہنی دیواریں ہیں۔ یہ بھی بے جا ہے۔ اس کی مثال بھی قلعوں کی سی ہے۔ جب روم کی فاتحوں نے برطانیہ کو فتح کر کے وہاں سدیں قائم کیں تو بھی ان کے زوال کا زمانہ تھا۔ اسی طرح مصر میں ہوا۔ میں مفصل ان واقعات کو بیان کرتا۔ مگر ابھی مقتولوں کو ان کی سزایابی کے سبب واجبی حرمت سے دفن کرنا ہے اس لئے آپکو اس شہر کا نیگرام کی وقعت یاد دلا کر رخصت کرتا ہوں۔ بازید مسکین پیر روشن جالندھر کے پٹھانوں میں سے تھا۔ اس نے یہاں تمام افغانوں کو صلاح و تقوے سے آراستہ کیا۔ اس کے بیٹے نے پشاور اور غزنی پر قبضہ کر کے جلال آباد اپنے نام پر بسایا۔ مغلوں کی بیس ہزار سپاہ اس کی لڑائیوں میں کام آئی۔ تمہارے آباؤ اجداد صرف قومی جنگوں میں ایسا مقابلہ کر سکتے تھے۔ تمہارے سامنے مذہبی محاربہ ہے۔ اس کے لئے البتہ زیادہ استعداد قوت جمیعت اور ثبات کا ثبوت دو گے۔

پرانی دہلی میں نئی صورتیں

اکرم اگرچہ افغانی دربار میں بہت عزت و منزلت رکھتا تھا۔ مگر اس نے ملازمت کبھی اختیار نہیں کی تھی۔ باوجود اس کے قومی معاملات میں وقوف رسوخ اور اصلاح کے سبب علاوہ جنگ کے اس کی خدمات امن کے زمانے میں بھی بہت نفیس اسلئے امیر اور اس کے باقیماندہ اعیان دولت کو اکرم کا غیاب جلدی محسوس ہونے لگا۔ چونکہ اس کی طرف سے تحریک تو در کنار استغناء تھا۔ لہذا پچھتانیوالے اظہار بھی نہیں کرتے تھے۔ کہ حکومت سے غلطی سرزد ہوئی۔ وہ اپنی اراضی کی آمدنی کے سوا زیادہ انحصار تجارت پر رکھتا تھا۔ جس کا ذکر آچکا ہے کہ بخارا میں ایک طرف اور ہندوستان میں دوسری جانب پھیلی ہوئی تھی۔ سرحدوں سے نبٹ کر اب وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ تاکہ سوداگری کے لئے خود ملاحظہ کر کے زیادہ نافع اور وسیع طریقے قائم کرے۔ اگر کوئی اس کے اخراج کا ذکر کرتا۔ تو وہ جواب دیتا۔ کہ یہ تو ایک سیاحت ہے اگر مارا جاتا تو شہادت پاتا۔ اور قید میں پڑتا تو عبادت کا موقع ملتا۔ اس سیاحت میں بھی اس کا ویسا ہی انتظام تھا جیسا کبھی بخارا میں کر چکا تھا۔ ہر ایک پڑاؤ پر اس کے قاصد مقرر تھے جو خبریں انکی اہمیت کے اعتبار سے جلدی یا دیر میں پہنچاتے۔ اور کچھ عرصہ پہلے جا کر قیام کا اہتمام کرتے اسی مقصد کیلئے نامہ بر کبوتر بھی تھے۔ جو ایک کام سرانجام دے چکے ہیں۔

یہ زمانہ ۵۷ء کا ہے اور شروع سال ورنہ مارچ کے بعد افغان اپنے شوق سے بلا ضرورت ہندوستان میں نہیں آتا۔ شاہ شجاع

مجبوراً آیا اور فریاد کرنے لگا ؎

گرمیٔ ہندم دل و جاں را بسوخت - جنتِ کابل وطنم آرزوست

اکرم کے ساتھ اس کے سب رفیق سفر میں شریک تھے۔ البتہ بعض کو کابل میں زور سے رکھ کر آیا تھا تاکہ لازمی خبریں پہنچاتے رہیں اور کچھ اس کے اہل و عیال کے ساتھ سرحدات میں پیچھے باقی ہمراہ تھے۔ احمد کو قارئینِ نازک مزاج بھول گئے ہونگے۔ اس کی سرگذشت واقعات کے اعادے سے شاید یاد آجائے۔ چرسی تو فراموش نہیں ہوا ہوگا۔ دہلی پہنچ کر جب اکرم اور یوسف تجاری کاروبار میں چندے مشغول ہوگئے تو چرسی نے کہا کہ میں تو باغ بابر کی خاطر یہاں بھی اس کے بیٹے ہمایوں کے مقبرے کی مجاوری کروں گا۔ کریم کے بغیر وہ مجاوروں کی صحبت سے استفادہ نہیں کر سکتا تھا اور لاٹ کے خانساماں کی مدد کے بغیر وہ کیا اکرم وغیرہ بھی ہندوستان کے موجودہ حالات سے آگاہ نہیں ہو سکتے تھے جو ایک دہشتناک طوفان کی اطلاع دے رہے تھے۔ یہ خانساماں گلجان کی پناہ میں آکر صحیح و سلامت رہا اور ہندوستان بھیجا گیا تھا اور یہاں اپنے وطن کی خدمت میں اپنے خیال کے مطابق سرگرم ہونے کے سبب ان اسباب سے واقف تھا جو تلاطم کا موجب تھے۔

ایپی کیوریس نوجوانی میں عیاش تھا حکیم کا درجہ پا کر البتہ جد و ہزل میں تمیز کرنے کے قابل ہوگیا۔ مگر اس کی حکمت میں عیش و عشرت کی بو آتی ہے اگرچہ اس میں یہ نکتہ اس نے دریافت کیا کہ خوشی کا انتظار اس کے عین استعمال سے زیادہ مسرت آور ہوتا ہے اینٹنی کی طفولیت ناز و نعم میں گذری تھی جوانی میں کارنامے دکھا کر آخر کلیوپیٹرا کے زلفوں میں پھنس کر ایسا رہ گیا کہ اس کی بیچارگی اس کی مردانگی سے بالکل مختلف تھی۔ نیرو کو حکیم سینیکا نے پرورش اور اتالیقی کے دوران میں بعض جزوی ملامتوں کے قابل کاموں کی اجازت دے رکھی تھی۔ انہوں نے نشو و نما پا کر بادشاہی کی حالت میں ظلم و تشدد برپا کئے جو ضرب المثل ہوگئے ہیں۔ امام غزالی نے شرعی تعلیم مقلد محض کی طرح پائی اور جب مدرسہ نظامیہ کی آزادانہ فلسفی تلقین نے اثر کیا تو دس سال کی دہریت منتج ہوئی۔ مگر بڑھاپے میں ایسا ارتجاع ہوا کہ نیشاپور کی بڑھیا عورتوں کے عقیدے پر مرنے کی تمنا ظاہر کی۔

یہ مثالیں ہم نے چرسی کی معذرت کے طور پر پیش کی ہیں جس نے نشے سے توبہ کر کے ایک اسلامی خدمت ادا کی مگر چونکہ عمر چرس میں گذاری تھی اس لئے خمار سے شکست کھا کر پھر اسی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اب بھی جیسا نجاست سی چیز بے فائدہ نہیں ہے۔ اس سے کچھ فائدہ مل رہا ہے خصوصاً اس کی باتوں سے جو کاموں کے نہ ہونے سے چرسیوں بھنگیوں اور پوستیوں افیونیوں میں نرم نرم آہستہ آہستہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ جب اکرم اور یوسف وغیرہ اس کو ملنے جاتے ہیں یا قدیم عمارات دیکھنے کے ضمن میں ملتے ہیں تو اس کو ہمایوں کے مقبرے کی چھت پر لے جا کر سرخ سنگی سائبان کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں اور وہ اپنے مشاہدے بیان کرنے لگتا ہے:۔

وہ سڑک جو ہمارے سامنے شہر سے قطب منار کی طرف جاتی ہے۔ میرے سامنے طرح طرح کے مناظر پیش کر چکی ہے۔

جن میں سے دو ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے نشہ اور ہوش اس لئے میرے ذہن میں ایسے روشن ہیں کہ چرس کا دھواں بھی ان کو دھندلا نہ کر سکا ہے۔ ایک دن تین مغلیہ شہزادے خادموں کے ایک گروہ کے ساتھ ٹھٹھا مخول اور مستی و بازی کرتے یہاں سے گذر رہے تھے۔ ایک غریب آدمی گدھے پر سوار جا رہا تھا اسے اتار کر مجبور کیا کہ گدھے کو بدلہ دے۔ یعنی خرخوجہ کی کابلی کھیل کی طرح اپنی پیٹھ پر لادے۔ بیچارہ منت سماجت کرتا رہ گیا مگر نوکروں نے اٹھا کر اس کے کندھوں پر دھر دیا۔ گدھا لاتیں مارتا بھاگ جاتا ہے اور شہزادے اسے گالیاں دے کر چھڑیوں سے مار کر اس کے پیچھے بھگاتے ہیں اور وہ روتا ہے تو ہنستے ہیں۔ وہ مقبرے میں پناہ لیتا ہے تو میں ہمدردی کے طور پر اسے کہتا ہوں کہ کیوں بادشاہ کی بارگاہ میں فریاد نہیں کرتے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ:۔

ایک بادشاہ نہیں ہے۔ حکومت کا گوشت و پوست جدا ہے۔ مغل صرف ہڈی ہے۔ مغز کوئی اور ہے پھر بھی اگر بادشاہ کے پاس عرض کروں اگرچہ رسائی محال ہے تو وہ برخورداروں کی چالاکی و چستی پر خوش ہوگا اور کچھ عجب نہیں کہ اس کے مصاحب شاہانہ خوشنودی کے لئے میرے دعوے کی تصدیق چاہیں اور پھر گدھے کو مجھ پر سوار کر دیں۔ دوسرا حاکم انگریز ہے اور اس کے پاس بغیر روپے کا کاغذ خریدنے کے عرض نہیں ہو سکتی۔ اپنی پیسوں سے گھی اور گوشت کھا کر اپنی کوفت و ماندگی نہ اتاروں تو گدھا ہوں۔ اگر غیرت میں آکر بھوکا رہ کر دعوے بھی کروں تو شاہی خاندان کے مقابلے میں میری کون سن سکتا ہے۔

ایک تو یہ واقعہ دیکھا۔ اس کے برعکس دوسرے دن چند گوروں کا قصہ سنئے کہ اسی سڑک پر جاتے ہوئے تھم گئے اور ایک مسلمان کو جو کنارے پر نماز پڑھ رہا تھا تکنے اور ہنسنے لگے۔ جب وہ سجدہ میں گیا تو قہقہہ مارتے کے ساتھ شور و غوغا کرنے لگے۔ نیت توڑ کر وہ جھنجلا کر اٹھا مگر ان کی تعداد زیادہ دیکھ کر کھڑا رہ گیا۔ اتنے میں ایک ہندو راہگذر نے مسلمان کی تخفیفِ تکلیف کی اور اپنی مصیبت و شامت کا باعث ہوا۔ ایک نے اس پگڑی اتار کر پھینکی اور اس کے نیچے سے جو چوٹی ٹنگی تو سب کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ دوسرے نے بالوں کو پکڑ کر اسے کھینچنا شروع کیا اور وہ بے چارہ چوٹی کے ٹوٹنے کے خوف سے نزدیک ہوتا تو ٹھڈے کھاتا۔ بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کر مقبرے میں آیا تو میں نے اسے بھی کہا کہ کیوں کچہری میں نالش نہیں کرتے۔ اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا کہ جب مدعی و مستغیث سیاہ ہو اور مقابل سفید تو کب شنوائی ہوتی ہے۔ اتنے میں وہ مسلمان نمازی بھی آ پہنچا اور کریم کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ ہندو اور مسلمان دونو کے پاس چھپائی ہوئی تلواریں تھیں جس میں نے آپے سے باہر ہو کر کہا کہ کیوں دونو نے مل کر اسی وقت بدلہ نہ لیا۔ مگر میں نے خود ہی ان کی طرف سے جواب بھی دے دیا کہ جب مغل بادشاہ ہی بادشاہی کے قابل نہ رہا ہو تو رعایا کس کے بل بوتے پر اترائے۔

کریم کی باتوں سے مگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہندو اور مسلمان متفق ہو رہے ہیں اور تمام فوج ملک کے ایک سرے سے دوسرے تک ایک دن اور ایک خاص گھڑی کی منتظر ہے۔ اس وقت سب یک دم اٹھ کر انگریزوں کو ہر جگہ قتلِ عام کر دینگے اور مغل کو

خودمختار بادشاہ بنائینگے۔ میں تو دونو کی بادشاہی سے بیزار ہوں اور اپنے وطن میں بھی جب آرام نہ دیکھا تو سوائے چرس میں چین پانے کے اور کیا کروں؟ اس گفتگو کے اثنا میں تصور حسین اور احمد بھی آپہنچے اور خاں زادۂ قزلباش نے ریل کی کہانی سنائی جس کا ماحصل یہ ہے:۔

ناظر احمد نے سٹیشن پر پہنچ کر ٹکٹ خریدنے چاہے اور بابو سے کرایہ پوچھا تو اس نے دس روپے طلب کئے۔ احمد نے کہا کہ سفر اتنا زیادہ نہیں ہے۔ پانچ روپے لے لو۔ اس نے پھر سختی سے کہا کہ دس روپے سے بالکل کچھ کم نہیں ہوسکتا تو احمد نے کہا اچھا ایک اور لے لو اتنے میں ریل کی سیٹی سنائی دی تو احمد نے سات روپے پھینکے اور دو ٹکٹ اس کے ہاتھ سے چھین کر بھاگا گاڑی جا رہی تھی۔ احمد نے چڑھنے کی کوشش کی مگر گارڈ نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا کہ چلتی گاڑی میں بیٹھنا منع ہے۔ احمد کھسیانا ہو کر انگریز کی طرف غصے میں دیکھنے لگا۔ جب آخری گاڑی پہنچی تو گارڈ اطمینان سے دوڑ کر اس پر چڑھنے لگا۔ احمد نے جھٹ اس کی بانہہ پکڑ کر روکا اور کہا جو قاعدہ احمد پر ہے وہ مسیح پر بھی عائد ہونا چاہئے۔ گارڈ پیچھے رہ گیا اور اس نے لگاتار سیٹیاں بجا کر گاڑی کو ٹھہرایا ٹکٹ کا بابو بھی ہانپتا ہانپتا آپہنچا تھا بڑی مشکل سے اس کو تین روپے اور دئے۔ گارڈ منصف مزاج آدمی تھا۔ احمد کی حاضر جوابی پر ہنسا مگر اس کے کندھوں پر لٹا ہوا گٹھڑ دیکھ کر کہنے لگا کہ اس میں کیا ہے؟ احمد نے کہا کہ کھانے پینے اور اوڑھنے کی چیزیں ہیں۔ گارڈ نے کپڑا کھول کر دیکھا تو اس میں سے بھیڑ نکلی اور کہا کہ یہ جاندار ہے اس پر جدا کرایہ دینا ہوگا۔ احمد نے کہا کہ لوگ اس سے بھاری چیزیں لے جا رہے ہیں میں رستے میں اس کا دودھ پیونگا اور اس پر تکیہ لگا کر لیٹونگا۔ اور منزل پر پہنچ کر اسے کھاؤنگا۔ گارڈ نے پھر کہا کہ یہ جاندار ہے۔ احمد نے جھٹ چھری نکال کر اسے ذبح کر ڈالا اور پھر لپیٹ کر اپنے ساتھ گاڑی میں دھر لیا۔ گارڈ ہکا بکا رہ کر پھر ہنسا اور ٹکٹ کالیکٹر کو بھی کوئی قانون نہ سوجھا۔

وہ ہندو جس کو گوروں نے ستایا تھا کریم کا پرانا واقف نکلا۔ اس نے بتایا کہ انگریز ہند کا دین اور دھرم بگاڑ رہے ہیں۔ گائے اور سؤر کی چربی خود تو ہمارے سامنے مزہ لے کر کھاتے ہیں سپاہیوں کو بھی بے خبری میں چکھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی شریعت کے مطابق چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے نہیں دیتے اور ہمارے رواج کے مطابق ستی ہونے نہیں دیتے۔ چنانچہ یہاں نزدیک گاؤں میں کابل سے ایک ہندو لڑکی بیاہی آئی تھی۔ لڑکا بڑا دولت مند تھا۔ لاکھوں روپیوں کا مالک اس لئے پہلے سے کئی بدکار لڑکیوں کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ کابلی لڑکی نے گھر پہنچتے ہی تنہائی میں اسے دھمکی دی اور ایسا ڈرایا کہ پھر وہ گھر نہ ٹھپکا۔ جسمانی قوٰے نوجوانی میں ہی خرچ کر چکا تھا۔ کچا ہی پک کر چل گیا۔ لڑکی اگرچہ کنواری ہی تھی مگر دھرم کی ایسی پکی کہ ستی ہونے پر ضد کرنے لگی۔ اس کے رشتہ داروں نے خفیہ انتظام کیا اور آج اسے فلانے جنگل میں چھپا کر جلائینگے کیونکہ ظاہر ہونے پر سب کالے پانی بھیجے جا سکتے ہیں۔

قزلباش خانزادے کے جسم میں اس اطلاع سے آگ سی لگ گئی۔ چپکے سے احمد کو کچھ کہا اور دونو باہر نکل کر گھوڑوں

پراس جنگل میں جا گھسے۔ عین وقت پر پہنچے کیونکہ لڑکی چتا میں بیٹھی تھی۔ خانزادے نے فوراً فارسی میں آواز دی کہ تمہارے شباب کا غنچہ ابھی کھلا بھی نہیں اپنی عمر کی گلبن کو کیوں نذر آتش کر رہی ہو۔ لڑکی نے لکڑیوں سے نکل کر جواب دیا کہ میری زندگی کا پھول تمہارے بغیر رنگ و بو پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ لکی اور تصور حسین نے جھٹ اٹھا کر گھوڑے پر سوار کر لی۔ جنگل کے درمیان اس کو مردانہ کپڑے احمد اور خانزادے نے اپنے اپنے بدن سے کچھ اتار کر پہنائے۔ احمد اکرم کی طرف رخصت ہوا اور خانزادہ اطمینان سے کیونکہ تعاقب کا اندیشہ نہیں تھا گویا ہندوستان کو فتح کر کے مع اس کی ملکہ کے سرحدات کو روانہ ہوا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلِك امرًا +

اکرم اس وقت نظام الدین اولیا کی مزار پر تھا۔ جب احمد نے آکر خانزادہ کا قصہ سنایا جو بجلی کی طرح چمک کر اودستی کے مددگاروں کو برق زدہ بنا کر ختم بھی ہو چکا تھا۔ سامنے امیر خسرو کی قبر تھی۔ کریم نے حسب حال کہا کہ یہ شیریں مقال شاعر اہل قلم کا امیر اور سخندانوں کا خسرو اپنی زندگی میں بھی نظام الدین اولیا کے قدموں میں ہی رہتا تھا اور اب بھی انہی کے پاؤں میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی کلام کی طرح یہ سنگ مرمر کی مرقد بھی نفیس نقشوں سے آراستہ ہے۔ امیر خسرو اپنے مرشد کے پاس سے اٹھ کر شہر کی طرف جا رہا تھا کہ ایک ہندو عورت مٹھائی لئے جاتی دکھائی دی اس پیچھے ہو لیا۔ وہ مندر میں پہنچی اور بت کے سامنے ہاتھ باندھ کر منت کرنے لگی کہ دیوتا میرا چڑھاوا قبول کیجئے اور رکھائیے۔ امیر خسرو نے کہا کہ تیری پوجنے والی مجھ سے بہتر ہے کیوں اس کا حکم نہیں مانتا؟ بت جھٹ کھانے لگا۔ عورت اس کے پاؤں پر گر پڑی اور پجاری بھی اوندھے گرے وہ بھی قائل ہوئے۔ مگر ہندو عورت مسلمان ہو کر مری۔

گدھ لم ڈھینک اور چیل کوے میونسپل کمیٹی کے خادم اور مکھیاں پروانے کیڑے مکوڑے ضد عفونی پر مامور ہیں جب مدینت نہیں ہوتی۔ بدویت دور ہوتے ہی یہ بھی غائب ہو جاتے ہیں اور ان کی بجائے صفائی و صحت کے فرائض بہتر طریقوں سے اجرا ہوتے ہیں۔ جب انسان وحشی ہوتے ہیں تو طبیعت ادنےٰ وحوش و حشرات الارض سے کام لیتی ہے۔ آثار عتیقہ اور قدیم عمارات و مزارات پر نشہ پینے والے پہرہ دیتے ہیں۔ ان کی خبر گیری کرتے ہوئے زائرین کو روایات بھی سناتے ہیں جو تہذیب کے ورود پر تعلیم یافتہ اہل درایت بتاتے ہیں۔ شاید یہ دور شروع ہونے کو ہے جو ایک چہل سالہ آدمی دہلی کی مسجد بلبن میں کاپی اور پنسل لئے داخل ہوتا ہے۔ کچھ قلمبند کر کے پتھر اور لوہے کی لاٹوں کے نیچے کھڑا ہو کر کندہ عبارت نقل کرتا ہے۔ پھر ایک عالیشان مسجد کے گنبد کے نیچے مواشی بندھے دیکھ کر سرد آہ بھرتا ہے۔ پھر التمش کے مقبرے میں جا پہنچتا ہے اور نامکمل منار کو دیکھ کر اس کا آدھا خاکہ کھینچ کر قطب منار پر چڑھتا اور منہدم تعلق آباد پر نظر مارتا ہے۔ عمارتوں کے اس گورستان کا نظارہ کر کے نیچے اترتا اور امام ضامن کی زیارت کر کے واپس شیر شاہ کی مسجد میں آ پہنچتا ہے۔ سیڑھی پر چڑھ کر دیکھتا ہے کہ اس عبادتگاہ کے رکھوالے دہی مردار خور ہیں جو نشے پیتے اور دھوپ سینک رہے ہیں۔ ایک چرسی ہے دوسرا پوستی اور ان کے پاس کچھ اور اشخاص بھی ہیں

نیاوارد لاحول پڑھ کر کہتا ہے کہ آخر افغانی عمارت چھپی نہیں رہتی۔ قطب منار پر چڑھتے انسان تھکتا نہیں مگر یہاں میں ہانپنے لگا۔ زینے کے مرتبے اتنے بلند ہیں کہ افغان ہی آرام سے ان پر چڑھ سکیں۔ یہاں بھی قوت کا اظہار ہے۔ یہی ایک فرق ہے ورنہ اس مسجد کے منار گنبد اور چھت شان و جمال میں مغلیہ عمارات سے کسی طرح پیچھے نہیں۔

اورنگ زیب کی اولاد میں سے ایک شہزادہ عیش و مستی میں مال و جان برباد کرکے اب پوستی ہے۔ لاحول سے چونکا ہوکر اور باقی بات بھی سنکر جواب دیتا ہے کہ مغل کا نمک کھا کر اور آبائی حقوق برباد کرکے انگریز کے ایک لقمے کے بدلے دوا کو بیچتے ہو۔

نیاوارد۔ اگر آباؤ اجداد کا ذکر ہو تو وہ ہرات کے باشندے تھے جہاں افغانی حکومت ہے میرے نزدیک مغل اور افغان مساوی ہیں۔ جو کوئی بھی اسلام کی خدمت کرکے عزت کا مستحق ہے۔ حتیٰ کہ اگر انگریز بھی مسلمانوں کے خیر خواہ ہوں تو میرے نزدیک معزز ہیں بشرطیکہ ہمارے دین میں مداخلت نہ کریں اور ہم کو ہمارے گھر بار سے نہ نکالیں۔ لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم۔

پوستی۔ او سید! مسجد سے نکل کر اوپر آئے تھے کہ ایک گھڑی کلام پاک کے سننے سے تخفیفِ تصدیعہ ہو تم یہاں بھی دخنہ کی سلسلہ جنبانی کرنے لگے۔ اور وہ بھی کفار کی مدح میں۔ بیشک وہ قرآن مجید کا ظاہرہ ادب کرتے ہیں۔ مگر گورے پوستوں کے ڈھیر پر چڑھ کر جو بوٹوں سے ان کو دباتے ہیں ان کو تو ان کے پھٹنے میں مزہ آتا ہے مگر خشخاش جو باہر نکلتی ہے تو میری جان ہی نکلتی ہے۔ لو میں یہاں سے بھاگتا ہوں اور میرے دوست البتہ تمہارے ساتھ باتیں کرینگے۔ رفیقو! یہ سید احمد خاں ہے جس کا یہ خیال ہے کہ مسلمانی در کتاب و مسلماناں در گور۔ اس لئے ویرانوں میں اور کھنڈرات میں پھر کر ان پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہے۔

سید احمد خاں۔ اچھا ہوا کہ پوستیوں کے بادشاہ نے آپ کے ساتھ میرا تعارف کرا دیا۔ غازی اکرم خاں اور جرنیل یوسف خاں۔ آپکی ملاقات سے میں مشرف ہوا۔ میری خوش نصیبی کی کوئی انتہا نہیں۔

اکرم۔ فخر ہم پر عائد ہوتا ہے کہ آپ جیسے محترم اور راسخ مسلمان اور مکرم و موقر شخص کا نیاز حاصل ہوا۔

سید احمد۔ جو کوئی بھی میرے جد امجد کے دین کی خدمت بجا لائے مجھے شخصاً ممنون کرتا ہے۔ میں آپ کی شجاعت اور استقامت کا گرویدہ ہوں۔ آپ کی شہرت عام ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہماری گورنمنٹ آپ کو بلند عہدے دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اور مجھے یہ بھی اطلاع ہے کہ باوجود اپنے ملک سے مایوس ہونے کے آپ دوسرے وطن میں رہنا نہیں پسند کرتے اور اس کے حب کی حب میں ملک سلیمان بھی آپ کو نہیں بھاتا۔ جرنیل یوسف خاں کا وطن اب افغانستان ہے اور اس کا بحیثیت مسلمان ہونے کے میں قدردان اور ثنا خواں ہوں۔

اکرم اور یوسف بڑے وجیہ دلاور قوی اور تجربہ کار تھے۔ مگر دونوں اس شخص کی فوق العادۃ خبرداری اور ذہانت سے دنگ رہ گئے جو اس کے چہرے اور زبان سے مترشح تھی۔ پھر بھی فرق بیّن تھا۔ محکومیت کا اثر اس کے بشرے سے عیاں اور وہ دونو اگرچہ ملک بدر تھے پھر بھی حاکمیت کی علامات ان کی ڈیل ڈول سے نمایاں تھیں۔

اکرم۔ ہم فی الحال تاجر ہیں اور ہندوستان میں سیاحت کرکے البتہ اپنی تجارت کی توسیع چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی سیاسی مشاہدات خود بخود ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی اتفاقی ملاقات سے بھی کچھ توقع ہے۔ ہم نے آپ کا نام سنا تھا اور ہمارے بعض تجار جن میں سے ایک کا تخلص ہی تاجر اور وہ بڑا نکتہ فہم شاعر ہے۔ آپ کی آئندہ نامداری کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ آپ برعکس ہمارے گمان کے ہماری تقدیر و تحسین کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی روش آپ کے خیال کے خلاف ہے۔ ہم کو آپ خادم اسلام فرماتے ہیں۔ اس لئے ہم کو قابل عزت سمجھتے ہیں۔ ہم نے سوائے اس کے کچھ نہیں کیا کہ انگریزوں کو اپنے ملک سے خارج کردیا اور آپ خود اس کا ارادہ بھی نہیں رکھتے۔ جو چیز آپ ہمارے لئے پسند کرتے ہیں وہ اپنے لئے کیوں گوارا نہیں کرتے؟ ہم نے اپنی گردشوں میں محسوس کیا کہ لوگ موجودہ حالت میں تنگ آرہے ہیں مگر آپ اس سے استفادہ نہیں کرتے بلکہ حکومت کی ملازمت و معاونت میں سرگرم ہیں۔

سید۔ پہلا تفاوت ہم میں اور آپ میں یہ ہے کہ ہمارا بادشاہ اور اس کا خاندان خواہ ہندی مضعف آب وہوا سے یا اس عیش و تنعم سے جو محمد شاہ کے زمانے سے ان کے رگ و ریشے میں نسلاً بعد نسل سرایت کررہا ہے۔ اس قابل نہیں رہا کہ استقلال و آزادی کے خواب بھی دیکھے اور مغلوں کی بجائے اور کوئی دوسرا قبیلہ یا طائفہ بھی نہیں جو ادعائے تخت و تاج رکھ کر اس کے لئے بہادرانہ میدان میں اترے جیسا احمد شاہ کی اولاد میں جب زوال و اضمحلال آیا تو بارک زائی مل اٹھے۔ اور وزیر فتح خاں کے بھائی جو شیروں کا ایک جتھا تھے عنان سلطنت زور بازو سے ہاتھ میں لے بیٹھے اور ساری ملت ان کی موید ہوگئی۔ یہ دوسرا فرق ہے ہم میں اور آپ میں۔ یہاں مسلمان ایک چوتھائی بھی نہیں ہیں اور ہندو ہمارے لئے ویسے ہی بیگانے ہیں جیسے انگریز بلکہ باوجود اس کے کہ ہر قوم میں نبی آئے ہیں۔ ولکل امۃ رسول۔ ہمارے علما ہندوؤں کو مشرک اور نصاریٰ کو اہل کتاب سمجھ کر اپنے اقرب خیال کرتے ہیں اگرچہ وہ عقرب ہی ہوں۔ اس کے جواب میں ہندو بھی ہم کو غیر ہی سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ سینکڑوں سال ہمارے ماتحت رہنے کے عادی ہوچکے ہیں۔ ان کے لئے مساوی ہے کہ ہم حکمران ہوں یا کوئی اور بلکہ مغلوں کی ابتری و فتور کا عہد جو دیکھ چکے ہیں وہ طبعاً اس کا اعادہ نہیں چاہتے بلکہ انگریزوں کی اطاعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ آپنے موجودہ حالات میں ہندو اور مسلمان کا اتحاد ملاحظہ کیا ہے۔ یہ ابن الوقتی سے عارضی ہے۔ بالغرض اگر کامیابی سے انگریزوں کا مقابلہ کربھی لیں تو پھر آپسمیں لڑیں جھگڑیں گے اور پھر انگریز آجائینگے اور انتقام بھی لینگے۔ اس بارے میں میری تائید آپ کی حکومت نے کی ہے۔ امیر صاحب کے ساتھ انگریز معاہدہ کرنا چاہتے ہیں اور

اس کی موافقت و مخالفت کو لاکھوں روپے کے عوض خریدتے ہیں۔ جب آپ جیسے کسی اولوالعزم نے یہ رائے دی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کر کے انگریزوں کے برخلاف کھڑا کیا جائے اور اس وقت ہندوستان پر حملہ کیا جائے تو امیر کے بھائیوں نے کہا کہ اگر سارے انگریز مارے بھی جائیں تو ان کو معتدبہ ضرر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ دس گنا اور مزید اسلحہ لے کر لنڈن سے آپہنچینگے۔ ان کے جہاز نہ صرف کلکتہ اور بمبئی کے سر پر فولادی گھونسے کسے اترا رہے ہیں۔ بلکہ بندر عباس اور بوشہر کو بھی تخویف و تہدید کر رہے ہیں اس لئے ایران حرکت نہیں کر سکتا اور افغانستان وزیر با تدبیر اور آپ کے بغیر بجز سکون کے اور کوئی وضع ہی اختیار نہیں کر سکتا۔ لہذا ہم کو بھی سکوت ہی لازم ہے۔

اکرم۔ آیا حضرت موسےٰ قوم جبارین کے ڈر سے بنی اسرائیل کو متابعت کی ہدایت کرتے تھے؟ آپ کشت و خون سے غدر کر رہے ہیں اور دشمن کے ازالے کی کوئی سبیل بھی نہیں بتاتے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ مال و جان سی عزیز چیزیں جب تک قربان نہ کی جائیں۔ حاکمیت ایسی اعلےٰ نعمت کیسے دستیاب ہو سکتی ہے ؎

اگر خونش حیات تازہ بخشد جسم مذہب را ۔ بخوں غلطیدنِ ملت بکیشِ ما روا باشد

بالفعل یہ فداکاریاں کمتر ہونگی بہ نسبت آئندہ زمانے کے جب انگریز یہاں محکم ہو کر آپ کی کمزوریوں کو پہچان کر ان کے ازدیاد میں ساعی ہونگے اور آپ کے قوی مقامات کو ضعیف کرنے کے درپے ہونگے۔ بیشک ہندو اور انگریز دونو غیر ہیں۔ مگر وطنیت کے لحاظ سے ہندو اور مسلمان ایک ہیں۔ اگر آپ دونو متفق ہو کر ایک دفعہ غالب آگئے تو یہ اندیشہ کہ انگریز پھر بدلہ لینگے عزنفس کا خدشہ نہیں۔ بفرض محال اگر دوبارہ فاتح ہو بھی گئے تو آپ کی عزت کرینگے۔ اور اگر آپ نے بغیر مقاومت کے اطاعت کی تو ذلت شروع ہی سے نصیب ہو گی۔ بہادر دشمن اگرچہ مغلوب ہو معزز ہوتا ہے۔ اور بزدل دوست ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔

انگریزوں اور سکھوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ ہمسائگی کے سبب سردار اکرم خاں کو سکھوں کی کمک پر بھیجا اور ہمارے پانچ ہزار افغانوں نے اگرچہ پوری مردانگی سے مقابلہ کیا مگر انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی۔ ہماری فوج واپس آگئی مگر نہ انگریزوں نے انتقام لیا اور نہ ہم اس سے ڈرے۔ آپ موہومی خطرات سے مرعوب ہو کر نہ صرف اپنی ملت کو حلقہ بگوش بنا رہے ہو بلکہ ہمارے لئے بھی پریشانی کے اسباب فراہم کر رہے ہو۔ آپ کی مستعدانہ غلامی و اسارت سے دلیر ہو کر وہ ہم پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرینگے۔ اگر حملے سے نہیں تو حیلے سے۔ ڈاکٹر سوداگر اور پادری پیش خیمہ بنینگے اور اگر افغانستان مقبوضہ نہ بنا تو مکمل خود مختاری سے ضرور محروم ہو جائیگا۔ کسی اور دولت و ملت کے ساتھ ہمارا سروکار نہیں ہو سکے گا۔ اور تجارت بھی صرف انہی کے ساتھ ہو گی جس سے ہماری ثروت میں خسارہ ہو گا اور ہم سلطنت برطانیہ کے ایک جزو اگر نہیں تو صرف ان کے دست نگر ہو کر دول و ملل عالم میں کم پایہ اور حقیر ہونگے۔ اس کے جواب دہ بھی آپ ہونگے۔

سید۔ کاش آپ جیسے مرد یہاں ہوتے جو ملت کو بیدار کر سکتے۔ میری حسرت د تاسف کا کوئی اندازہ نہیں۔ جب ہر طرف نظر دوڑا کر سوائے مسلمانوں کی سستی کم ہمتی اور خود غرضی کے اور کچھ نہیں دیکھتا۔ میں نے آبائی منصب کے سبب مغلیہ دربار اور حکومت کو خوب ملاحظہ کیا ہے۔ ان کے ارکان میں عیش پرستی رشوت خوری اور ظلم و تعدی حکم فرما تھے۔ حکام و عوام سبھی جب اختیار دار ہوئے عدالت یا تجارت میں مکر و فریب کی چالیں چلنے لگے۔ ہندو مسلمان سینکڑوں عیوب سے ملوث جب یورپ سے سیلاب آیا تو اس کی تند موجیں ہم کو خس و خاشاک اور جھاگ کی طرح بہا لے گئیں۔ ہمارے ہر کام میں بے فکری اور لاعلمی اور ان کے سب افعال میں تدبر اور ہنر مندی۔ آیا ہمارا اور ان کا موازنہ ممکن ہے؟ گھوڑا اور ہاتھی اگر اپنی قوت و جسامت سے چندے آزاد و سرکش ہو جائیں مگر انسان کی حرص اور تدبیر ان کو کمال کی ران تلے دبا کر رام کر کے رہیگی۔ آپ لوگ آب و ہوا کی تقویت اور ملک و زمین کی دشوار گذاری کی وجوہات سے ہم پر فضیلت رکھتے ہیں مگر نہ انگریزوں پر۔ آپ میں بھی اکثر ایسے ہیں جو جہالت و شرارت میں ہم پر فوقیت رکھتے ہیں اگرچہ آپ جیسے نفوسِ نفیسہ مستثنےٰ ہیں مگر وہ بھی تو آپ ہی کی ملت کے افراد تھے جنھوں نے آپ کو یہ روز بد دکھایا۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ کیا ہم میں اور کیا آپ میں جب تک علم و فن مروج نہ ہو اور اس کے لئے مدت مدید درکار ہے۔ ہم انگریزوں کے ساتھ ہمسری کا دعوےٰ نہیں کر سکتے۔ یہ علم و فن چونکہ نئی چیز ہے ہماری قوم اسے پسند نہیں کریگی۔ وما یأتیھم من ذکر من الرحمٰن محدث الا کانوا عنہ معرضین۔ عوام کالانعام بلکہ علمائے اعلام علم و فن سے متنفر ہیں اور یہی امر ہماری منزل مقصود کو دور کر رہا ہے۔ پھر بھی میں اسی کو جہاد سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی جدید تعلیم میں اقدام کروں تاکہ وہ عالم ہو کر آزادی کے حقوق طلب کریں۔ اگرچہ میں اُسوقت نہ ہوں۔ ایک زمانہ آئیگا کہ انگریز ہندوستان کو اس کے اہل باشندوں کے ہاتھ سونپ کر رخصت ہوں گے مگر اب محکومیت جو ہر چند موت سے بدتر ہے مجبوری ہے۔ میرے لئے اپنی جان قربان کرنا آسان ہے اور مسلمانوں کو تعلیمیافتہ بنانا مشکل ہے۔ مگر میں اس مشکل کو حل کرنے کی سعی کرونگا۔ ہر دم شہید ہونگا اور یکدم شہادت کی سہولت کو پس پشت ڈالونگا۔

غلام محمد نواب رامپور اپنے ہم وطنوں سے مایوس ہو کر مکہ مکرمہ گیا تاکہ تمام مسلمانوں کے مرکز سے دائرۂ جمعیت کو وسیع کرے مگر وہاں سے کوئی حوصلہ افزائی نہ پا کر کابل کی طرف راجع ہوا شاہزمان سدوزائی نے اسے قطعاً ناامید گردانا۔ لاجرم اُس کی ریاست انگریزوں کے قبضے میں رہی۔ میرے ہم نام نے شاہ اسمٰعیل دہلوی کے ساتھ مل کر ایسی ہی ہجرت و ہمت کی انہوں نے نہ تو ہندوستان سے اور نہ افغانستان سے باوجود مسلمت کے کوئی معاونت پائی حالانکہ ان کا مقابلہ صرف سکھوں کے ساتھ تھا جو ہم سے بھی گئی گذری قوم کے افراد ہیں۔ ان مثالوں سے بھی میرے عقیدے کی تائید ہوتی ہے کہ قومی اتحاد و استعداد علم و فن پر منحصر ہے اور اس کے بغیر ملی حاکمیت محال ہے۔ میں نے آج اعتماد الدولہ کے مقبرے کے گرداگرد

طالب علموں کے حجرے دیکھے جن میں سینکڑوں لڑکے رہتے اور یہی تعلیم یافتہ ہوکر حکومت کی باگ ہاتھ میں لیتے تھے۔ میں اس سے زیادہ وسیع مدرسہ بناؤنگا اور جو کام ایک شخص کی فیاضی نے کیا تھا اس سے بدرجہا زیادہ اس لئے کرکے دکھاؤنگا کہ میرے دارالعلوم کے بنانے میں ساری قوم متفق ہوگی۔

جب سید احمد خاں اور افغانی رفقا مسجد پر سے اتر کر نیچے آئے تو احمد نے اس کے صحن سے دور ایک کھلی جگہ فرش بچھا کر مسافرانہ حیثیت کے مطابق چائے تیار کر رکھی تھی جسے پینے کی تکلیف سید احمد خاں کو بھی دی گئی۔ اس اثنا میں پوستی شاہزادہ ستار بجاتا تھا اور فقط ایک ہی شعر گائے جاتا تھا۔ درمیان میں کبھی کہتا مکرر۔ پھر الاپتا اور خود ہی بولتا قند مکرر۔ پھر گانے لگتا اور پھر کہتا قلقل شیشہ مکرر۔ شعر یہ تھا ؎

لام نستعلیق کا ہے اس بتِ کافر کا زلف ۔ ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے

سید احمد خاں نے بھی جس کو راگ رنگ کا شوق تھا ثمر اور مضمون دونو کی داد دی تو پوستی نے بے ربط کہا کہ شیر خاں جب شیر شاہ ہوگیا تو ایک رات خواب دیکھا کہ ایک فقیر پوست پی رہا ہے اور وجد میں آکر کہتا ہے کہ اس ریت کے ٹیلے کو کھودو اور اس کے نیچے سے ایک بنا بنایا قلعہ نکال لو اور اس کے درمیان ایک مسجد تعمیر کرو۔ علے الصباح ایسا کیا گیا۔ پانڈو کورو کے زمانے کا قلعہ نکلا جو موجود ہے اور مسجد بھی ہے اور ساتھ ہم لوگوں کا نشیمن بھی ہے۔

سید احمد خاں ۔ ہم خیالی پلاؤ پکاتے رہے اور نقد سودا کو ہاتھ سے دیا۔ مجھے افغانی رباب دکھائی دے رہا ہے۔ کیا کوئی صاحب لطف فرما نہیں ہونگے۔ افغانوں میں تلوار کے ساتھ رباب کی مشق بھی مردانگی کی دلیل ہے اور میری آرزو ہے کہ اہل قلم بھی بن جائیں۔

اکرم ۔ میں نے آپ کی دہلی کی مجالس سے متاثر ہوکر اردو جو کچھ پہلے بھی سیکھا تھا اس میں شعر لانے (آورد) کی کوشش کی ہے اور اسیطرح میرے بھائی یوسف خاں نے انگریزی طرز پر کچھ کہا ہے۔ آپ کی ضیافت طبع کے لئے میں تو حاضر ہوں ؎

مواد بدن با دل و جاں وطن ہے ۔ پناہِ اخیرِ ہر انساں وطن ہے
میں صحرائے غربت میں مجنوں بنوں کیوں ۔ میرے گھر میں لیلائے مہماں وطن ہے
مرا یار کہلائے یورپ میں ابا ۔ ہنودِ موذب کی اماں وطن ہے

چھڑائیگا راون کے ہاتھوں سے رانا ۔ جو سیتا کی مانند نالاں وطن ہے
تسلط حکومت میں ہو جس کو حاصل ۔ اسی کے تصرف میں بے جاں وطن ہے
کمالات سے مقتدر قائدوں کے ۔ اشاروں پہ افتاں و خیزاں وطن ہے

عرب سے عجم تک کوئی ملک بھی ہو　　تمہارا گروہِ مسلماں وطن ہے
مگر آب و گل جس سے پہلے بنا تن　　مقدم وہی سب کا شایاں وطن ہے
پشاور کے میداں سے تا کوہِ کابل　　تمہارا یہ سب قوم افغاں وطن ہے
محلے سے قریے سے قصبے سے لیکر　　ممالک تلک اپنا یکساں وطن ہے
مگر پہلے روشن جو ہوجائیں گاؤں　　تو پھر خود بخود ہی چراغاں وطن ہے
جو گھر پاک ہو ہر گلی ہو مصفا　　تو خود رفتہ رفتہ گلستاں وطن ہے

نشیب و فراز و علو و تواضع　　ہوں جس سرزمیں میں وہ ذیشاں وطن ہے
نمونہ ہے یورپ کا یہ ایشیا میں　　ہر اک رنگ و بو سے درخشاں وطن ہے
سر و جان و سیم و زر و علم و فن کا　　مناسب طریقے سے داماں وطن ہے

کریں کیوں نہ اسکی ترقی میں کوشش　　مسلماں کا جب جزوِ ایماں وطن ہے
گر اخلاق و آداب سے ہو مزین　　تو تم سے مشرف جواناں وطن ہے
تمیز و ادب سے ہوں فرزند عاری　　تو لڑ سے ان کے پشیماں وطن ہے
ممات سعید و حیاتِ شقی سے　　مساوی ہی دو نو پہ گریاں وطن ہے
ہماری جہالت سے ملت پریشاں　　نفاق و جدل سے ہراساں وطن ہے

جو غربت کی سوجھی بدر گھر سے نکلے　　سدا چیر نیکو گریباں وطن ہے
نہیں قدر کرتے ہم اس کی حضر میں　　سفر میں ہی یاد غریباں وطن ہے

سید احمد خاں نے افغانی زباں سے اردو نظم کی ناموزونیت کا لحاظ رکھ کر اکرم کے مضمون کی جدت کی داد دی مگر پوستی شاہ سے نہ رہا گیا۔ بول اٹھا کہ کچھ ایسی بات سنائیے جو شاعر کو بھیے اور جس پہ سامع پھڑک اٹھے۔ مانا کہ آپ لوگ نئے پیرائے کے زاہد ہیں مگر موسیقی کے ساتھ حسن و جمال ہی مطابقت رکھتا ہے۔ یوسف نے اسی کو ملحوظ رکھا

غفلت نے تیری دل بتِ ظالم جلادیا　　اس سوز و غم سے سینے میں میرے جلادیا

قلبین فی جوف الرجل، میں نے غلط کہا — تھا ایک دل سو عرصے سے اس کو لٹا دیا
لوٹا ہوا یہ تیرے سوا اور کس کا ہے — لوٹا دیا تو گویا کہ مردہ جلا دیا
ورنہ گلہ نہ کرنا کہ اسکی تپش نے دل — تیرا بھی اک کباب کا ٹکڑا بنا دیا
پامال جس نے سوختہ دل بے خبر کیا — سمجھا کہ اس نے شر کا شرارہ دبا دیا
جب ابر آہ و نالہ نے برسایا انتقام — چلا اٹھا کہ اس نے تو مجھ کو ڈبا دیا

پنسل سے تھا لکھا جو بیک مالش ربڑ — نام و نشاں سب عہد کا تو نے مٹا دیا
غنچہ دہن صدا سے کلی کھلنے کی سحر — بولا کہ میٹھی نیند سے ہائے جگا دیا
جلوہ بلا حجاب دکھا از برائے حق — جس نے تجھے جمال صنم بے بہا دیا
تا حشر رہوں چشم براہ قبر میں بھی میں — نرگس کو تخم اشک نے میرے اگا دیا

تیرے ستم قفس میں بھی صیاد کم نہیں — اب آب و دانہ دنیا بھی تو نے بھلا دیا
آفت پڑی ہے گل پہ جو بلبل نے شاخ سے — شور و فغاں میں گھونسلا اپنا اٹھا دیا
مرجھا گئے ہیں باغ میں کیا پھول اے اسیر — ڈیرہ قفس میں اس لئے تو نے جما دیا

سید احمد خاں نے تو چپکے سے اتنا ہی کہا کہ ربڑ کی بھی ایک ہی کہی۔ مگر پوستی صاحب نے یوسف کو تنگ کر دیا کہ واہ واہ کلی سامنے اور کلی کھلنے پر کھلا۔ اور اس کی آواز سے جاگ اٹھا۔ پھر کہئے اور کہتے جائیے۔ اگر میں صاحب خزانہ ہوتا تو صرف اس شاہ فرد پر سب لٹا دیتا۔ جیسے میرے جد بزرگوار نے سمرقند و بخارا فتح کئے اور حافظ نے ایک خالِ ہندو پر بخش دئے۔

خونی مناظر میں سفر

دہلی سے اکرم یوسف اور ان کے رفقا آگرہ پہنچے۔ ہر چند وہ گمنامی میں سیاحت کرنا چاہتے تھے تاکہ ایسی چیزیں دیکھ سکیں جو نامور اشخاص اپنی شہرت و حرمت کے سبب دیکھنے کا تنزل نہیں کرتے مگر ان کی بہادری وطن پروری اور اسلامیت کی دھاک کم از کم ہندی مسلمانوں کے دل پر ایسی بیٹھی تھی کہ وہ جوق جوق ان سے ملنے آتے دعوتیں دیتے اور ان کی ملاقات سے

سیر نہیں ہوتے تھے۔ اس سے یہ گمان نہ ہو کہ افغانستان میں ان کی اپنی ملت خاموش تھی۔ اکرم کی اپنی قوم کے علاوہ شاہی خاندان اور اکثر قبائل کے خواص و عوام اور یوسف کے ماتحت فوجی افسر اور سپاہ کے سوا کافرستان اور ملحقہ علاقوں کے لوگ جوش و خروش میں آکر پہلے ان کی بے گناہی اور ضمانت کے عریضے دے کر آخر بغاوت پر آمادہ ہو رہے تھے۔ حکومت نے یہ کیفیت ملاحظہ کر کے صلائے عام دے دی کہ فراری عنقریب واپس بلائے جائینگے۔ چنانچہ سرکار انگریزی کو ہندوستان میں ان کی خاطر و مدارات کی سفارش کی اور خود ان کو بھی پیغام پہنچایا کہ جلدی وطن میں مراجعت کرنے کا موقع آئیگا مگر یوسف مصر تھا کہ جب تک ان کی بریت ثابت نہ ہوگی پردیس ہی میں رہیں گے۔

یوسف نے آگرہ کا تاج دیکھ کر کہا کہ یہ روضہ صنعتِ معماری کی آخری حد ہے جس کے بعد جوہری کی نفاست کاری شروع ہوتی ہے یا خواب ہے سنگ مرمر کا جس سے عالی خیال میں بھی نہیں سما سکتا یا سنگ مرمر کی شاعری ہے جس سے لطیف تر نظم وہم میں بھی نہیں آسکتی۔ باوجود اس کے ولیم بنٹنک گورنر جنرل نے فیصلہ کیا کہ اسکو گرا کر اس کے مواد سے عسکری بارکیں تعمیر کی جائیں۔ دستِ غیبی نے پردے سے نکل کر اس کو حکومت سے تبدیل کر دیا ورنہ یہ یادگار غائب ہو کر انگریزوں پر سیاہ دھبہ قائم رہتی۔

اکرم نے عمارت کی بہت تعریف کی مگر ساتھ ہی حیرت بھی دکھائی کہ مسلمان بادشاہ اسلام سے ایسے غافل ہوگئے تھے کہ اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون کو نظر انداز کر کے ایسے مکانات بناتے جو باوجود علوشان کے عبث ہوتے۔ اگر اس کی بجائے مسجد ہوتی یا سرائے یا مدرسہ جہاں ہمیشہ لوگ عبادت کرتے یا آرام پاتے یا خدمتِ خلق بجالانے کے قابل بنتے تو گورنر جنرل کو اس کی خرابی کی دلیل نہ ملتی اور اب جیسا کہ یہ روضہ محض بیکار ہے بیفائدہ ہے بلکہ اس پایداری اور آراستگی پر بیجا روپیہ صرف ہو رہا ہے کسی مفید مصرف پر لگتا۔

اکرم ابھی بات ختم کرنے نہ پایا تھا کہ کریم مع اس ترک کے سامنے آیا جس کے ساتھ آگرے کے مقدمے میں سابقہ ہو چکا ہے۔ معمولی احوال پرسی کے بعد وہ بر سر مطلب آیا:۔

میں ہندوستان میں ترکوں کے ساتھ مسلمانوں کا رابطۂ وداد قائم کرنے آیا ہوں۔ وہ جدائی اور تشتت جو دول وملل اسلامی میں واقع ہے اس کی خلیج روز افزوں فراخ ہو رہی ہے اور یہی سبب ہے کہ اغیار کا تغلب و تسلط بھی بڑھ رہا ہے اگرچہ ہندوستان میں مسلمان محکوم ہیں مگر انما المؤمنون اخوۃ کے رشتے سے بندھے ہوئے اپنے اور ہمارے بہت کام آسکتے ہیں۔ اگر ترکی ایران اور افغانستان متحد ہو جائیں تو یہ تینوں اپنی حاکمیت کے سبب نہ صرف ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں بلکہ ہندوستان کے لئے موجبِ راحت و نعمت ہو سکتے ہیں۔ ایک ایران کا مسئلہ ذرا مشکل ہے اور وہ ہرات میں افغانوں کی مفاہمت سے طے ہو سکتا ہے میں ہندوستان میں جہد مقل کر چکا ہوں اور اب ایران کا قصد رکھتا ہوں تاکہ اس کو ہرات

کے تشبث سے باز رکھوں۔ پھر البتہ افغانستان جاؤنگا اور امید ہے کہ آپ کے ساتھ وہاں عملی کارروائی کر سکوں۔

اکرم نے اسکو بڑے تپاک سے رخصت کیا اور یقین دلایا کہ اسکے نیک اور بانہ ارادوں میں وہ ہر طرح کی امداد کریں گے بلکہ غائبانہ معرفی قزلباشں خانزادے کے ساتھ کرائی اور بتایا کہ وہ بھی اسی غرض کے لئے ایران جا رہا ہے اور یہ غیبی تصادف ہے کہ آپ بھی اسی مطلب کے لئے عازم ہیں۔ دونو کے تعاون سے پوری کامیابی کی توقع ہو سکتی ہے۔

ترک کی موجودگی میں ہی لاٹ کے خانساماں نے جواب بھی بڑے بڑے انگریزوں کی خدمت میں رہتا تھا یہ اطلاع دینی مناسب سمجھی کہ ان کے درمیان ایک قانونی نکتے پر بحث ہوتی تھی جسکو میں نے بڑی کوشش سے یاد رکھنے کی ٹھانی۔ ایک کہتا تھا کہ میگنا چارٹا اور ہیبیس کارپس کو بحال رکھنا لازم ہے کیونکہ ان سے انحراف آزادی کے عظیم الشان قصر میں قصور وفتور ڈالتا ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ مقامی ضروریات کو مرعی رکھ کر چالیس سال پہلے ہم نے قاعدہ وضع کیا جس کے رو سے صرف اشتباہ پر ایک شخص گرفتار کیا جا سکتا ہے اور اب وقت وہی ہے کہ فی الفور وہ اشخاص پکڑے جائیں جن سے فساد کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی عملدرآمد شروع ہو گیا ہے۔

اس خبر پر اعتماد کر کے ترک اور اکرم کے رفقا سب اکٹھے ہو گئے اور اسلحہ سنبھال کر سفر پر آمادہ ہو گئے کیونکہ پہلے بھی ایک سخت فتنہ محسوس کر رہے تھے جس میں مبتلا ہونا البتہ مسافروں کے لئے مناسب نہیں تھا۔ لیکن تاریخی اعادے نے ان کو ویسے ہی نظارے دکھائے جو قتل میگناٹن ہلاکتِ عام اور آخر جرنیل پولک کے بازار بالاحصار کابل کو آگ لگانے میں دیکھنے پڑے تھے۔ ہندو مسلمان منتظر تھے کہ جو وقت معین ہو چکا ہے آپہنچے تو دو نو اٹھیں۔ شکاری نے دریا میں جال پھینک رکھا تھا کہ بہت سی مچھلیاں جمع ہوں تو کھینچے مگر مگرمچھ کو دیکھ کر وہ جتنی مچھلیاں بھی آئی ہوں انہی پر اکتفا کر کے جال کھینچ لیتا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے جب ہر جگہ حکومت کی طرف سے دار و گیر دیکھی تو قبل از وقت اٹھنے کا فیصلہ کر لیا اور جو لوگ قید ہو چکے تھے مع سابق قیدیوں کے سب کو آزاد کر دیا۔ چھاؤنیوں میں دیسی سپاہیوں نے انگریز افسروں کو احاطہ کر کے مار دیا۔ حاکم مع اہل و عیال کے اپنے نوکروں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور جہاں کہیں انگریز پائے گئے موت کی گھاٹ اتارے گئے۔ دہلی سے بھاگ کر آگرہ کی طرف روانہ ہوئے اور آگرہ سے دوڑ کر دہلی کی جانب چلے۔ راستے میں دونو گروہوں کا میل ہوا اور ایک دوسرے کے حال سے آگاہ ہو کر مایوسی کی حالت میں وہیں ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ آس پاس کے رہنے والوں نے یا تعاقب کرنے والوں نے ان کی دنیوی پریشانیوں کو فنا سے مبدل کر دیا۔ یہی تو ارد ہر شہر میں ہوا۔ زندگی کی امیدیں جب ایک جگہ سے رخصت ہو کر دوسرے موضع پر پہنچے تو یا راہ میں مقتول ہوئے یا منزل مقصود پر اسکو پہلے سے زیادہ مہلک پایا۔

اکرم اور رفقا ایک بڑ کے درخت کے نیچے ایک عجیب سماں دیکھتے ہیں۔ اس کی شاخوں کے نیچے ہزار آدمی جمع ہیں اور ان کے درمیان انگریز مردوں عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ہے۔ ایک مولوی ان کو مخاطب کرتا ہے کہ اب تمہاری

متنفرانہ اور مکارانہ وضع نہاں گئی۔ ہم کو جو وحشی کہا کرتے تھے اب ویسا ہی پاؤ گے۔ ہمارے دین کو جو مکارم اخلاق میں سب ادیان سے بلند تر ہے غیر مہذب بتاتے تھے۔ اب ویسا ہی آزماؤ گے۔ ہماری اسلامی سلطنت کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ تمہارا وظیفہ خراجگذاری تھا اور جزیہ۔ قاتلوھم حتیٰ یؤتوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ اس کی تفسیر یوں تھی کہ جزیہ دیتے ہوئے تھپڑ بھی کھاتے اور ذلیل و خوار رہتے۔ برعکس اس کے تم نے ہم کو مطیع و منقاد کرنا چاہا اور ہم کو غلاموں کی طرح جکڑنے اور رذیل کام ہم سے لینے کا ارادہ کیا۔ اب اس کی سزا چکھو تاکہ تمہارے لنڈن کے پسماندگان کو عبرت ہو۔

ایک پنڈت نے تقریر جاری کی کہ ہم کو بت پرست کہتے اور خود مسیح و مریم کی مورتوں کو پوجتے اور اس تناقض کے باوجود اپنے کو عاقل و متمدن اور ہم کو میلے کچیلے حیوان جانتے۔ ہم سے نفرت اور بغض تمہارا فخر تھا۔ حالانکہ تم راکشس تھے۔ ملیچھ تھے۔ تم نے ہماری دھرتی کو بھرشٹ اور ہمارے دھرم کو آلودہ کیا۔ اس کی جزا یہی ہے کہ ہمارا وطن تمہارے وجودوں سے خالی اور پوتر ہو جائے۔ پنڈت نے اپنی باتیں تمام نہیں کی تھیں کہ لوگ بیچارے انگریزوں پر ٹوٹ پڑے اور کئی ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور باقی کو باندھ کر جو چاہا کیا۔ ایک سوار نے ماں کی گود سے ایک بچے کو نیزہ چبھو کر اٹھایا اور اونچا لے جا کر زمین پر دے ٹپکا۔ ایک طرف ہندوستانی لڑکوں نے دو انگریز بچوں کو کہا کہ تم ہمارے ساتھ ملتے جلتے نہیں تھے۔ ہمیں حقارت سے دیکھتے تھے اور جب ہم عاجزی سے بات کرتے تو تم انگریزی میں گالیاں دیتے تھے۔ یہ کہکر ان کو چھریوں اور چاقوؤں سے زخمی کیا۔

دور سے گرد اڑتی دکھائی دی۔ انگریزی فوج بھاگتی ہوئی لڑتی آرہی ہے۔ ہندی سپاہ بہت زیادہ ہے ان کے پیچھے چلی جاتی ہے مگر چند سپاہی تھک کر بڑ کی طرف لپکتے ہیں اور ایک بولتا ہے کہ سوائے لڑنے اور مارنے کے ہم کو آرام نصیب نہیں اور ہمارے بھائی مرنے سے کھڑے ہیں اور مفت میں مال اڑا رہے ہیں۔ کیا اس میں ہمارا کچھ حصہ نہیں۔ یہ کہکر دو لڑکیوں کو ان کے والدین سے بجبر کھینچ کر لے جاتے ہیں اور ساتھ ایک لڑکے کو جس کے سر پر اسباب لادتے ہیں۔ ایک ہندوستانی کہتا ہے کہ میں خود اس کو اپنا باربردار بنانا چاہتا ہوں۔ سپاہی اسے نہیں چھوڑتا۔ دوسرا اس لڑکے کا سر اڑا دیتا ہے اور اسباب گر پڑتا ہے۔ اکرم وغیرہ یہ فاجعہ دیکھ رہے ہیں مگر حیران ہیں۔ ان کے اپنے ملک میں ایسے ہی واقعات تھوڑی مدت ہوئی پیش آچکے ہیں مگر ان بیدردیوں کی نظیر وہاں ان کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ یوسف جو اعتراض کبھی افغانوں پر کرتا تھا اب دل میں اس سے بدتر ہندوستانیوں پر وارد کرتا ہے۔ مگر کڑھنے کے سوا چارہ نہیں کیونکہ وہ اور اس کے رفیق آٹے میں نمک بھی نہیں۔ تمام ہندوستان امڈ پڑا ہے اور ان کا خون جوش مار رہا ہے۔ انگریز غیر ہیں دوسرے ملک میں غضب کا مزہ چکھ رہے ہیں۔ اور ملک گیری کے یہ لوازم ہیں۔ اکرم اور یوسف کو نہایت غصہ آرہا تھا اور وہ اس وقت کے مظلوموں کے چھڑانے پر آمادہ ہوتے تھے مگر ان کو معلوم تھا کہ یہی حال ساری سرزمین میں ہے کس کو نجات اور کہاں پناہ دینگے۔ وہ بعض بے طرف ہندوستانیوں کو جو علیحدہ کھڑے تھے ترغیب دینے کو تیار ہوئے مگر اس

اندیشے سے جھجکے کہ ان کی زبان کہیں ان کو بھی بھیس بدلے ہوئے انگریز قرار نہ دے پھر ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچیگا۔ یوسف کا ملّی جذبہ بھڑک رہا تھا شعلے مارتا تھا اور اکرم کو بھی اس کا احساس تھا اور وہ اسی لئے یوسف کے ساتھ رہتا اور اسے دور نہ ہونے دیتا کہ مبادا طیش میں آکر حملہ کر دے اور جان دے بیٹھے۔ آخر انہوں نے اس آتش فشاں پہاڑ کو خیر باد کہنا ہی مناسب سمجھا اگرچہ اس کا اثر ان کے تمام عرض راہ میں آگ برساتا رہا۔

ان کو راستے میں معلوم ہوا کہ بعض نیک منش ہندوستانیوں نے ستم زدہ انگریزوں کو اپنے گھروں میں پناہ بھی دی ہے جس میں ان کی اپنی جان خطرے میں تھی۔ یہ اطلاع یوں ملی کہ باوجود دربدر ہونے کے ان کو مجبور ہونا پڑا کہ زخمی عورتوں اور بچوں کو جو بیابان میں بسمل پڑے پائے گئے اپنے ساتھ لیں۔ ان کو آبادی سے باہر رکھ کر ایک آدمی گاؤں میں جاتا اور وہاں کے لوگوں کے خیالات دریافت کرتا جس سے خفیہ سراغ چلتا کہ کچھ لوگ انگریزوں کے ہمدرد یا ان کی موجودہ حالت پر رحم آور ہیں۔ بعض کے ہاں انگریزوں کے چھپے ہونے کا بھی پتہ لگتا۔ غرض اس طرح زخمیوں کو ٹھکانے لگاتے اور اپنی استطاعت کے موجب ان کی مرہم پٹی کے لئے خرچ بھی کرتے۔ اس سیاحت سے نادم فوراً سرحد میں بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے سفر میں عرصہ صرف ہوا کیونکہ سواری بھی دستیاب نہیں ہوتی تھی اور اکثر راستے خوفناک مسدود اور دشوار گذار تھے۔

سید احمد خاں کی کشش سے تحقیق کرتے تھے کہ اس کا کیا رویہ تھا اور کیا حشر ہوا۔ مختلف خبریں ملتی رہیں۔ ایک یہ تھی کہ اس کے گھر میں سوائے والدہ کے کوئی نہیں تھا۔ جس کو نہ صرف بھوکی بلکہ پیاسی رہنا پڑا اور اسی سے سخت بیمار ہوگئی۔ دہلی میں ہی طرح قیامت دوبار ہوئی۔ ایک جب ہندوستانیوں نے دوسری جب انگریزوں نے زور پکڑا۔ اور جب سید احمد خاں کی والدہ دوسری بار عذاب میں مبتلا ہوئی اس کا بیٹا غیر حاضر تھا اور جس جگہ معزز ملازم تھا وہاں کے حاکم کی نگرانی کرتا تھا جس کی کوٹھی پر پانچسو آدمیوں نے ہجوم کیا اکیلا پھاٹک پر جاڈٹا اور کہنے لگا کہ مجھے مار دو پھر انگریز کو آنچ آنے دونگا۔ بڑی مشکل سے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کو بچایا۔ وہ اپنی دور اندیشی سے جانتا تھا کہ یہ جوش موقتی ہے۔ آخر انگریز جو بچینگے بدلہ لینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گذشتہ کے انتقام اور آئندہ کے اہتمام میں ہندو مسلمان اتنے مارے گئے کہ شمار سے باہر ہیں۔ درختوں پر پھانسی دئے جاکر لٹکتے رہے۔ جب یہ خبر سنی کہ مغل بادشاہ کے سامنے اس کے شہزادوں کو قتل کرکے آخر اس کی آنکھیں نکال دی گئیں اور ان میں سے ایک نے یہ کہا ؎

بھلا ایسا ظلم کہیں سنا دیا پھانسی لاکھوں کو بے گناہ　　　　ولے کلمہ گویوں کی طرف سے ابھی ان کے دل میں غبار ہے

دوسرے نے یہ پڑھا ؎

چشم من کندہ شد از جور فلک بہتر شد　　　　تا نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

جب اکرم نے اس تمام واقعے کو غدر کے نام سے بیان ہوتے سنا تو اس نے اس کی تاریخ ہی موزوں کر دی ؎

زاعداچوں شنیدم غدر دہلی　　　دلم زیں غصہ باغم آشنا بود
چو پرسیدم زہاتف سال تاریخ　　　ندا آمد کہ در دہلی غزا بود

یہ افواہ بھی مشتہر ہوئی کہ لنڈن میں یہ فیصلے ہورہے ہیں کہ ہندوؤں کی طرف سے تو چنداں خوف نہیں مگر مسلمان خونخوار ہیں۔ ان کو یا تو نصاریٰ بنایا جائے یا سب تہ تیغ کئے جاہیں۔ ان اندیشوں سے متاثر ہو کر سید احمد خاں نے ایک رسالہ اسباب بغاوت لکھا اور اس میں جلی حروف سے بتایا کہ یہ سب کشت و خون اور فتنہ و فساد انگریزوں کی اپنی غلطی سے ہوا ہے۔ اس کے مطالعہ کا نتیجہ لنڈن میں یہ نکلا کہ وہاں کے اہل الرائے نے اس کے فوری قتل کا حکم دیا۔ مگر گورنر جنرل کی مجلس میں کثرت سید احمد کی طرفدار ہوئی اور بعد میں سب کو قائل ہونا پڑا کہ وہ حکومت اور قوم دونو کا خیر خواہ ہے اور رسالہ صرف حکام تک محدود تھا اور اس کی اشاعت عام نہیں تھی۔ اب خدمات کا صلہ پیش ہوا اور ان پانچسو آدمیوں کے سردار کی جاگیر ضبط کر کے سید احمد خاں کو دی گئی کیونکہ جب اس نے انگریز حاکم کی کوٹھی کا محاصرہ کیا تھا تو سید احمد نے اس کو باز رکھا تھا۔ سید نے یہ قیمتی جائداد قبول نہ کی اور اس سے اسکی عالی ہمتی کا سکہ اور جما۔

یوسف قرون راشدہ کے مسلمانوں کی طرح تھا جیسا یوقنا جس نے مسیحی سردار کی حیثیت میں ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا اور مشرف باسلام ہو کر تلافی مافات کی اور اپنے سابقہ ہمدینوں کے ساتھ نہایت تدبیر اور شہامت سے کامیابانہ لڑائیاں لڑتا رہا۔ وہ ہاتھ تھا کہ ہندوستان کی خونی شورش میں افغانستان کیوں شریک نہ ہوا بلکہ وہ افغانی حکومت کو انگریزوں کے دوبارہ غلبے کا مسئول ٹھہراتا تھا۔ اس نے اکرم کے سامنے ایک مثال بیان کی کہ کسی گاؤں پر چوروں نے لوٹ مار مچائی۔ گرد نواح کے دیہات میں اطلاع پہنچی تو سب مسلح ہو کر نکلے مگر ایک بڑا قصبہ جس کے باشندے بہادری میں مشہور تھے شریک نہ ہوئے اور اس سے باقی مددگاروں کی بھی کمر ہمت ٹوٹ گئی لہذا ڈاکے نے آزادی سے تاخت و تاراج کی۔ سید احمد خاں کی قبیل کے مسلمان اور ہندو اور افغانستان کی حکومت زیادہ باز خواست کے قابل ہے۔ وہ اسلامی تاریخ میں جوابدہ ہوگی۔ اگر میں نے اسلام کی پوری خدمت نہ کی اور اپنے پہلے ہم مذہبوں کے ساتھ معرکہ آرا نہ ہوسکا تو مجھے اس الزام سے بریت ہے۔ اگر موقع دیا جاتا تو میں ثابت کر دیتا کہ عشیرہ مساکن اور تمام چیزوں سے زیادہ احب مجھے خدا رسول اور جہاد ہے۔

اب یوسف وغیرہ سرحد میں پہنچ گئے تھے مگر ان کو اپنے اہل وعیال کی ملاقات میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ امیر کبیر کے بھائی سردار سلطان محمد خاں طلائی نے ان کے غیاب میں سب کو بلا کر بہت تسلی و تشفی دیکر مجبور کیا تھا کہ واپس اپنے گھروں میں جا کر بسیں ورنہ سارے شاہی خاندان پر بیوفائی اور بے قدری مخلصین کا داغ رہے گا۔ اگرچہ اکرم اور یوسف نے ان کو مراجعت کی اجازت دیدی تھی۔ مگر موخر اپنے متعلق یہی اصرار کرتا رہا کہ جب تک ہم بیگناہ ثابت نہ ہونگے نہ لوٹیں گے۔



چند طرفہ انجامِ شادکام

پہلے ذکر ہوچکا ہے کہ ہرات میں ایک جدا افغانوں کی حکومت تھی۔ جسکا ایران کے ساتھ ائتلاف تھا۔ دونو جگہوں میں لڑائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یعنی ہرات کی مدد کے لئے ایران بھی آمادہ ہے کیونکہ امیر کبیر کابل سے روانہ ہوچکا ہے اور منزلیں طے کرتا ہرات کے قریب راستے میں ہے اسفزار میں اس لئے اقامت کرتا ہے کہ رسد رسانی کا انتظام کرے عصمت اللہ خاں جبار خیل کو سات سو سواروں کے ساتھ لشکر گاہ کی حفاظت پر مامور کرتا ہے۔ ہرات سے سردار محمد یوسف خاں اور محمد اکرم خاں اچکزائی تین ہزار سوار لے کر شبخون مارنے کے ارادے سے آتے ہیں۔ اور اسفزار کے نزدیک کاہدانگ ایک موضع کو کمین گاہ بناتے ہیں عصمت اللہ خاں آگاہ ہو کر اور دشمن کی تعداد کو چار چند پا کر اپنے خیمے اور اسباب چھوڑ کر رجعت کرتا ہے۔ ہراتی افسروں کی تعقیبی مساعی عمل میں نہیں آتیں۔ کیونکہ ان کی فوج غزوۂ اُحد کی طمع ثانی میں نقد مال کو غنیمت سمجھ کر تعاقب پر ترجیح دیتی ہے۔ دونو افسر منع کرتے ہیں۔ چلاتے ہیں اور شدت سے پیچھا کرنے کا حکم دیتے ہیں مگر کوئی نہیں سنتا۔ وہ گھوڑے دوڑاتے سپاہیوں کو ہٹاتے اور اکٹھا کرتے ہیں۔ کہ دو آدمی دفعۃً فائر کر کے ان دونو کو مار گراتے ہیں۔ اپنے سرداروں کو مقتول پا کر فوج غنیمت سے باز آتی اور ہرات کی راہ لیتی ہے۔ یہ غیبی فتح گویا ہرات کا دروازہ کھول دیتی ہے اور اس کے بعد شہر شہیر ہرات کی تسخیر میں سہولت ہو جاتی ہے۔

جب امیر دوست محمد خاں مظفر و منصور ہرات میں دربار منعقد کرتا ہے اور بہادر جاں نثاروں کو مورد انعام و اکرام بناتا ہے تو عصمت اللہ خاں جبار خیل کو فروگذاشت کرتا ہے کیونکہ وہ پسپا ہوگیا تھا اور کنائے سے فرماتا ہے کہ اگر بخت یاوری نہ کرتا اور غیب سے فرشتے گویا دو سرداروں کو نہ مار دیتے تو اسفزار ہی سے ہم کو ناکام لوٹنا پڑتا۔

خان جبار خیل۔ ایران سے جو ہمارے مقابلے میں فوجی حرکت نہیں ہوئی حالانکہ وہاں مکمل تیاری تھی تو کیا اس کو فرشتوں نے روکے رکھا؟

امیر۔ اس میں کیا شک ہے۔

خان جبار خیل۔ آپ اسی لئے ان کو دربار میں مشرف کر کے مظہر خوشنودی نہیں بناتے۔

اس پر خان جبار خیل نے عرض کیا کہ اکرم اور یوسف کی تجویز سے میں نے ظاہرہ شکست کھائی کیونکہ انہوں نے خیموں کی تاخت و تاراج کے اثنا میں سردار محمد یوسف خاں اور محمد اکرم خاں اچکزائی کو مارنے اور ان کی فوج کے قدم اکھاڑنے کا ذمہ لیا تھا۔ دونو نے اپنے ہم ناموں کا کام تمام کیا۔ ادھر تصور حسین خانزادۂ قزلباش مع ایک ترک کے مجھے اطلاع بھیجتے رہے کہ تم ایران کی فلانی سرحد پر رعایا کو جمع کر کے حملے کا مظاہرہ کرواؤ اور ہم اس سے تہدید دیگر ایرانیوں کو ہراتیوں کی مدد سے مانع آئینگے بلکہ خانزادہ نے

اپنی صداقت و حکمت سے ہمیشہ کے لئے ایران کو افغانستان کے ساتھ متحد کر دیا ہے۔

امیر کبیر نے خدا کا شکر کیا کہ افغان ایسے مخلص ہیں کہ باوجود عتاب و عذاب کے بھی اپنے دین اور وطن کی خدمت کو نہیں چھوڑتے۔ میں تو ایسے سچے بہادروں کی دل سے قدر کرتا ہوں اور اب البتہ بیش از بیش ان کی منزلت کرونگا مگر یہ میرے اختیار میں نہیں کہ انکو بیگناہ ثابت کروں اور انہوں نے اسکے بغیر قدم رنجہ کرنیکی گویا قسم اٹھا رکھی ہے ورنہ میں تو ان کو کئی دفعہ بلا چکا ہوں۔ میں دل سے ان کو بے قصور سمجھتا ہوں اور زبان سے بھی کہتا ہوں مگر ثبوت البتہ ابتک مہیا نہیں ہوا۔

سردار سلطان محمد خاں نے دو پرزے کاغذ کے نکالکر پیش کئے اور ان کے دستخطوں کا مقابلہ اور بہت سے کاغذوں کے ساتھ کر کے دکھایا جس سے بیّن طور پر معلوم ہوگیا کہ ایک اکرم کے چچازاد کے سالے کا تھا اور دوسرا کلب امام کے سالے کا۔ ان سالوں نے سالوں کے بعد بھی اکرم کا پیچھا جو نہ چھوڑا تو قارئین فراموش کار کی یاد دہانی کے لئے کینے کی وجہ پھر بتائی جاتی ہے۔ اکرم کا چچازاد اس کے تعاقب میں بخارا پہنچا تھا اور اس کو مردے کی طرح زخمی کر کے خود اکرم کے وفادار رفیق پردل کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس کی عورت نے مرتے ہوئے بھائی کو وصیت کی تھی کہ بہنوئی کا بدلہ لے کر چھوڑنا۔ کلب امام ہندی شیعہ اور انگریزوں کا ملازم و مخبر تھا۔ اس نے کابل کے محلہ مراد خانی میں بیاہ کیا تھا۔ جب سر ولیم میگناٹن قتل ہوا تو یہ بھی اکرم کے احباب کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ اس کی عورت نشانۂ طعنہ بنی اور اپنی برادری کی دل آزاری سے تنگ آکر ہندوستان چلی گئی۔ وہاں سے اپنے بھائی کو بہت سا روپیہ دیتی رہی۔ جس میں سے کچھ اکرم کے قتل کے لئے تھا۔ سردار سلطان محمد خاں نے واضح کر کے بتایا کہ جب ملت کے اکثر افراد اکرم وغیرہ کو واپس بلانیکے درپئے ہوئے اور امیر صاحب نے بھی فرمان صادر کیا تو عین اسیوقت یہ دونو سالے روپوش ہوگئے۔ ایک سنا گیا ہے کہ بخارا میں مجذوم و مجذوب ہے اور لا مساس کہتا بھیک مانگتا ہے۔ دوسرے کو پشاور میں ایک رنڈی کے قتل کے قصاص میں میں نے خود پھانسی کا حکم دیا تھا۔

اس قطعی اثبات کے بعد اکرم یوسف اور تصور حسین مع تمام جمعیت کے اسطرح افغانستان میں نزول اجلال کرتے ہیں جس کی مثال پہلے کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ حکومت کی طرف سے بھی پورا انتظام تھا اور ملت کی طرف سے اس سے سوگنا۔ استقبال کے بعد کئی روز جلسے ہوتے رہے اور ان میں مہمان اپنے مشاہدات و تجارت بیان کرتے اور ان سے نتائج اخذ کر کے میزبانوں کو وطن کی بہبودی و ترقی کے وسائل بتاتے۔ اس سے فراغت پاکر خانگی امورات کی طرف جو متوجہ ہوئے تو ایک خاص غلطی از سرِ نو اکرم اور یوسف کو تکلیف دینے لگی۔ دونو گھر میں بیٹھے تھے اور ثمینہ و تسنیم ان کی خاموشی اور کشیدگیٔ خاطر محسوس کر رہی تھیں۔ آخر ثمینہ نے سکوت کو توڑ کر کہا کیونکہ ایک دل کو دوسرے میں راہ ہے:۔

چہرس کے دھوئیں سے سفید دل سیاہ اور اس کے ذکر سے سفید کاغذ بھی سیاہ ہو جاتے ہیں مگر دنیا میں میٹھی اور کھاری بحریں موجود ہیں ملی ہوئی اور ایک دوسری سے جدا بھی ہیں۔ بحرین یلتقین بینھما برزخ لا یبغیان ۔ پھر

ان سے تازہ گوشت اور زیورات بھی ہاتھ آتے ہیں۔ ومن کل تاکلون لحما طریا وتستخرجون حلیۃ تلبسونہا پھر بھی ان دونوں میں امتیاز ہے جو شیریں بحر کو حاصل ہے اور کڑوی بھی عبث نہیں ہے۔ اس معذرت کے ساتھ قصہ سناتی ہوں کہ جب آپ لوگ کانیگرام کو چلے گئے تو ہمارا چرسی ناگہاں وارد ہوا اور کہنے لگا کہ سردار سلطان محمد خاں کی طلائی حکومت مجھے پشاور کھینچ کر لے گئی کیونکہ سردیوں میں کابل رہ کر کون سو روپیہ خرچ کر کے ریچھ بنے اور کیوں پشاور جا کر پوستین کی بجائے دو روپے کی ململ سے نواب کی طرح نہ پھرے۔ میں وہاں بیٹھا ایک توری افغان کے ساتھ چرس پی رہا تھا کہ مراد خانی کا ایک قزلباش لڑکھڑاتا آیا جیسے شراب کے نشے میں ہوتا ہے۔ میں ذرا دور بیٹھا اونگھ رہا تھا کہ اس نے توری کو کچھ روپے دئے اور دو یا تین ہزار کا نام بھی لیا۔ اکرم کا ذکر بھی کیا اور یہ بھی مجھے سنائی دیا کہ باقی روپے قتل کے بعد ملیں گے۔ میں نے دن دیکھا نہ رات آپ کو اطلاع دینے آیا کیونکہ توری اسی وقت چل دیا ورنہ میں اسے خود بھی نہ چھوڑتا۔ چرسی کی اس اچھی یا بری خبر سے میرے پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی۔ وہ ابھی رخصت ہی ہوا تھا کہ ناظر احمد کی بیٹی اچانک آپہنچی۔

یہ وزیرستان میں بیاہی گئی تھی اور میں نے اس کو حسب معمول اپنے نوکر کی بیٹی کی حیثیت میں کچھ جہیز بھی دیا تھا جو اس کے خاوند نے بیچ کر ایک اعلیٰ بندوق خریدنے میں صرف کیا۔ اس نے کہا کہ ان بن کے سبب اور نیز اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ راتوں کو باہر رہتا۔ اس نے مجھے مار کر گھر سے باہر نکال دیا۔ میں مدت سے میکے میں رہتی تھی۔ آپ کے فرار ہونے کے بعد وہ آیا اور میرے ساتھ حسن سلوک دکھانے لگا۔ میرا باپ آپ کے ساتھ چلا گیا تھا اور میں گھر میں اکیلی تھی۔ ایک رات میں سو رہی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میرا شوہر دبے پاؤں باہر گیا اور کسی کو صحن میں لے آیا اور آہستہ آہستہ باتیں ہونے لگیں۔ جو میں نے تقریباً سبھی سنیں۔ اکرم خاں کے چچازاد کے سالے نے اسے ایک ہزار روپیہ پیشگی اور دو ہزار بعد میں دینے کا وعدہ کیا اگر وہ حاکم بدہن آپ کو بیوہ بنا دے۔ وہ دونو باہر چلے گئے اور اگر وہ واپس آتا تو میں سمجھ لیتی مگر وہ نہ لوٹا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اٹھ کر دیکھا تو بندوق وغیرہ نہیں تھی جس سے ثابت ہوا کہ بالکل رخصت ہو گیا ہے میں نے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ دن رات سفر کر کے آپ کو اطلاع دوں۔

اس دوسری خبر سے مجھے پہلی خبر بھول گئی فاصابکم غما بغم لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم ولا علیٰ ما اصابکم دونو خبروں نے گویا ایک دوسری کا اثر زائل کر دیا اور میں پوری ہوش میں آگئی۔ چونکہ نامہ بر کبوتروں کا سلسلہ جاری تھا میں نے فوراً دو کبوتروں میں پیغام بھیجا اور آپکو متنبہ کر دیا اور مطمئن ہو گئی۔

یوسف ۔ ہم کو بیشک تنبیہ ہو گئی مگر وہ آئندہ قاتل مقتول کس طرح ہوئے ایک نے دوسرے کو کیوں مار ڈالا۔

اکرم ۔ یہ بھید ہم پر اب تک نہیں کھلا۔

تسنیم ۔ آپ ذرا ان کے مارے جانے کی کیفیت بتائیں تاکہ ہم بھی کچھ اس بارے میں رائے دے سکیں۔

اکرم اور یوسف ایک دوسرے کی طرف حیران اور شرمندہ سے دیکھنے لگے۔ آخر یوسف نے دل کڑا کر کے کہا کہ اور تو کوئی نئی

بات نہیں تھی صرف دو نوجوان درمیان میں پھرتے دکھائی دیئے اور اس دنگے قتل کے بعد غائب ہو گئے تھے۔ ہمارا غالب گمان یہ ہے کہ کسی راز سے وہ اس معاملے میں شریک تھے اور انہوں نے ہم پر غائبانہ احسان کیا۔ ابدال اور رجال الغیب خدا کے بندوں کو سنا ہے کہ اسیطرح آفتوں سے نجات دیتے ہیں۔

تسنیم ۔آپ کے غیاب میں وہ ہماری بھی حفاظت کرتے رہے اور اب بھی ہر وقت حاضر و ناظر ہیں۔

شکیلہ ۔اگر ظاہرہ تصدیق چاہتے ہو تو ہم ابھی ان کو پیش کر دیتی ہیں۔

دو نو اٹھ کر چلی گئیں اور اکرم و یوسف ششدر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ چند منٹ گذرے ہونگے کہ دو نوجوان نمودار ہوئے جیسے افغانی لباس میں فرشتے ہوں۔ اکرم و یوسف زبان حال سے یہ کہتے معلوم ہوئے کہ ان کی وجاہت میں تو کوئی نقص نہیں۔ نہ ان کے کمال جمال میں کوئی عیب ہے مگر ہمارے دلوں پر ان کا جادو کچھ نہیں چلا۔ ان نوجوانوں نے اشارے سے سلام کیا اور چپکے کچھ دور ٹھہر گئے۔ اکرم و یوسف حیرت میں ڈوب گئے اور ساتھ ہی ان کے دل میں وسوسے گذرنے لگے ان کیدکن عظیم۔ عورتوں کے مکروں کی انتہا نہیں۔ اکرم کو شبہ ہوا کہ انگریز عورتیں آزاد ہوتی ہیں۔ غیر محرم کے ساتھ رہنے میں ان کو تامل نہیں ہوتا۔ میں کس بلا میں پھنس گیا جو بے جا بیاہ کیا۔ یوسف کو شک پڑا کہ چند اول کی عورتوں کے متعلق افواہ ہے کہ وہ تہ زمینی میں مردوں کو چھپا رکھتی ہیں اور ان کا اثر افغان مستورات پر بھی پڑتا ہے۔ میں نے یہ بے محل ازدواج کیا مگر دو نو کی بدظنی فوراً اس سے رفع ہوئی کہ اگر پوشیدہ معاملہ ہوتا تو یہ نوجوان کیوں سامنے آتے۔ دو نو تعجب میں غرق کچھ پوچھتے جھجھکتے بھی نہیں اور منتظر ہیں۔

دو نوجوان اور آتے دکھائی دیئے اور یہ وہی تھے جو ان پر آفت ڈھا چکے تھے۔ ان کے دل دھڑکنے لگے کلیجے پھٹنے لگے۔ اکرم اور یوسف نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر دو نو نے سر جھکا لئے اور ان پر نگاہ ڈالنے کی جرأت نہ کی۔ وہ دو نو نوجوان بھی حیران ہوئے کہ انہوں نے گویا خفگی سے منہ یوں نیچے ڈال لئے۔ تسنیم کے دل میں یہ خطور ہوا کہ عورت کو مردانہ لباس پہننا غیر مشروع ہے مگر ہم نے تو سخت ضرورت کے سبب یہ اقدام کیا تھا پھر رنجیدگی کیوں ہوئی اسلئے وہ بول اٹھی کہ آیا یہی وہ دو نو سرّی جوان نہیں ہیں؟ اکرم اور یوسف چونکے اور دو نو بے محابا اٹھے اور ایک نے بے اختیار کہا کہ انسان کے بطن میں واقعی دو دل نہیں ہوتے ما جعلنا لرجل من قلبین فی جوفہ۔ دوسرے نے بے تحاشا پڑھا ؎

بہر رنگیکہ خواہی جامہ مے پوش　　　من انداز قدت را مے شناسم

تسنیم ۔اگرچہ ہم نے کبوتر ایک کی بجائے دو اور ایک کے پیچھے دوسرا کچھ دیر بعد روانہ کئے تھے پھر بھی یہ پیغام رسانی اطمینان بخش نہیں ہو سکتی تھی اور جیسا کہ دو نو خبروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ معاملہ بہت معجل و موکد ہے۔ ہم نے فی الفور قصد کیا کہ خود قاصد بنیں۔ مردانہ لباس نہایت لازم تھا اس لئے ہم دو نو مرد بن کر یا ڈاڑھی مونچھ نہ ہونے سے لڑکے بن کر تیز گھوڑوں پر سوار ہوئے جو ایک دم سو میل لے جا سکیں۔ ہم نے دو نو ہونے والوں قاتلوں کا پورا حلیہ دریافت کر لیا تھا بلکہ پہچان لیا تھا کہ ان دو نو کو ہم نے پہلے دیکھا ہے

اس لئے ان کو ملنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ ہم نے اپنا کام تقسیم کر لیا۔ ایک کو میں نے سنبھالا اور دوسرے کو ثمینہ نے۔ ہم دونوں ان کو مار دیتیں اگر دوسری تدبیر کارگر نہ ہوتی وہ یہ تھی۔ کہ میں نے ایک کو پکڑ کر کہا کہ جان لو میں قتال ہوں۔ آدمی کا مارنا میرے لئے چڑیا سے زیادہ آسان ہے زید کو میں نے ناحق راہ جاتے مارا۔ بکر کو شادی کے وقت اڑایا۔ عمرو کو ہل چلاتے فنا کیا اور اس کے بیل لے کر چل دیا اور پہاڑ پر جا کر چھوڑ دئے کیونکہ میں طمع کی غرض سے یہ کام نہیں کرتا۔ میں محتاج نہیں ہوں بلکہ مجھے قتل میں لذت آتی ہے۔ جب انسان ہرن یا چکور کو مارتا ہے تو نشانہ لگنے پر ہاتھ کو مزہ آتا ہے مگر آدمی کے قتل میں جو حظ ہے جس نے چکھا ہو وہ اور کوئی شکار نہیں کرتا۔ بھیڑیوں چیتوں اور شیروں سے سیکھو کہ جب ان کو آدمی کے خون کا چسکہ پڑ جائے تو پھر وہ حیوان کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ پھر انسان کے مارنے میں بھی تفاوت ہے۔ بوڑھے بچے یا عورت کے خون میں کوئی لذت نہیں اگر ہے بھی تو کم۔ جتنا آدمی بڑا جوان اور باسامان ہو اسی قدر لطف بھی زیادہ ہے۔ مردم خور قومیں اسی پر کاربند ہیں۔ قصہ کوتاہ۔ میں اس اکرم نامی کو شکار کرنا چاہتا ہوں اور چونکہ میرا پیشہ یا شغل یہی ہے۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ تم بھی اس کے پیچھے نکلے ہو۔ فلانے نے تم کو اتنا روپیہ دیا ہے اور اتنے کا وعدہ کیا ہے۔ مگر میں ظالم بھی نہیں کہ تمھیں محروم کروں۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ ایک دوسرا بھی اسی کام پر متعین ہے اور شاید تم بھی اسے جانتے ہو۔ اگر پہلے اس کو قتل کر دو اور پھر اکرم کو تو میں اپنی قاتلانہ خواہش سے باز رہونگا ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

اس نے ناچار میری بات مان لی۔ ادھر بعینہٖ اسی طرح ثمینہ نے عملدار مدکیا اور ہم نے یہ منصوبہ باندھ کر اپنے درمیان اشارے ٹھہرا کر ان دونو کو ایک دوسرے کا نشانہ بنانے کے لئے ادھر ادھر پھرایا یہاں تک کہ جب میدان مابین میں خالی دیکھا تو ہم نے اشارہ کیا۔ ادھر ایک نے ادھر دوسرے نے ایک لمحے میں بندوق اٹھائی اور فائر کیا۔ دونو معاً گرے اور مرے۔ ہم نے چونکہ اپنا اپنا فرض ادا کر دیا اور آئندہ کوئی کھٹکا نہ رہا۔ اسلئے کسی وقت ایک لطیفہ سنانے کو آپ کو پہلے مطلع نہ کیا۔ باقی حصۂ قصہ ثمینہ سے پوچھئے۔

ثمینہ۔ ہم مردانہ لباس میں تھیں اور مسلح مگر مجبوراً ہم کو راستے میں ٹھہرنا پڑتا تھا۔ دو تین دفعہ جوان آدمی ہمارے پیچھے ہوئے۔ ہمارے ساتھ باتیں کیں اور کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر ہم نے اپنی بندوقوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر ان کو روکا۔ معمر اشخاص بھی بڑے شوق سے ملتفت ہوتے تھے۔ اس لئے ہم کو سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی جس کی بابت سعدی نے ایک شرط حسن کی لگائی ہے کہ اس کے مالک کو ہر جگہ راحت میسر ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں اگر بہت آرام ملا تو اندیشہ بھی ہوا۔ میرے خیال میں ستر و پردے کے جہاں فوائد ہیں اضرار بھی ہیں۔ مرد امرد کی طرف زیادہ متوجہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم دو تھیں اور اسلحہ میں ڈوبی ہوئی اور بڑی شطارت اور ہوشیاری سے منزل طے کرتی تھیں اس لئے اندیشہ دور ہی رہتا تھا۔ یہ تو ہماری تصویر کا ایک رخ تھا دوسرا یہ کہ لوٹتے ہوئے چونکہ ہم بے پروائی اور مستی سے جا رہی تھیں۔ فتنہ اور بڑھا۔ ایک شخص نے ہمیں کہا تھا کہ

راستہ جاتے ہوئے اگر استراحت کی ضرورت ہو تو فلانے قلعے میں بڑا اچھا مہمانخانہ ہے اور وہاں کھانے پینے کی ہر چیز بھی مہیا ہو جاتی ہے۔ ہمیں اسی مقام پر تھکان محسوس ہوئی۔ اندر جاکر دیکھا کہ واقعی ایک نفیس مکان ہے نوکر کھڑے ہیں چائے تیار ہے گویا کسی کو ہمارا انتظار ہے۔ ہم کو خوف سا ہوا۔ اسلئے گھوڑوں سے اتر کر ان کی لگاموں کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بیٹھ کر ناشتہ بھی بائیں ہاتھ سے کیا اور داہنے میں بندوقیں رکھیں۔ اتنے میں نوکر کھسک گئے اور ان کی بجائے عورتیں حاضر ہو گئیں گویا کسی کی منتظر ہیں فوراً ہی ایک سرو قد لڑکی منہ چھپائے ہم کو آن سے گھورتی آن بیٹھی۔ اس کی معیت میں دو خوبصورت لڑکیاں تھیں جنھوں نے ہمارے سامنے دو تشتریاں رکھ دیں جن میں دو دو مختلف اشیا دھری تھیں۔ زری لنگیاں اور کلاہ۔ زری جوتے۔ پٹو اور ان پر اشرفیاں چنی ہوئی۔

میزبان۔ چونکہ فرنگی کے ساتھ لڑائی اکثر رہتی ہے اسلئے میں اس کی ورزش کے لئے شکار کھیلا کرتی ہوں۔ میں نے آپ کو وہیں سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ کوشش کی کہ ٹھہرنے کی التجا کروں مگر آپ نہایت تیزی سے جا رہے تھے۔ پھر بھی پیچھے ایک سوار دوڑایا تاکہ کم از کم واپسی پر آپ کو قیام کرنے کی زحمت دے۔ میں نے یہ وقت شدید انتظار میں کاٹا۔۔۔۔ میں ایک یتیم لڑکی ہوں اور اکیلی بہت مال و جائداد کی وارث اس لئے بیشمار لوگ میری خواستگاری کرتے ہیں اور بعض خانزادے تو شعر کہکر پیام دیتے ہیں جن سے میرا بے مثال جمال ظاہر ہوتا ہے۔۔۔۔ میں صورت و سیرت دونو کی طلبگار ہوں اور آپ دونو میں یہ دونو خصلتیں دکھائی دیتی ہیں۔ علاوہ اسکے آپ دونو نے مجھے گھائل کر دیا گرفتار کر لیا۔ مجھ میں یہ تمیز بھی نہ رہی کہ آپ میں سے کس کو انتخاب کروں۔ میں حیا کا گریبان چیر کر یہ باتیں کر رہی ہوں مگر دیوانی ہوں معذور و مجبور ہوں۔

تھمینہ۔ یہ کہکر وہ زار قطار رونے لگی۔ ہم نے اسکو زیادہ اندھیرے میں نہ رہنے دیا اور اپنا حال مکشوف کر دیا۔ جس پر پہلے تو وہ بہت سٹ پٹائی۔ مگر بعد میں تسکین سے کہنے لگی کہ بہت اچھا ہوا اب آپ دونو میرے دامن میں پڑیں۔ پھر گلے ملی اور ہم کو اصرار سے اپنے پاس رکھنا چاہا مگر موقع تہمت کا بہانہ کر کے ہم اسکو روتے دھوتے چھوڑ کر وداع ہوئیں۔ کچھ دن گذرے تھے کہ ہم سے سبق سیکھ کر مردانہ لباس پہنے آ پہنچی اور یہی وتیرہ رہا کہ کچھ دن ٹھہر کر چلی جاتی اور پھر آ جاتی۔ جب ہم کو سردار سلطان محمد خاں کابل لے آئے تو یہاں بھی اسی طرح قاعدہ رہا۔ اسکو بھی ہماری مانند پالا پڑا اور کابلی جوانوں نے اس کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہماری طرح ہی چونکہ مسلح ہوتی تھی نفرت سے سب کو دھتکارتی رہی لیکن ہمارے بانکے سردار کو رد نہ کر سکی۔ وہ چونکہ اب متین اور راسخ العقیدہ جوان ہے اسکے ساتھ الفت سے تو پیش آتا ہے مگر گویا اپنے نفس پر جبر کر کے اس سے رم بہت کرتا ہے۔ یہ وضع بھی اس مردانہ لڑکی کو پسند ہے اور یہ تلی ہوئی ہے کہ اس کی زوجہ بن کر رہے گی۔ میں نے سردار کو یہ کہتے سنا کہ کاش یہ لڑکا لڑکی ہوتی پھر تو مجھے تسلی ہوئی اور آپ کے تشریف لانے پر ان کے عقد ازدواج کو ملتوی رکھا۔

تسنیم۔ سیتا کا قضیہ بھی آپ کے تصفیہ پر منحصر ہے۔ میرے بھائی کو یاد ہوگا کہ ایک ہندو لڑکی میری سہیلی تھی۔ جب فرنگی بازار

یہاں گرم تھا تو لڑائی میں اس کا باپ اور چچا نذر وطن ہوئے۔ یہ بھیس بدل کر جاتی اور ان کو اور غازیوں کو پانی پلاتی اور خود بھی نشانہ لگاتی منجملہ تصور حسین کو بھی نشانہ بنایا مگر ساتھ ہی خود بھی زخمی ہوئی۔ وہ کہتا تھا یہ مسلمان ہو جائے یہ کہتی کہ وہ ہندو ہو جائے۔ اس ہٹ دھرمی نے بات بگاڑ دی اور اب تک یہ بگاڑ جاری ہے۔ تصور حسین کہتا ہے کہ میں نے تمہیں ستی ہونے سے بچایا۔ یہ کہتی ہے میں نے تمہیں ایران میں پرستاری کر کے بیماری میں راتوں جاگ کر سفر میں کوئی تکلیف پہنچنے نہ دی تاہم لونڈی بن کر رہونگی مگر جب تک ہندو نہ ہو کنواری مروں گی۔

اکرم۔ اس کا باپ اور چچا وہی جوانمرد تھے جنہوں نے کوہ آسامائی پر غازیوں کی راہنمائی کر کے انگریزی توپخانے پر قبضہ کیا وہ فارسی دان تھے اور اسلام کے قائل بلکہ میں نے انہی سے ہندو دھرم کی منسوخیت کے دلائل سنے تھے۔ جنکو تکرار کرنا بموقع نہ ہوگا سب سے قدیم مذہب دنیا میں یہی ہے۔ رامچندر کرشن اور بدھا برحق پیغمبر تھے لیکن بمرور دہور ہندوؤں کے عقائد باطل ہوگئے جیسے نصاریٰ نے مسیح کو معبودیت کا درجہ دیا۔ انہوں نے بھی بزرگوں کی پرستش شروع کر دی۔ جب تمام جہان میں ادیان کی حقیقت نہ رہی تو محمدؐ آخری نبی کی حیثیت میں آئے اور سب مذاہب کی عمدہ اور چیدہ باتوں کو جمع کر کے ہمیشہ کے لئے قرآن میں چھوڑ گئے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا حالانکہ جملہ ادیان کی کتابیں بالکل اصلی صورت میں موجود نہیں بلکہ ان کے ساتھ بہت سی غلط اور بیہودہ باتیں مخلوط ہو گئی ہیں۔ مثلاً تناسخ ہی کا مسئلہ لیجئے۔ ایک شخص نیک کام کر کے مرتا ہے ان کے عوض وہ راجہ بن کر پیدا ہوتا ہے چاہیئے کہ راجہ اس امر پر مطلع ہو کہ میں نے ایک معمولی شخص کی حیثیت میں فلاں اچھے کام کئے تھے جس کے بدلے میں یہ رتبہ ملا۔ حالانکہ اسکو یہ وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ دوسری تردید یہ ہے کہ اگر خوشی کو اجر کا معیار قرار دیا جائے تو بادشاہ بہ نسبت گدا کے زیادہ خوش نہیں ہوتا بہر کیف آواگون یا نرواں اصولی مسائل نہیں مطلب یہ ہے کہ نیکی اور بدی کی جزا و سزا پر ایمان رکھا جائے اور اس کی توضیح سب سے بہتر اسلام میں ہوئی ہے۔ ہم مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں جو سب سے بڑا ہے یہی معنی ہیں پرمیشور اور پرماتما کے مگر اس کے کاموں میں کوئی شریک نہیں۔ سب اس کے بندے ہیں خواہ کتنے بڑے آدمی کیوں نہ ہوں سب اس کے حکم اور ارادے کے سامنے عاجز اور تابع ہیں اور موت کی بیکسی اور بےبسی اس کی دلیل ہے جو صرف خدا ہی کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے اس کو نازل کر دے یا ٹال دے۔ مثلاً میں دو آدمیوں کے ہاتھ سے اور پہلے دریائے آمو سے مر کر زندہ نکلا۔ گولیاں لڑائیوں میں میرے کپڑے حتیٰ کہ بال جھلسا کر پاس سے نکل گئیں۔ تپ بھی مرگ ہے پھر ہزاروں امراضِ مہلک زہر سانپ چھت کا گرنا گھوڑے کا گرنا برف کے ڈھیر کا پہاڑ سے یا خود پہاڑ کے ٹکڑے کا لڑھکنا۔ طوفان سیلاب بجلی الغرض موت ہزاروں صورتوں میں نزدیک ہے اور خدا اس سے بھی زیادہ قریب ہے نحن اقرب الیہ منکم جب یہ حال ہے تو اس کی رضامندی کو مقدم اور مدنظر رکھ کر جس کا سہل طریقہ اسلام نے بتایا ہے انسان کو زندگی بسر کرنا لازم ہے بہت سی راہیں منزل مقصود کو پہنچاتی ہیں۔ مگر سب سے کوتاہ خود صراط المستقیم ہے جس پر چل کر ایک سیدھا سادہ مسلمان بڑی آسانی اور طمانیت سے مسافت طے کر لیتا ہے۔

ثمینہ نے مردانہ لباس اوڑھتے ہوئے دونو کر بانکے سردار اور قزلباش خانزادے کو بلانے بھیج دئے تھے۔ وہ اندر بلائے گئے تو البتہ زنانخانے میں سوائے جوانوں کے اور کسی کو نہ دیکھ کر متعجب ہوئے مگر دونو اپنے دھن میں تھے اسلئے غیر کی طرف کوئی بھی ملتفت نہ ہوا۔ اکرم کی تقریر نے کچھ تاثیر تو کی مگر ستیا یعنی ان دونوں جوانوں میں سے ایک اپنی سابقہ ضد پر بولا کہ میں نے مانا اسلام سب سے بہتر مذہب ہے مگر ہندو دھرم بھی تو سچا ہوا اور جو اس کے اوتار ہیں وہ اقلاً پیغمبر تو ہوئے پھر مسلمان ان کو کیوں بھولے سے بھی یاد نہیں کرتے۔ دسہرے دیوالی وغیرہ تہواروں میں کیوں شمولیت نہیں کرتے اور اس طرز عمل سے تمام ہندوؤں کو کیوں اپنی طرف راغب اور اپنے ساتھ واصل نہیں کرتے۔ رہی میری ذاتی بات جس کا ذکر تسنیم نے کیا۔ میں عشق کی دیوی کو پوجے بغیر نہیں رہ سکتی اور ساتھ ہی لاجونتی کی بھی پرستش کرونگی۔ اہنی کے تقاضے سے میں نے ہندو کے ساتھ بیاہ کرنا قبول کیا اور اسکو تلوار کے زور سے اس کی زناکاری کے بہانے پر نزدیک نہ آنے دیا۔ میں اس کی خاطر ستی نہیں ہوتی تھی۔ مجھے اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں کسی اور کی خاطر مر رہی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ جب مل گیا تو میں بھی جیتی رہی۔ اب میں اسکی خاطر مسلمان ہوتی ہوں۔ مگر میں اسے رام حسین کے نام سے یاد کرونگی خواہ وہ رام کے معنے فارسی میں سمجھ لے۔

تصور حسین۔ مجھے دل سے منظور ہے اور میں نے پہلے سے باقی انتظام کر رکھا ہے۔ ہندو دھرم بیشک کبھی صحیح مذہب تھا اور ہم اس کے بانیوں کی حرمت بجا لاتے ہیں۔ ہندو ہمارے ہم وطن اور ہماری ملی خوشیوں اور رنجوں میں شریک ہیں۔ میں نے انکو اپنے بیاہ پر رضامند کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ بڑی دھوم دھام سے اس میں شرکت کرینگے اور ذاتی وداد قومی اتحاد کی بنیاد محکم کریگا۔

بانکا سردار۔ بس ایک میں بے کس رہ گیا۔ سرحد کے کسی گوشے میں ایسے لامذہب افغان بھی رہتے ہیں جنکا لڑکوں کے ساتھ نکاح پڑھایا جاتا ہے۔ کاش میں اور میرا یار وہیں پیدا ہوتے۔

دوسرا نوجوان جو ستیا کے ساتھ حاضر تھا بول اٹھا کہ یہاں بھی تیار ہوں۔ اسکی سنجیدگی دیکھ کر سردار ذرا گھبرایا مگر وہ فوراً ہی کہنے لگی کہ میں نے یہ لباس اس لئے در بر کیا کہ آپ سب کی طرح کسی آئندہ مردانہ خدمات کے لئے مستعد ہو جاؤں۔ جیسا آپ نے وطن پر جانفشانی کر کے ملت کو آزاد خود مختار اور متحد بنایا میں بھی آپ کی صحبت میں کسی مفید کام کے قابل ہو جاؤں۔ اب میں شرم سے منہ ڈھانپتی ہوں اور میرا سردار اجازت دیگا تو شمشیر برہنہ نکلونگی۔ سردار نے شادماں ہو کر شکرئے کے ساتھ اثبات میں جواب دیا اور رابعہ بصریؒ کے مقولے کو یاد کیا:۔

طالب الدنیا مخنث طالب العقبیٰ مونث وطالب المولیٰ مذکر۔ خدا تعالےٰ چونکہ غنی ہے اس کی طلب سے مراد خدمتِ خلق کی استعداد ہے جس صورت میں بھی حاصل ہو۔

خاتمہ بالخیر

تصحیح اغلاط

صفحہ ۲۵- کی بجائے صفحہ ۴۱ پڑھا جائے۔ اس کے بعد ہر صفحے کے شمار میں ۱۶- کی زیادتی کی جائے الیٰ ۳۲ جو ۴۸- پڑھا جائے۔ اس کے بعد ۴۱ کو ۹۴ اور اسی طرح ۸- کی افزونی کی جائے تا ۴۶- جو ۲۷- پڑھا جائے۔ مذکورہ صفحوں کی غلطیوں سے مضمون میں کوئی نقص و خلل نہیں آتا۔

صحیح	غلط	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ
بخارا	بخار	۲	دبتی	دیتی	۳۱	پیزار	پنزار	۷۵	برک	بترک	۹۵
میں چشمہ	چشمہ	۵	صلح جو	صلح خو	۳۲	اتن	رتن	۸۰	......	ایک بوڑھا	۹۶
دوسرا اور	دوسرا اب	۶	کلک عروس	عروسی	۳۲ حاشیہ	اتن	رتن	۸۱	اوفیلیا	مارگریٹ	۹۸
گذر	گذار	۷	قیمتی	فیمتی	۳۲	دن	دل	۸۴	سوزوساز	شوروساز	۱۰۴
سلامت	سلامت اس	۷	آپکے وسیلے	آپ دسیلے	۴۵	پابند	یابند	۸۴	بات سنو	بات نہ ہو	۱۰۴
ارمڑ	لرمڑ	۱۳	قہقہہ	قہقہ	۴۶	بھید کھل کر	بھید کھل	۸۰	رنجیدہ	زنجیدہ	۱۰۶
ہو	سو	۱۳	تابمصر	تازمصر	۴۶	مطالع	مطالعہ	۸۸	جمعیت بھی	حمیت بھی	۱۱۰
وہ	وہ بڑے	۱۳	شاہانِ مغلیہ	شاہانہ	۴۷	نعمانی	لغمانی	۹۰	تعمیم	تعلیم	۱۱۱
دروازے	درورزے	۱۳	نخل	بخل	۵۴	بیچاروں	بیماروں	۹۰	حاجتت	عاقبت	۱۱۲
استنبول	آنبول	۱۵	علم و قوت	علم قوت	۵۶	بتر	بتبر	۹۱	ثواب	تواب	۱۱۲
سب کو	سب	۱۶	فربہی	خربہی	۵۶	ہوتے	ہوئے	۹۱	ماموراب تائب	ماموارت تائب	۱۱۶
طبائع میں	طبل لعس	۲۵	بدررود	بدارود	۵۷	نبردہ	یزدہ	۹۳	ان	آن	۱۱۸
کے	ے	۲۸	بیش بیش	بیش بیش	۵۷	سارباغ	ساپیح	۹۵	دماتاخر	دماغیر	۱۲۰
تو	کو	۲۹	امبر	بر	۵۷	چاریکار	چارگیار	۹۵			

نوٹ: نرگس اور سورج مکھی کے اشعار کا تکرار ایک مقالے اور دوسرے کے درمیان تحریر میں لمبی تاخیر کے سبب سے ہے۔



صحیح	غلط	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ	صحیح	غلط	صفحہ
یطیر	یطیر	۱۲۱	کاش کہ	کاسکہ	۱۳۴	ہوا ہوں	ہوا ہیں	۱۵۱	حسرت بھی	حیرت بھی	
نفرت	نفرت	۱۲۲	سے	ے	۱۴۱	میں			کھائی	دکھائی	۱۷۰
جمال	اجمال	۱۲۳	اس سے	اس بہتر	۱۴۲	نگینری	نگینری	۱۵۲	اکرم	اگرم	۱۷۲
زنانہ	زمانہ	۱۲۶	بہتر			جنگ و	جنگ خدال	۱۵۷	راشدہ	راسدہ	۱۷۴
مانعت کے	ممانعت	۱۲۷	میں نے	میں ارادہ	۱۴۳	جدال			خیمے	خیمے	۱۷۵
کیا عبرت	عبرت	۱۲۸	ارادہ			اس کی	اس پگڑی	۱۶۰	[illegible]	[illegible]	
فوق	قوق	〃	یورپ	یورپ	۱۴۴	پگڑی			[illegible]	[illegible]	
بلایا	ملایا	۱۳۰	کمرے سے	کمرے نکل	۱۴۵	پھٹکا	ٹھپکا	۱۶۱	[illegible]	[illegible]	
ہے	سے	۱۳۱	نکل			اس کے پیچھے	اس پیچھے	۱۶۲	[illegible]	[illegible]	

ابتدا و انتہا

افغانستان میں "جان نثارانِ اسلام" اصلاحات کی خاطر بعض مقتول ہوئے اور بہت سے محبوس جن کو دس سال قید میں گذر گئے تو سراج الملت والدین امیر حبیب اللہ خاں پر کسی نے فائر کئے جو خالی گئے۔ ہم کو محرک گمان کر کے قید میں مزید شدت کی گئی تو میں نے رفقا کا دل بہلانیکے لئے یہ ناول شروع کی۔ دن کو لکھتا اور رات کو سناتا۔ ان کی نسبت میرا سارا وقت اچھا کٹتا۔ ہم لوگ مردہ ہی خیال کئے بیٹھے تھے کہ کسی نے امیر پر فائر کیا۔ جس کی اطلاع پر میں نے بند دروازے کے پیچھے سے زنداں کے کپتان سے پوچھا کہ وار خالی تو نہیں گیا؟ اگر ایسا ہوتا تو مجھے اور ناول لکھنے کی مہلت نہ دیجاتی۔ رہائی کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کو شاہ امان اللہ خاں کی اجازت سے شائع کروں۔ انہوں نے اپنے بھائی سردار کبیر جاں کو اسکے مطالعے پر مقرر کیا جس نے برے الفاظ میں تنبیہ پیش کی جو ناول کی مذمت کے ساتھ خود املا و انشا دونوں میں غلط تھے۔ بعد میں جشن استقلال کی تقریب پر جب نمائشوں میں اعلےٰ اشیا منتخب ہوئیں تو کابل کے برگزیدہ اور تعلیم یافتہ اصحاب نے اس کتاب کو مستحق انعام قرار دیا۔ امان اللہ خاں اور کبیر جاں کو طعنے سے آگاہ کر کے میں نے اسے رسالہ "معرف معارف" میں باقساط نشر کیا۔ چونکہ یہ کتاب فارسی میں تھی میاں عبد المجید صاحب مالک پیسہ اخبار کی موکد اور متواتر فرمائشوں پر میں نے اس کا ترجمہ کر کے رسالہ "پیام اسلام" میں بتدریج شائع کیا۔ ناظرین کے اشتیاق نے آخر اس کتاب کی صورت بند ھوائی۔ کتنی مدت ہوئی ناول لکھی گئی کہاں اور کس حالت میں اور کس غرض سے شائع کی گئی۔ اگرچہ معاذیر کافی ہیں پھر بھی اسکے اتمام کے لئے میں نے تطبیق سے ایک حد تک کام لیا۔ جسکو اگر زیادہ تبدیل تک لے جاتا تو اصل مضمون بگڑ جاتا۔ اسکے مطالعے پر افغانستان کا مطمح نظر

اس صفحے کی اول کتاب کے سوا باقی اُردو میں ہیں

مثنوی ظاہری و جنگ و جنگ (فارسی میں) مصنف موصوف نے افغانستان کی خودمختار مملکت میں ہز ایکسیلنسی کے خطاب کا رتبہ پانے سے پیشتر گیارہ سال قید کے اثنا میں یہ مثنوی اور نظمیں لکھیں جو بیشتر جنگ یورپ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ حکمت و نصیحت کی باتیں اور لطیفے بھی بیان ہوئے ہیں صفحات ۱۵۶ قیمت ۱۰/

انقلاب افغانستان ایسی صحیح مفید دلچسپ اور ضروری نئے نکتوں سے آراستہ ضخیم کتاب افغانستان پر اُردو اور انگریزی میں ابتک شائع نہیں ہوئی۔ انقلاب اور امان اللہ خان کے زوال کے عمیق و دقیق اسباب بے شمار مثالوں کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ شاہ نادر خان کی فتوحات، اہلِ ہند کے ساتھ تعلق و ہمدردی بعض اہلِ ہند کی وفاداری و جان نثاری۔ بچہ سقا کی عجیب و غریب بادشاہی اور اس کے اسباب و نتائج۔ ڈاکوؤں اور ان کے علاقے کی تاریخی سرکشی و بہادری۔ افغانی فوج کی عادات، ملت افغان کی خصوصیات، مشہور و معروف خاندانوں اور اشخاص کی رقابتیں اور خصوصیتیں سابق شاہان افغان اور سرداروں خانوں وغیرہ کے قصے لطیفے نظمیں اور گوناگون عالمانہ مضامین مندرج ہیں۔ جن سے فتح حق ثابت ہوتی ہے۔ ۲۰ تصاویر۔ ۴۰۰ صفحات۔ اعلیٰ قسم دو روپے۔ اوسط ڈیڑھ روپیہ

حیات نادر اعلیٰحضرت شہید محمد نادر خان غازی کی سوانحعمری۔ ہندوستان میں ولادت و تربیت۔ افغانستان میں عسکری مدارج۔ تین لڑائیوں میں فتوحات۔ جنگ استقلال و آزادی میں کامیابی و ناموری۔ ملکی اصلاحات۔ یورپ میں کنارہ کشی۔ وطن کی نجات کیلئے بے مثل جد وجہد۔ قبائل کو متحد کرنا۔ بچہ سقا کے ساتھ مقابلہ شکست و فتح بادشاہی میں تمام قیاسات ملی سیاست و تدبیر و تقوے کا نمونہ حسنہ۔ شہادت پر ملت کی احسانمندی کا اعتراف۔ ظاہر شاہ کے حالات اور نادر برادران کی بلند خدمات صفحات ۴۰۰، ۲۰ تصاویر۔ قیمت اعلیٰ دو روپے۔ اوسط ڈیڑھ روپیہ۔

امان اللہ خان سابق بادشاہ کے عروج پر فاضلانہ اردو میں ضخیم کتاب جو مصنف کے چشم دید حالات پر مبنی ہے قدیم و جدید علوم و فنون شرقی و غربی سلاطین، مشاہیر حال و ماضی اور حکمت و سیاست کے موازنے سے اس کتاب کا مطالعہ باوجود امان اللہ خان کے زوال کے ہمیشہ مفید اور پر لطف رہیگا۔ اس میں ایک بادشاہ کی غیر معمولی ترقی اور جہانگیر شہرت کے اسباب بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ اس کتاب میں تمام واقعات تاریخی مقابلے سے تحریر ہوئے ہیں۔ اسلئے یہ ایک بادشاہ سے گذر کر کئی بادشاہوں و مشاہیر کی سوانحعمری بن جاتی ہے۔ ۳۰۰ صفحات قیمت عہ روپیہ

بزرگوں کی باتیں ایک سو اولیائے کرام کے چیدہ احوال و اقوال جنکا موجودہ زمانے کی ترقیوں اور دل کو اطمینان دینے کیلئے ہر وقت مطالعہ لازم ہے۔ صفحات ایک سو۔ قیمت ۸/